اِسلامی تصوّف
اور
صُوفیائے سرحد

دسویں صدی ہجری میں علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر عبدالرشید



تصوّف فاؤنڈیشن

الفلاح پلازہ، جی ۹۔ مرکز، اسلام آباد

جملہ حقوق محفوظ

کتاب - صوفیائے سرحد (دسویں صدی ہجری میں)

مصنف - ڈاکٹر عبدالرشید

تعداد - ایک ہزار

سن اشاعت - فروری ۱۹۸۸ء

ناشر - تصوف فاؤنڈیشن، اسلام آباد

طابع - اظہر عزیز پرنٹرز، اسلام آباد

قیمت - ۷۵ روپے

انتساب

یہ تحقیق میں وطنِ عزیز کی اُس عظیم ہستی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جس نے پاکستان کی صنعتی زندگی کی اِبتدا کی، اُسے جلابخشی اور آج اِس سرزمین کے چپہ چپہ پر اُن کی روشن کردہ چمنیاں لَو دے رہی ہیں۔

وہی ہستی اب اِس دھرتی کے ہر گوشے میں شمعِ علم فروزاں کرنے میں محوِ عمل ہے —— اور وہ ہستی ہے! میرے کرم فرما اور ملّی شاعر خوشحال خان خٹک اور بزرگ صوفی جمال خان خٹک (فقیر بابا چشتی) کے خاندان کے ایک روشن چراغ —— سینیٹر غلام فاروق - قابلِ صد احترام۔

عبدالرشید

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (المائدہ ۵۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے نواز دے۔

○ — میرے والدِ محترم حاجی محمد یونس نے گزشتہ برس حج کے موقعہ پر ربّ العزت کے حضور دو درخواستیں پیش کیں اور دونوں منظور ہوئیں۔

○ — میرے کرم فرما محمد ابراہیم خان خلیل، اولیاء اللہ سے اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ اپنی آخری آرامگاہ کا انتخاب بھی عظیم صوفی بزرگ حضرت یحییٰ المعروف حضرت جی بابا کے دامن میں دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے مقام پر کیا۔

○ — میری پیاری باجی شہزادی شمیم کریم، اس دَور کی رابعہ بصری، جن کی دُعائیں مجھے اس مقام تک لے آئیں جن کا میں نے کبھی تصوّر بھی نہ کیا تھا۔

○ — میرے سرپرست الحاج محمد حنیف طیب، جو پاکستان کی اہم سیاسی شخصیت اور وفاقی وزیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی خصوصیت کی حامل شخصیت ہیں کہ آقائے تمام جہاں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ان کے شب و روز کا لازمی جزو ہے۔

رحمۃ للعالمین پر بے حساب دُرود و سلام کے ساتھ میں ربّ العٰلمین کے حضور سجدہ ریز ہوں کہ جس نے میرا تعلق ان اہلِ فضل سے قائم کر دیا۔

خاکپائے رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

عبدالرشید

ملاحظات

نقشِ اول ۱۱

باب اول
حقائق تصوف

باب دوم
ادوارِ تصوف

باب سوم

حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا

باب چہارم

پیر بابا کے خلفاء

باب پنجم

پیر بابا کے معاصر صوفیہ

باب ششم
بایزید انصاری

باب ہفتم
پیر بابا پیر روشن ـــــ ایک جائزہ ۲۹۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ اوّل

اوّل ذات باری تعالیٰ ہے جو سب جہانوں کا پالنہار ہے۔ وہی ہمہ جہت اولیت لیے ہوئے ہے اور وہی ذات تجلیات کا منبع ہے جب اس نے اوّل کامل ترین مذہب کے اصولوں کو اپنے بندوں تک پہنچانے کا ارادہ کیا تو ابتدا کی۔

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق

اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم

علم الانسان مالم یعلم (۱)

یہ وحی الٰہی کے اولین الفاظ ہیں گویا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام اول ہے اور اسی پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے گویا فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کی ذمہ داری اس امت خیر کے حصہ میں آئی اور اسی سلسلے میں مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کوہستانی (۲)

بندہ عاجز راقم الحروف مسمی عبد الرشید شعبہ علوم اسلامی کراچی یونیورسٹی

مہاجرین پاکستان کے ان قافلوں کی تاریخ کا ایک ورق ہے جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد اپنا سب کچھ قربان کرکے اس مملکت خداداد کی جانب ہجرت کی اور اس دھرتی کے جس کونے میں بھی سر چھپانے کو جگہ ملی اسے اپنے جنت بنا لیا۔ قیام پاکستان کے وقت میرے والدین کا مقدر انہیں بمبئی سے ایک ایسے سبزہ زار خطے میں لے آیا جو پاکستان کے لالہ زار خطہ مانسہرہ سے موسوم ہے اور صوبہ سرحد کا ایک ضلع ہے۔ شاہراہ ریشم کے کنارے پر واقع پرخوبصورت شہر وادی کاغان اور کشمیر کا سنگم ہے۔ میری ابتدائی تعلیم و تربیت اسی غیور، باوقار اور مذہبی ماحول میں ہوئی* جہاں رب ذوالجلال پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لایا جاتا ہے۔ جہاں سید الابرار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دل و جان سے محبت کی جاتی ہے اور جہاں کھلے دل سے اصفیاءؒ اور اہل باطن سے کامل محبت و عقیدت رہی ہے ان میں وہ ہستیاں بھی ہیں

---

* یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب میرے آباؤ اجداد بہلول لودھی کے زمانہ میں افغانستان سے ہجرت کرتے ہوئے دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک خاندان ہجرت کر گیا اور مختلف علاقوں میں رہتے ہوئے آخر کار بمبئی میں سکونت پذیر ہو گیا اور دوسرا خاندان وادی سوات میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد ہزارہ ہجرت کر گیا اور پانچ سو سال بعد پھر جب یہ خاندان آملا اور ایک ہی خاندان کے لوگ اکٹھے ہوئے تو میری ابتدائی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہزارہ میں مقیم خاندان نے کیا تاکہ ایک صحت افزا مقام اور پرخلوص لوگوں کے درمیان تربیت ہو جائے اور اللہ کا کرم ہے کہ اسی تربیت نے میرے دل و دماغ میں صرف ایک ہی مقصد کے حصول کی لگن پیدا کی ہے اور وہ یہ کہ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو   ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں روحانی اقتدار قائم کیا۔ مالاکنڈ کے سنگلاخ پہاڑوں میں جان کا نذرانہ دیا، سوات کے مردم خیز علاقوں میں اپنی اجتہادی قوتوں، سرفروشی اور لازوال مساعی کو اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کیا اور اس طرح جہل کی تاریکیوں کو علم کی روشنیوں سے بدل دیا۔

یوں تو احقر کو سبھی صوفیاء و اتقیاء نے متاثر کیا لیکن جن عظیم صوفی مشاہیر نے اپنی تعلیمات سے میرے دل و دماغ کے تمام گوشے اجاگر کئے اور جن کے پاک حالات و واقعات نے میری جان و روح کو ہمیشہ روشن کیا وہ صوبہ سرحد کے چند عظیم صوفی مشاہیر ہیں۔ چنانچہ میری یہ ادنیٰ کوشش انہیں کے کوائف و حالات سے متعلق ہے۔

صوبہ سرحد* کی زیادہ تر آبادی کا حصہ پختونوں پر مشتمل ہے اور پختون قوم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ قومیت کے چاروں عناصر اس میں پائے جاتے ہیں۔

قومیت کے عناصر چار ہیں۔ زبان، مذہب، نسل اور وطن۔ پختونوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں یہ چاروں عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کی زبان بھی ایک ہے یعنی پشتو** علاقہ بھی ایک ہے افغانستان و صوبہ سرحد***، مذہب بھی ایک ہے اسلام اور نسل بھی ایک ہے۔ (۳)

---

* اس وقت صوبہ سرحد کی کل آبادی ایک کروڑ تیس لاکھ ساٹھ ہزار اور رقبہ ایک لاکھ ایک ہزار مربع کلومیٹر ہے (۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق)

** پختون خواہ افغانستان میں ہوں یا پاکستان میں، سب کا مذہب ایک

اس لیے اس قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میری یہ اہم ذمہ داری ہے کہ میں ان کی تعلیمات اور خدمات سے دنیا کو روشناس کراؤں۔ ابھی تک عام مورخین کی نظروں سے یہ شخصیتیں اوجھل رہیں اور اگر کچھ مورخین نے قلم اٹھایا بھی تو اس علاقے سے دور رہتے ہوئے اور پشتو زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر ان حضرات سے انصاف نہ کر سکے۔

جہاں تک صوفیائے سرحد کا تعلق ہے تو صوبہ سرحد کی سرزمین نے اہل سیف کے ساتھ ساتھ انسانی رہنمائی کے لیے بڑے بڑے اہل علم و باطن بھی پیدا کیے ہیں چنانچہ ایک طرف رحمان بابا ہیں جو ایک "مست ملنگ اور قلندر"(۴) صوفی شاعر ہیں۔ ان کی صوفیانہ شاعری توحید و رسالت کے مضامین سے پر ہے۔ مثال کے طور پر توحید باری کے متعلق رحمان بابا فرماتے ہیں۔

شریک نہ لری پہ خپلے بادشاہی کښں   بے شریکہ شہریار دے رب حما(۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شریک سے مبرا ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک ہے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار وہ اپنے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ہی ہے یعنی سب مذہب اسلام میں منسلک ہیں اور زبان بھی ایک ہے یعنی پشتو۔

** جہاں تک نسل کا تعلق ہے تو وہ بھی ایک ہی ہے یعنی تمام پختون قیس عبدالرشید کی اولاد ہیں جن کو حضرت خالد بن ولید نے اپنی بیٹی حضرت سارہ بیاہی تھی اس لیے تمام مغربی سرحدی صوبہ میں ہر پختون اپنے آپ کو خالد بابا (خالد بن ولید) کی اولاد بتاتا ہے اور بڑے فخر سے کہتا ہے کہ "مونگا د بے خالد بابا اولاد یو"۔

(افغانی، جمال الدین۔ الافغان)

زہ رحمان د محمد د درگہ ایم   کہ خدائے نہ کړے لرے د درجہ(۶)

ترجمہ: رحمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کا فقیر ہے اور خدا اس آستانے سے جدا نہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سرحد ان کے منظوم کلام کو ایسی غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں کہ بقول میر عبدالصمد خان "اگر نماز میں قرآن کے علاوہ دوسرے کلام کے پڑھنے کی اجازت ہوتی تو میں رحمان بابا کا منظوم کلام نماز میں پڑھتا"(۷) رحمان بابا کے کلام کی ہر دلعزیزی کا یہ حال ہے کہ بقول مولانا عبدالقادر "اچھے اچھے بزرگوں نے ان کے اشعار سے فال نکالے ہیں، قندس کے عالموں اور زاہدوں نے رحمان بابا کے کلام کے نسخے بکثرت جمع کیے ہیں اور عورتیں بھی آپ کے کلام کو پڑھتی ہیں اور برکت سمجھتی ہیں"(۸)

رحمان بابا کے ہر شعر میں عمل پر ابھارا گیا ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال رحمان بابا کے کلام سے متاثر تھے اور جو تعلیمات علامہ اقبال نے پیش کی ہیں وہ آج سے چار سو برس قبل رحمان بابا پیش کر چکے تھے لیکن دنیا ان سے آشنا نہ ہو سکی مثلاً جس طرح علامہ اقبال نے کہا۔

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی"

تو کیا یہی بات رحمان بابا کے اس شعر میں نہیں

رحمان دا دوزخ گوئی خپلہ پکار زدہ   عاشقی پہ گفتار نہ شی پہ کردار شی

اور ذرا رحمان بابا کی نصیحت کا انداز تو دیکھیں۔

چہ پہ پل نہ نصیحت کوے ځان دې هېر   نور ټوک ندے ہغہ تہ عبدالرحمن ئے(۹)

ترجمہ: اے عبدالرحمن تم دوسروں کو تو نصیحت کر رہے ہو اور اپنے آپ کا خیال نہیں جہاں تک رحمان بابا کی اپنی زندگی تھی تو اس کو بھی سے

انہوں نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ خود اپنی قوم کی حالت زار دیکھ کر میرا جو حال ہے کر۔

زمانے د رحمان زړه وسے کباب کړے   لا احوال ئے څوک نه دی خبردار (۱)

ترجمہ:۔ زمانے نے رحمان کا دل جلا کر کباب کر دیا ہے لیکن میرے اس حال کی کسی کو کیا خبر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پشتو قوم کے اہل تصوف اور رہروان طریقت اور معرفت نے اس لحاظ سے حضرت رحمان بابا کے کلام کو مشعل راہ سمجھا ہے کہ بابا اپنے پہلو میں گداز دل رکھتے تھے اور آپ کا دل کیفیات اور واردات عشق سے لبریز تھا اور آپ ایک ایسے سالک تھے جن کو راہ و رسم تصوف سے پوری پوری آگہی حاصل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل سرحد کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہیں اگر ایک طرف عظیم صوفی شاعر رحمان بابا کی رفاقت حاصل ہے تو دوسری طرف خوشحال خان خٹک جیسا ملی شاعر ان کے جذبہ آزادی کا علمبردار ہے۔ لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک پشتو ادب و شاعری کے دو ایسے نمائندے ہیں جس طرح اردو ادب کے غالب اور اقبال۔ رحمان بابا کے اشعار کے مطالعہ سے ان کے ایک بلند پایہ عالم اور عظیم مفکر ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ان کے افکار اس دور میں بھی ہماری راہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کا فلسفہ اخلاق ہماری قومی زندگی کو مادی اور روحانی ہر دو لحاظ سے توانا اور پاکیزہ بنا سکتا ہے۔ حضرت رحمان بابا کا کلام پورے انسانی معاشرے کی پوری زندگی کے ہر ایک پہلو اور ہر ایک دور کے لیے ہے اور آپ کے کلام کا ایک ایک مصرعہ وہ راہنما اصول ہے جس سے ہم پوری زندگی کے ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں جس کا ثبوت بابا کا یہ شعر ہے۔

وغنچے غوندې پر سل ژبے خاموشه   لکه بوی سبے په پټه خوله گویا یم (۱)

ترجمہ:۔ کلی کی طرح بیسیوں زبانیں رکھتے ہوئے بھی خاموش ہوں اور ساتھ ہی نسیم سحری کی طرح اپنا منہ بند رکھتے ہوئے بھی گویا ہوں۔

ہم نے دسویں صدی ہجری کے صوفیاء کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ اس صدی میں اگر ایک طرف دنیا کے وسیع خطے پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی* تو دوسری طرف برصغیر پاک و ہند میں مغلوں کے اہم فرمانروا یعنی بابر، ہمایوں اور اکبر اہم تاریخ مرتب کرتے ہیں اور تیسری طرف شمالی علاقہ جسے آج شمالی مغربی سرحدی صوبہ (صوبہ سرحد) کہتے ہیں، صوفیائے کرام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور وہ یہاں اہم علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں جس کے ساتھ ساتھ اس دور کی دو شخصیتیں حضرت پیر بابا اور بایزید انصاری کچھ مورخین کا موضوع بحث رہیں۔ میرا مقصد ان کی خدمات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک روشنیہ کی صحیح حیثیت کو متعین کرنا ہے کیونکہ یہی دو شخصیتیں عرصہ سے نزاعی بحث کا موضوع بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اگر سید علی ترمذی اپنے معتقدین میں پیر بابا کے نام سے مشہور ہیں تو بایزید انصاری بھی پیر روشن کے لقب سے سرفراز ہیں۔ میرے اس انتخاب کا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ دسویں صدی ہجری میں صوبہ سرحد میں کون کون سے صوفیاء و اتقیاء گزرے ہیں ان کی

۱۶۰۰ء۔۔۔۔ ۱۵۰۰ء

*اس صدی میں مسلمان ریاستوں کا کل رقبہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ نوے ہزار مربع میل اور آبادی ڈیڑھ ارب تھی (۱۶۰۰۰۰۰۰ ۔۔۔ ۱۵۰۰) اس طرح اس وقت دنیا کے کل رقبے کا زیادہ تر حصہ مسلم ریاستوں پر مشتمل تھا

کیا خدمات رہی ہیں۔ تاجداروں سے ان کے تعلقات کیسے رہے ہیں آیا انہوں نے سرفروشی ہی میں نام پیدا کیا یا دینی تعلیمات کو عوام میں اپنے حسن عمل و فکر سے پھیلایا یا گمنام رہے مگر آج بھی ان کے نور قلب کا سکہ لوگوں کے دلوں پر ہے۔ ان اصفیاء میں وہ بھی ہیں جنہوں نے غاروں سے باہر آکر لوگوں میں تبلیغ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وہ بھی ہیں جنہوں نے تعلیمات اسلامیہ کو لطافت اشعار کا جامہ پہنایا۔ وہ بھی ہیں جنہوں نے بادشاہوں اور امراء کی بدعقیدگی کا اپنی زبان حق گو کردار سے مقابلہ کیا اور شاہی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے بدعت، بدعقیدگی اور دینی غلو سے قلمی و سیفی جنگ کی خواہ حریف متصوف کی روپ میں ہی کیوں نہ آیا ہو۔ ان اتقیاء کے خلفاء نے بھی اپنے مجاہدوں کو نقطہ عروج پر پہنچایا۔ اچھے شیوخ کے بیعے مرشے ان کی تعلیمات کو گوشہ گوشہ پھر کر لوگوں تک پہنچایا اور اس طرح صوبہ سرحد کے پختونوں کی بہادری کو جوش جہاد کے جذبہ سے بدل دیا۔ البتہ اسی دور میں اندرونی اور بیرونی سازشیں ان اسلامی کاوشوں کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہیں جیسے کہ یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ غیر اسلامی قوتیں اسلام کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ سے متحرک رہی ہیں لیکن اس سے بڑھ کر افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ غیر اسلامی قوتوں کی مکمل بیخ کنی کی جائے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان حکومتوں کے عروج کے زمانہ میں بھی دشمنوں نے لباس دوستی میں اسلامی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مقابلہ میں عبداللہ بن ابی منافق سے زیادہ محتاط رہنا پڑا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دور فاروقی ——— کی ہیبت نے اسلام کے

دشمنوں کو مایوس کیسے رکھا لیکن کیا اس بات کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے کہ فیروز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے شہید کیا کہ وہ اپنے حق میں آپؓ سے فیصلہ نہ کروا سکا۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ملت اسلامیہ کا انتشار یہودی سازش کا نتیجہ نہیں تھا۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور حضرت علیؓ کی شہادت بظاہر مسلمانوں کی باہمی صف آرائی تھی اور اس کا ہر فرد صاحب خیر القرون تھا لیکن وہ لوگ کون تھے جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکروں پر شبخون مارا اور باہمی رضامندی سے مسئلہ طے کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے خارجی عقائد کو ہوا دی۔ سانحہ کربلا کو بپا کرنے والے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کو شہید* کر کے احیائے خلافت راشدہ کے امکان کو نیست و نابود کرنے والے بظاہر مسلمان نظر آتے ہیں لیکن کیا یہ معلوم کرنا ضروری نہیں کہ شک و شبہ اور غلط فہمیاں پیدا کر کے بھائی کو بھائی سے لڑانے والے کون تھے۔ ابو مسلم خراسانی کی تحریک ہو یا فرقہ معتزلہ کا قیام ان سب کی حقیقت آشنائی کے لیے ایسے غائر مطالعہ کی ضرورت ہے جس سے ملت کی تباہی اور اسلام کو مسخ کرنے کی سازشوں کو چلانے والوں کی نقاب کشائی ہو سکے۔

عباسی دور میں یہودی علماء، حکماء اور اطباء نے کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر اپنی تصانیف و تراجم کے ذریعے مسلمانوں کی ایمانی اور روحانی قوتوں پر عقلیات کی ضربیں لگائیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور بہت سے دوسرے اہل حق کو مسلمان حکمرانوں سے سخت سزائیں دلوانے کے محرک کون

---

* اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات بظاہر طبعی طور سے ہوئی لیکن اکثر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کو سازش کے تحت زہر دے کر شہید کیا گیا۔

تھے ؟ کیا حسن بن صباح کے فدائین با صلاحیت مسلمانوں سے منتخب نہ کیے جاتے تھے جو خوشی سے مایہ ناز مفکرین ، مدبرین اور مصلحین کو شہید کرتے تھے ۔ اندلس میں مصری ، یمنی ، بربر اور نو مسلم اندلسی میں تفریق کس طرح پیدا ہوئی ۔

ان سب سوالوں کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ مسلمان دشمن کا آلۂ کار بن کر دانستہ اور نادانستہ طور پر ذاتی مفاد کی خاطر اپنے ہی گھر کو آگ لگاتے رہے اسی طرح خلافت عثمانی کی تباہی اور چھوٹے چھوٹے محکوم اسلامی ملکوں کی تشکیل میں یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا زور نہیں لگایا ۔ یہی صورت حال برصغیر میں بھی رہی جے پال کی کارروائیاں اندپال کی سازشیں ، پرتھوی راج اور شہاب الدین کی جنگ ان تمام واقعات کی کڑیاں بہت دور تک جا کر ملتی ہیں ۔

باطل کی ان چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیے صرف علمائے حق اور صوفیائے کرام ہی سینہ سپر ہوئے خصوصاً برصغیر میں سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات میں حضرت ابوالحسن ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی کا روحانی جہاد کارفرما ہے ۔ اگر ایک طرف بابا فرید گنج شکر ، شیخ نظام الدین اولیا ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی شاہ بوعلی قلندر اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب اس برصغیر کے میدانی علاقوں میں اشاعت دین میں لگے رہے تو دوسری طرف حضرت پیر بابا ، بایزید انصاری ، اخون پنجو بابا مست بابا ، بہادر بابا ، جمال خان خٹک رفقیر بابا چشتی ، باباجی صاحب کیان شریف محمد قاسم صاحب موہڑہ شریف ، پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف اور ان جیسے صوفیائے کرام نے ـــــــ اس خطے کے دور دراز علاقوں میں سنگلاخ پہاڑوں اور سبزہ زار وادیوں میں اسلام کے خلاف داخلی اور خارجی خطرات کے ساتھ ساتھ بیرونی تسلط کا خود اور اپنی جماعتوں کے ساتھ مردانہ وار

مقابلہ کیا ۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے عظیم جرنیل حضرت خالد بن ولید پختون تھے اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنے پختون بھائیوں کو اس کی دعوت دی اور خود ایک پختون جرگہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا اور حضور نے اسلام سے محبت کی بنا پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کو خطابات سے نوازا ۔

" خالد نے اس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ۔ آپؐ نے ان کی طرف عنایت کا سلوک کیا خصوصاً قیس کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول فرمائی ۔ ان کا نام عبدالرشید* رکھ دیا اور امیر کا لقب عطا فرمایا " (١٢)

** اور پھر پانچویں صدی ہجری میں محمود غزنوی نے پاکستان کے پختونوں کو اسلام کی نصرت سے ہمکنار کیا ۔

" سلطان محمود غزنوی سوات کے راستے رمضان ١٥ھ میں ملتان پہنچے اور اہل سوات نے پہلی مرتبہ محمود غزنوی کے ذریعہ اسلام کی روشنی کو پایا " (١٢)

* پختونوں کے تمام قبائل کا شجرہ نسب قیس عبدالرشید سے چلتا ہے

** قیس عبدالرشید کی اولاد پٹھان اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ ان لوگوں کو سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی نے "پٹان" (جہاز کا پیشتی بان) کے لقب سے موسوم کیا کیونکہ یہ لوگ اپنی بہادری اور سر فروشی کے باعث اس کی فوج کی جان تھے ۔ یہی لفظ پٹان امتداد زمانہ سے باشندگان فارسی وعربی نے جہندی مخلوط ہو جانے سے تبدیل ہو کر پٹھان بن گیا

(حیات حافظ رحمت خان ص ٥ - ٦)

بڑی وجہ ہیں کہ پختونوں نے تقریباً چار صدیوں تک اس برصغیر پر مسلسل حکومت کی۔

"شہاب الدین محمد غوری نے پشاور اور اس کے ملحقہ علاقوں پر ۵۷۵ھ میں قبضہ کیا اور ۵۸۲ھ میں حسین خرمیل نامی پختون کو سیالکوٹ کا حاکم اعلیٰ مقرر کرکے ۵۹۴ھ میں دہلی پر قابض ہوا اس وقت سیالکوٹ کو پنجاب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی" (۱۴)

پختونوں کی یہ حکومت ۷ رجب ۹۳۲ھ کو اس وقت ختم ہوئی جب ظہیر الدین بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کے بعد شیر شاہ کے علاوہ کوئی قابل قدر پختون حکمران نہیں گذرا۔* کیونکہ پختون محمود غزنوی کے بعد جس شخصیت کے قائل ہیں وہ شیر شاہ سوری ہیں جو بابر کے دہلی فتح کرنے تک شیر خان کے نام سے مشہور تھا اور جس کا اصل نام فرید خان تھا۔ ایک انگریز مورخ سر اولیف کیرو کے بیان کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اس نے بھی تنہا ایک شیر یا چیتے کا مقابلہ کیا اور اسی بنا پر شیر خان مشہور ہو گیا۔ پختونوں کے دلوں میں شیر شاہ کے اصول و قواعد کا بڑا احترام ہے اور وہ بڑے فخر سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سر اولیف کیرو نے صوبہ سرحد کے

---

* ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کی شکست کے بعد شیر شاہ کی حکومت شمالی برصغیر کے بہت بڑے حصے پر قائم ہو گئی تھی شیر شاہ نے اسے ۴۷ حصوں میں تقسیم کیا۔ شیر شاہ نے زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاحات کیں خصوصاً ذرائع آمد و رفت، ڈاک کا نظام اور فوجی اصلاحات ایسے کارنامے ہیں جو آج بھی اس عظیم بادشاہ کی یاد دلاتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے اپنی ایک گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"میں نے ایک بار اپنے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے دریافت کیا کہ برصغیر کی تاریخ میں ان کا ہیرو کون ہے۔ میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر صاحب اکبر کا نام لیں گے کیونکہ اکبر کی طرح وہ بھی فرقہ پرستی سے بلند تھے لیکن انہوں نے شیر شاہ کا نام لیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ پختون تھا وہ کسی جھجک کے بغیر معاملہ کی تہہ تک پہنچتا تھا اور جب کارروائی کی ضرورت ہوتی تھی تو خود موقع پر جاتا تھا" (۱۵)

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح صوبہ سرحد کے پہاڑی علاقے اور خصوصیت سے وادی سوات دینی مسائل کے مرکز تھے۔ اسی طرح یہ علاقے حکمرانوں کی آماجگاہ بھی رہے اور حکمران ان علاقے کے سرکردہ لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کے لیے ان سے قریبی رشتہ قائم کرنے کی کوشش کرتے اس کی واضح مثال خود بابر کے مختلف اقدام ہیں مثلاً ایک طرف وہ یوسف زئیوں کے ہاں رشتہ کرتا ہے* تو دوسری طرف پختونوں کی بہادری کی بنا پر اپنی حکومت میں ان کو اہم عہدوں پر فائز کرتا ہے۔**

---

* بابر نے تیسویں محرم ۹۱۵ھ کو یوسف زئی بادشاہ ملک منصور کی بیٹی سے اس خیال سے کہ یوسف زئی پختونوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے نکاح کیا۔ (۱۶)

** "He appointed Alam Khan Lodhi and Dilawar Khan Lodhi Governor of Dipalpur and Sultanpur respectively. He even helped the former in his attempt to obtain the throne of Dehli. It was only when Alam Khan had proved his utter incompetence as an organisor and general. The Babur decided to fight for the throne of Dehli himself".

مغل حکمرانوں کا یہ تعلق صوبہ سرحد سے ہمایوں اور اکبر کے دور میں بھی قائم رہا لیکن خصوصیت سے

عہد اکبری صوبہ سرحد میں سیاسی اور دینی مساعی کا دور تھا میرا اشارہ عہد اکبر کے سیاسی مساعی کے علمبردار بایزید انصاری اور دینی مساعی کے علمبردار سید علی ترمذی (پیر بابا) کی طرف ہے کیونکہ تاریخ نے دونوں کو موضوع بنایا ہے اور خود پختونوں میں دونوں کے لیے ہمدردیاں موجود ہیں کسی وقت سے بایزید انصاری کو پردہ اخفا میں ڈال گیا اور آج کل خصوصاً کابل میں بایزید انصاری کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے* اور حضرت پیر بابا اور ان کے خلفاء پر مغلوں کی طرفداری کا الزام لگایا جاتا ہے۔ یہ ایسی حالات نامساعدہ ایک محقق مقالہ نگار کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تعدیل، تطبیق اور تقدیر کے لیے پوری طرح غیر جانبدار رہ کر دونوں کے مابہ النزاع امور کو سلجھائے خواہ ان کو سیاست زمانہ نے ہوا دی ہو، لوگوں کی نفسانیت نے اچھالا ہو یا کج روی و کج فہمی نے شہہ دی ہو۔ کیونکہ تمام تر نزاعی امور میں یہی تینوں عناصر ہر دور میں کام کرتے رہے ہیں جو مورخین و محققین کے لیے سرگرداں ثابت ہوتے ہیں میرے لیے بھی یہی مقام نہایت صبر آزما تھا مگر بتوفیق ایزدی میں نے اپنے اس مقالہ میں کوشش کی ہے کہ اس نزاعی پہاڑ کو اپنے راستہ سے ہٹا دوں، لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دوں تاکہ نزاع و اختلاف کے بادل سے نور حق چھن سکے۔ میں سمجھتا ہوں

---

* پشتو ٹولنہ کابل (افغانستان) نے ۱۹۷۶ء میں پیر روشان کی یاد میں ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کر کے بایزید انصاری کے افکار پر تحقیق کے لیے دنیا بھر کے سکالرز کو دعوت دی۔

کہ محقق کا کمال ایسے ہی مقام پر ظاہر ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے ورنہ مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کا کام تو بڑا آسان ہے کہ بسہولت مشاہیر کے حالات جمع کر دیں اور عوام کے سامنے پیش کر دیں۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک طرف تو اخوند درویزہ نے اپنی کتب مخزن اور تذکرہ میں بایزید کو بے دین ملحد اور زندیق کہا ہے لیکن دوسری طرف اخوند درویزہ اس کے بھی معترف ہیں کہ بایزید بڑے عاقل، ہوشیار، دانا اور زبردست مناظر تھے اور یہ نئی بات نہیں اگر تاریخ انسانیت پر عمیق نگاہ ڈالیں تو جہاں جہاں نزاع ہوا ہے وہاں تقدیری امور نے کام کیا ہے۔

یہی حال بایزید انصاری اور سید علی ترمذی کا ہے حالانکہ دونوں ہستیوں نے پختون قوم کی اصلاح کے لیے کام کیا صرف راہیں جدا جدا تھیں۔

میرا یہ مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ اور اختتامیہ اس کے علاوہ ہیں۔ پہلے دو ابواب تصوف سے متعلق ہیں تاکہ صوفیہ حضرات پر بحث کرنے سے قبل تصوف کا پس منظر اس کی تاریخ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے لے کر آج تک کے اس سفر کا حال آنکھوں کے سامنے رہے جو اللہ کے ان نیک بندوں نے طے کیا۔

تیسرا باب پیر بابا کے حالات و افکار پر روشنی ڈالتا ہے کہ کن حالات میں اور کس طرح انہوں نے صوبہ سرحد کے دشوار گزار علاقوں کو تبلیغ دین کا مرکز بنایا۔

چوتھا باب پیر بابا کے خلفاء اور اولاد پر ہے۔ جس میں زیادہ اہمیت ان کے خلیفہ حضرت اخوند درویزہ کی ہے کیونکہ پیر بابا کی تحریک سے اگر اخوند درویزہ کو الگ کر دیا جائے تو ہمارے پاس کچھ نہیں بچتا۔

پانچواں باب پیر بابا کے معاصر صوفیہ کا ہے جس میں پاک و ہند کے

صرف ان صوفیہ کا ذکر ہے جن کا کسی نہ کسی طرح صوبہ سرحد سے رابطہ رہا یا جن کا تعلق مغل حکمرانوں سے رہا ان میں ہندوستان کے شیخ عبد القدوس گنگوہی، شیخ سلیم چشتی اور شیخ جلال الدین تھانیسری کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد کے مست بابا بہادر بابا اور اخون پنجو بابا (رحمان سب پر اللہ کی رحمتیں ہوں) جیسی اہم روحانی ہستیاں شامل ہیں۔ چھٹے باب میں بایزید انصاری اور ان کی تحریک کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جبکہ

ساتویں باب میں دسویں صدی ہجری کی ان دو نزاعی شخصیتوں کی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مورخین و محققین کا موضوع بحث رہیں۔

اختتامیہ پورے مقالہ کا خلاصہ ہے جبکہ اس کے آخری اوراق میرے دل کی آواز ہیں کہ آج ہم کس طرح ان پاک ترین ہستیوں کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے اسلام سے لگاؤ اور پاکستان کے استحکام و ترقی کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں لیکن میں نے جن نامساعد حالات میں اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ اس کا اندازہ یوں کیجیے کہ میری ذمہ داریاں کراچی یونیورسٹی میں تحقیق صوبہ سرحد میں اور وہ بھی سنگلاخ پہاڑوں کے چپہ چپہ کو چھاننا بے ترتیب کتب کے انبار سے مقصد کا مواد حاصل کرنا بس یہ سمجھیے کہ یہ بھی ان بزرگوں کی کرامت تھی جس نے مجھے سرخرو کیا ورنہ کہاں یہ عظیم کام اور کہاں میری ناتوانائی۔

بہر کیف اس مقالہ کی تیاری کے لیے میں نے متعدد مرتبہ صوبہ سرحد کا سفر کیا تحریک روشنیہ اور مغلوں کی جنگوں کے مقامات معلوم کرنے کے لیے اپنے طلبہ

شمشیر علی، اکبر علی اور مریم خان* کے ہمراہ میلوں پیدل سفر کیا۔ پاؤں زخموں سے چھلنی کیے لیکن کوشش کی کہ جن مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے انہیں دیکھتے ہوئے مشاہداتی تجربہ بھی کیا جائے۔ ان متعدد سفروں کے دوران میں نے علماء سے ملاقاتیں کیں سجادہ نشینوں سے گفتگو رہی اور آثار قدیمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے متعلقہ عہد کے تمام احوال و وقائع کو بڑی دقت نظری سے سامنے رکھا۔

کتب و رسائل کے سلسلہ میں کراچی کی جملہ اہم لائبریریوں کے ساتھ ساتھ نہ صرف پاکستان** بلکہ بھارت*** کی اہم لائبریریوں سے بھرپور استفادہ کیا

---

* شعبہ علوم اسلامی کراچی یونیورسٹی میں سوات کے طلبہ کی موجودگی نے میرے مقالہ کی تیاری میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہ اور صوبہ سرحد کے دیگر طلبہ میرے ساتھ چھٹیوں کے زمانے میں وادی سوات کے نہ صرف سبزہ زاروں بلکہ بے آب و گیاہ پہاڑیوں اور کوہ نیلم جیسے گھنے اور پرخطر پہاڑ میں سرگرداں رہے۔ ان طلبہ میں بیگلور کے عبد الغفار دا آجکل وہیں ایڈووکیٹ ہیں، مانسہرہ کے سید جمال شاہ، میرے قریبی عزیز اور دوست محمد قاسم خان ایڈووکیٹ اور مولانا سعید الرحمان پروفیسر اسلامیات، اسلامیہ کالج کراچی خصوصی ذکر کے مستحق ہیں۔

** پاکستان میں جن سرکاری و نجی کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ان میں سے سنٹرل لائبریری بہاولپور، پنجاب یونیورسٹی اور پبلک لائبریری ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پشتو اکیڈمی پشاور، جناب سید امیر شاہ قادری، بکہ توت پشاور اور مفتی غلام حسن صاحب (آزاد کشمیر) کے ذاتی کتب خانے قابل ذکر ہیں۔

*** پہلی مرتبہ میں نے

First International Conference on Budhism and National Culture.

(بقیہ اگلے صفحے پر)

تحقیق کے کام میں خصوصاً پی ایچ ڈی کے سلسلہ میں ہر علمی شخصیت کا حصہ ہوتا ہے یعنی کام لوگوں کا نام ایک شخص کا یہی حال میرا ہے کہ اگر ان تمام حضرات جن کا ذکر کیا گیا اور کیا جا رہا ہے تعاون شامل حال نہ ہوتا تو آج یہ سطور آپ مطالعہ نہ کر سکتے۔

میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ امی و ابی کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ(۱۸) کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا، لہذا میں تہہ دل سے اپنے استاد محترم مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے اس کام کی ابتدا میں حوصلہ افزائی فرمائی*۔ مشکور ہوں ڈاکٹر عبدالرشید قدیری مرحوم و مغفور کا

(بقیہ گزشتہ صفحہ) میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے شرکت کرتے ہوئے دہلی، آگرہ، جے پور اور اجمیر کے دورہ کے دوران تقریباً تمام مزارات پر حاضری دیتے ہوئے مشاہدات قلمبند کیے اور دوسری مرتبہ

South Asian Regional Seminar on Manuscripts of Sufism in Arbic/Persian Language.

میں شرکت کی، اس دس روزہ سیمینار کے سیشن خدا بخش لائبریری پٹنہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور غالب اکیڈمی جامعہ ملیہ و ہمدرد نگر دہلی میں منعقد ہوئے اس طرح مجھے مختلف علاقوں کی تہذیب و ثقافت اور مسلمانوں کی حالت کا قریب سے مشاہدے کا موقع ملا۔ انشاءاللہ ان مشاہدات کو الگ سے مدون کرنے کا پروگرام ہے۔ جس سے صوفیائے کرام کی اصلاحی خدمات بطریق احسن اجاگر ہوں گی۔

* میرے تحقیقی مقالہ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد مظہر بقا تھے۔ لیکن مقالہ (بقیہ اگلے پر)

جنہوں نے اس راہ پر مجھے تیز تر چلنے کی تاکید فرمائی اور شکریہ ادا کرتا ہوں دل کی گہرائیوں سے پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد کا جن کی ہمت افزائی سے میرا کام تکمیل کو پہنچا۔

تحقیق کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اسے طبع کر کے سکالرز حضرات اور عام قارئین تک پہنچانا مشکل ہے لیکن جہاں الحاج محمد حنیف طیب* (جنہیں ہم حنیف بھائی کہتے ہیں) جیسے پرستاران صوفیاء ہوں وہاں پر مشکل اتنی آسان ہو گئی کہ میرے لیے لگاتار مواد فراہم کرنا مشکل ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حنیف بھائی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے نہ تو میری زبان میں سکت ہے اور نہ قلم اس کی ہمت کر سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا اجر ان کو دنیا و آخرت دونوں جگہ عطا فرمائے (آمین)۔ آپ کے ساتھ ساتھ عثمان نوری صاحب** اور اسی

(بقیہ گزشتہ صفحہ) ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ آپ کا تقرر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ہو گیا۔ آپ کے بعد کئی دنوں تک آپ کی مرضی کے مطابق ڈاکٹر عبدالرشید قدیری مرحوم نے میری رہنمائی فرمائی اور ایک مرتبہ میرے ساتھ صوبہ سرحد کا تفصیلی دورہ بھی کیا۔ لیکن انسان متاع جمع کرنے کے لیے صدر شعبہ ڈاکٹر امتیاز احمد کی وساطت کا حکم ملا اور اس طرح تمام بار گراں آپ کے کندھوں پر آن پڑا جسے آپ نے بطریق احسن پورا فرمایا۔

* حنیف بھائی آجکل پٹرولیم اور قدرتی پیداوار کے مرکزی وزیر ہیں لیکن وہی درویشی اور روحی محبت و اخلاص اللہ آپ کو مزید دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازے (آمین)، آپ ہمارے اکابرین کی منہ بولتی تصویر ہیں اسلام اور عوام کی خدمت آپ کا شعار ہے۔

** عثمان نوری بھائی قومی اسمبلی کے ممبر ہیں اور ان کا خلوص اور عوام سے محبت حتیٰ کہ تمام وسائل سے محرومی کے باوجود اللہ نے آپ کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور عوام کو آپ سے جو توقعات ہیں انشاءاللہ آپ ان پر پورے اترتے ہوئے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائیں گے اور اکابرین کے کارناموں کو تابندگی بخشیں گے۔

تعلق سے دوسرے حضرات* شکریہ کے یقینی طور پر حقدار ہیں خصوصاً پروفیسر اظہر علی صاحب صدیقی پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ لاء کالج کراچی اور ایڈمرل ایم آئی ارشد صاحب (سابق چیئرمین کے پی ٹی) جن کی سرپرستی مجھے ہر موقع پر حاصل رہی۔

مقالہ کی طباعت سے قبل اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان صوفیائے کرام کی برکتوں سے مجھے دنیا دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا جس دوران میں نے مزید مطالعہ و مشاہدہ کیا** اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس مقالہ سے قبل الحمد للہ میری مختلف موضوعات پر چھ تصانیف قارئین تک پہنچ چکی ہیں***

---

* حافظ سعید خالد اور مظہر حسن سعیدی کی تگ و دو طباعت کی تکمیل کا سبب بنی جنہوں نے محمد عبد الشکور صاحب صدر اہلسنت وبقیہ سوسائٹی اور میرے درمیان رابطہ کا کام دیا اور اس طرح ان سب حضرات کی کاوشوں کے طفیل اس وقت یہ مقالہ آپ کے مطالعہ میں ہے۔

** ۱۹۸۱ء سے آج تک میں نے مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں سیمینارز میں شرکت کی غرض سے دو مرتبہ سعودی عرب، عراق، کویت، مصر، بیلجیم، ہالینڈ اور انگلینڈ کا دورہ کیا ان کانفرنسوں/سیمینارز کے لیے مقالے لکھے اور پھر ان کو پڑھنے کے بعد بحث و مباحثہ سے مطالعہ و مشاہدہ میں اضافہ کیا۔

*** اس مقالہ سے قبل رسالہ فہم القرآن عربی کی کتاب مختارات الادب کا اردو ترجمہ البادی، حیاتی سوبہڑے بیتی دی، صوفیائے ٹھٹھ اور ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ طبع ہو کر قارئین کی نظر سے گزر چکی ہیں اور ان میں سے "البادی" کو یہ چند کہ زبان میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ۱۴۰۶ھ میں ہونے والی بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے موقع پر صدر پاکستان نے اسے قومی سیرت ایوارڈ سے نوازا۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

آخر میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ صوفیائے سرحد کی خدمات سے دنیا کو روشناس کرانے کا جو بیڑہ میں نے اٹھایا ہے اسے اپنی زندگی کا مشن بناؤں گا تاکہ ان حضرات کی قابل تقلید زندگیوں کو مشعل راہ بنایا جا سکے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھی ان صوفیائے کرام کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ جیسا کہ مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۱۹)

ڈاکٹر عبد الرشید
سی ۲/۴ ہم شاف ٹاؤن کراچی یونیورسٹی
۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

حوالہ جات نقش اوّل

۱ – " القرآن " – ۹۶ : ۱ – ۵

۲ – علامہ اقبال ، " ضربِ کلیم " لاہور : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۲۲ع

۳ – قاری ، فیوض الرحمان (مرتب) ، " سوانح مولانا غلام رسول خانصاحب " مقالہ عبدالقدوس قاسمی ، لاہور : پاکستان بک سینٹر ۱۳۹۳ ھ ، ص – ۲۷

۴ – امیر حمزہ خان شنواری (مرتب) ، " دیوان عبدالرحمان " از عبدالرحمان مہمند ، پشاور ، خیبر پبلشنگ ، ۱۹۷۰ع مقدمہ ص – ط ، ظ

۵ – عبدالرحمان مہمند ، " دیوان عبدالرحمن " پشاور ، رحمن گل پبلشرز ، ۱۹۶۵ع ، ص – ۷

۶ – ایضاً ، ص – ۸

۷ – میر عبدالصمد خان ، " رحمن بابا شاعر انسانیت " پشاور ، مکتبہ شاہین ، ۱۹۶۳ع ، ص – ۲۹

۸ – امیر حمزہ خان شنواری ، " دیوانِ عبدالرحمن " محولہ بالا ، ص – ۳۲

۹ – عبدالرحمن مہمند ، " دیوانِ عبدالرحمن " محولہ بالا ، ص – ۱۳۰

۱۰ – عبدالرحمن مہمند ، " دیوانِ عبدالرحمن " محولہ بالا ، ص – ۹۶

۱۱ – ایضاً ، ص – ۱۲۹

۱۲ – افغانی ، جمال الدین ، " الافغان " کابل ، پشتو ٹولنہ ، ۱۹۵۵ع ، ص – ۲۲

۱۳ – فرشتہ ، ہندو شاہ محمد قاسم ، " تاریخ فرشتہ " بمبئی ، جارج جردیس ، ۱۲۴۷ھ ، ص – ۱۱۹

۱۴ – روشن خان (مرتب) " تواریخ حافظ رحمت خانی " از پیر معظم شاہ ، پشاور ، پشتو اکیڈمی، ۱۹۷۷ع ص – ۲۹۱

۱۵ – Olaf Careo, " The Pathan ", New York, Macmillian and Co. Ltd. 1958 A.D., P-168

۱۶ – بیورج ایس اینگٹی (مرتب) " تزک بابری " از ظہیر الدین بابر ، لندن : گب میموریل، ۱۹۰۵ع ص – ۲۱

۱۷ – Muhammad Abdur Rehman, " The History of Afghan in India ", Lahore, Pakistan Publishing House, 1961 A.D. pp - 236-37.

۱۸ – ترمذی ، ابو عیسی محمد بن عیسی ، " جامع ترمذی ، (باب البر و الصلۃ) دہلی : فسخر المطابع ، ۱۲۷۰ھ .

۱۹ – علامہ اقبال ، " بانگ درا " لاہور : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۵۹ع

باب اوّل

حقائقِ تصوف

۱۔ تصوف کا مفہوم:

غزوۂ تبوک کا موقعہ ہے تمام صحابہ کرام غزوہ کی تیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے اپنا مال و اسباب رحمۃ للعالمین کے قدموں میں لا کر ڈال رہے ہیں اسی موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آج اس قدر مال پیش کروں گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں اور اپنا نصف مال پیش کرتے ہیں لیکن جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لاتے ہیں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے ہیں کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے تو عرض کرتے ہیں "ابقیت لھم اللہ و رسولہ"(۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فقر توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا یہ سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہوا اور جو یہ واضح کرتا ہے کہ آپ اہلِ تجرید کے سردار اور ارباب تفرید کے بادشاہ تھے۔ اسی لیے تمام

* یہ تو عام مسلمانوں کی مثالوں کے سلسلہ کی کڑی ہے ہم تصوف کو اس سے بھی قدیم کہہ سکتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غارِ حرا میں تحنث فرمانا اور کئی مہینوں تلاش حق میں لگے رہنا حقیقتِ تصوف نہیں تو اور کیا ہے۔

مشائخ آپ کو ارباب مشاہدہ میں مقدم سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسان کی ذہنی و عقلی اور جسمانی و روحانی ضرورتوں کا کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ شعبہ حیات میں ترقیات کا ضامن بھی ہے۔ ابتدا ہی سے مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا موجود تھا جس نے علائق دنیا سے منہ موڑ کر محض یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی کو زندگی کا نقطۂ مرکزی، مطمعِ نگاہ اور نصب العین قرار دیا تھا۔ ابتدا میں یہ گروہ مختلف ناموں سے معروف رہا* لیکن بعد میں اس کا نام تصوف ہو گیا۔ تصوف دراصل اسلام کی خالص اور پاکیزہ ترین تعبیر تھی اور ان بزرگانِ دین کے نزدیک تصوف کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اتباعِ کتاب و سنت میں انتہائی کوشش کی جائے، عبادات کو مقصودِ حیات سمجھا جائے** اور نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کرتے ہوئے مجاہدات کے ذریعے تزکیہ باطن کیا جائے۔

* حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی زندگیاں تصوف کی منہ بولتی تصویر تھیں لیکن صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی موجودگی میں کوئی دوسرا نام اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بعد یہی کیفیت تابعین اور تبع تابعین کی تھی۔ لیکن بعد ازاں جن حضرات نے اپنی زندگیاں اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کر دیں تو انہیں ان کے تقویٰ کی بنا پر الگ لقب سے پکارا گیا یعنی اہل تصوف، اور اس طرح اسے علم کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی اور اس سلسلے میں باقاعدہ تصنیف و تالیف بھی منظرِ عام پر آنے لگیں

** انسان کی پیدائش کا مقصد ہی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون(۲)" اور ہم نے انسان اور جنات کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔"

گویا اہل تصوف کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا معبود، مطلوب اور مقصود صرف خدا ہوتا ہے وہ قناعت کو اپنا شیوہ بناتے ہیں خلوص نیت سے نیکیوں کے حصول میں مگن رہتے ہیں اور بلائے الٰہی پر صابر اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہوئے مجاہدات میں مشغول رہتے ہیں ان کے نزدیک طریقت و شریعت★ میں مطلق کوئی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ شریعت ہی کی تکمیل کا نام طریقت ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر شے کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی ظاہری و باطنی یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے باطنی پہلو کو طریقت کا نام دیتے ہیں اور ان کے نزدیک کتاب و سنت ہی تصوف کے تمام مسائل کے استنباط کے لیے ماخذ ہیں اور ان مسائل کے استنباط کے حقدار وہی اہل علم ہوتے ہیں جو ظاہر و باطن میں ہر طرح متبع کتاب و سنت ہوں اور اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو ان کے تقوٰی میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے جس سے اسرار سربستہ ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرتے لگتی ہیں۔

★ علم کی دو قسمیں ہیں (۱) ظاہری (۲) باطنی

جب تک علوم کا تعلق زبان و اعضاء سے ہوتا ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا نام علم شریعت ہے اور جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر باطن تک پہنچتا ہے تو اسی کو علم باطن یا طریقت کہا جاتا ہے۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ ﷻ (اور تمہیں ظاہر و باطن بھرپور نعمتیں عطا کیں)۔

اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بہترین نمونہ تقلید ہوتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دین کی فہم و فراست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں ترک شہوات، اجتناب شبہات اور تمسک بالحق شامل ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی ثبات و استقامت کی منہ بولتی تصویر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت معرفت ایمان و علم کی پیکر ہے اسی لیے خلفائے راشدین کے نشان قدم صوفیائے کرام کے لیے راہ سلوک میں رہبری و راہنمائی کا کام دیتے ہیں۔

اصحاب اربعہ کے بعد اصحاب صفہؓ کی زندگیاں ہیں جن کا ایک ایک لمحہ طالبین حق کے لیے درس ہدایت ہے یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جنہوں نے معاش دنیوی سے قطعاً بے پرواہ ہو کر شب و روز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار ہونے کو ترجیح دی اور جن کی زندگی تمام تر فقر و فاقہ، توکل و صبر اور عشق و محبت کی نہ ٹوٹنے والی زنجیر تھی۔

۲۔ تصوف عین دین ہے:

دین اسلام میں تصوف کی اہمیت یا ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کسی بھی شئے کی حیثیت و اہمیت کے لیے اس چیز کے مغز یا جوہر کا جو مقام ہے وہی مقام دین میں تصوف کا بھی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دین کی ضرورت انسان کے لیے کوئی مخفی یا محتاج بیان چیز نہیں۔ اس جہان آب و گل میں اور اس کے بعد آئندہ حیات اخروی میں انسان کی فلاح و فوز کا مدار اسی پر ہے کہ وہ دین اسلام

کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جملہ احکام شریعت کی بجا آوری کو اپنا نصب العین بنانے اور ہر حکم شرعی کو اپنے کمال تک پہنچانے میں انسان تصوف کا محتاج ہے بغیر تصوف کے رموز کی آگاہی کے اس پر عمل کرنے سے وہ ثمرہ ہرگز مرتب نہیں ہو سکتا جس کے حصول کے لیے وہ حکم پورا کیا گیا مثال کے طور پر ایک انسان نماز پڑھتا ہے نماز کے لیے ظاہری جملہ احکام و شرائط موجود ہیں لیکن اس نماز میں حضور قلب نہیں (جس کا تعلق تصوف سے ہے) تو حضور کا ارشاد ہے یہ نماز، نماز ہی نہیں - لا صلوٰۃ الا بحضور القلب (۴)

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کمال دین وابستہ ہے تصوف سے۔ تصوف کی اہمیت کو نظر انداز کر کے دین کی روح حاصل ہو ہی نہیں سکتی اور نہ دین کامل ہو سکتا ہے۔ اسی لیے جس قدر اہمیت و ضرورت ظاہری شریعت کی ہے اسی طرح تصوف کی بھی ضرورت ہے اور دونوں لازم ملزوم ہیں۔

وہ تصوف ہی ہے جس کی بدولت انسان، انسانیت میں کمال کو پہنچتا ہے اسی لیے گذشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثال جنہوں نے اپنے آپ کو ایک مرد کامل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پامال کیا۔ صحابہ کرام کا یہ عمل تصوف ہی کا ایک شعبہ ہے۔

حالات کا تغیر، اصلاح و انقلاب تصوف ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم" (۵)

ترجمہ: خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

تغیر باطن یا انقلاب قلب تصوف ہی کی راہ ہے۔ سکون و اطمینان کا حصول ذکر اللہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور ذکر تصوف کا بنیادی رکن ہے قرآن کریم میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کیا گیا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۷)

غرضیکہ تصوف خالق سے رشتہ استوار کرنے کا ذریعہ ہے تصوف کی حقیقت خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں اور جب ایک انسان کا تعلق مع اللہ قائم ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے غرضیکہ انسان کو اپنی دنیاوی عملی زندگی کو بہتر بنانے، اپنے خالق کو پہچاننے، انسانیت سے روشناس ہونے، دنیا میں غلبہ و تفوق حاصل کرنے، فساد و شر سے بچنے اور سکون و اطمینان کی زندگی گزارنے کے لیے علم تصوف کی ضرورت ہے اور آخرت میں تو جملہ اعمال کا مدار ہی تصوف پر ہے جو اپنے باطن سے خالی ہوں گے ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو گی بلکہ ایسے اعمال الٹا وبال جان ثابت ہوں گے۔ اور قرآن کریم کی رو سے بعثت نبوی کا ایک مقصد ہی یہ تھا۔

یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (۸)

(اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے نفوس کی اصلاح فرماتے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں) اور اصلاح نفس ہی تصوف کی بنیاد ہے۔ اس طرح ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف دین سے الگ کوئی شے نہیں بلکہ عین دین ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں تصوف کے واضح اشارات موجود ہیں۔

تصوف فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۹۸ء

۳۔ قرآن اور تصوف :

تصوف دراصل صفائی قلب کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اگر قلب کی صفائی ہو جائے تو پھر ہر لحہ انسان کے قدم ایک لطیف عالم کی طرف بڑھتے ہیں اور یہی علم تصوف کی غایت ہے جس کی تعبیر تقویٰ، رضا، تسلیم، صبر و شکر اور ذکر ہے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات صفائی باطن کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو تصوف کا بنیادی مقصد ہے۔

۱۔ فان الله یحب المتقین* (۹) (بیشک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں)

۲۔ واعلموا ان الله مع المتقین (۱۰) (اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

۳۔ ان اولیاؤہ الا المتقون ولکن اکثرھم لا یعلمون (۱۱)

(اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں سے اکثر کو علم نہیں)

۴۔ انما المومنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبھم** (۱۲)

(ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں)

۵۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون*** (۱۳)

(تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو گے)

۶۔ واحسن کما احسن الله الیک (۱۴)

(اور احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے)

---

* پرہیزگاری اور تقویٰ ہی وہ خصوصیت ہے جو انسان کی فلاح کا سبب ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے ابتدا ہی میں (آیت ۲ تا ۵) متقین کی خصوصیات کا ذکر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۷۔ ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیھم* (۱۵)

(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے)۔

۴۔ حدیث اور تصوف :

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث میں اخلاص،

(بقیہ گذشتہ صفحہ) فرماتے ہوئے انہیں ہدایت یافتہ اور کامیاب قرار دیا گیا۔

** اس آیت میں مومنین کی چند خصوصیات کا ذکر کیا گیا یعنی اللہ کی یاد سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور کلام الٰہی کی تلاوت سے ان کے ایمان میں تروتازگی آجاتی ہے اور وہ توکل علی اللہ کی تصویر ہوتے ہیں اور انہی اوصاف کو پیدا کرنے کے لیے تصوف میں مراقبہ اور دیگر انداز عبادت کو اپنایا جاتا ہے۔

*** یہ آیت اس بات پر واضح روشنی ڈالتی ہے کہ اللہ کی محبت کا تقاضہ ہے کہ اپنی محبوب ترین شے اس کی راہ میں خرچ کر دی جائے اور اہل تصوف اپنی دولت، اولاد، جوانی غرضیکہ سب کچھ اللہ کی راہ میں چھوڑ کر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

* اس آیت میں بیعت سے مراد بیعت رضوان ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں لی تھی بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرنا ہے جیسا کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور تصوف میں بیعت کی بڑی اہمیت اس لیے ہے کہ یہاں بھی بیعت شیخ کامل کے ہاتھ پر اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ علم خودآگاہی کا درس دیتا ہے اور اپنے مرید کو نور سکینہ کے حصول کے راستے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صبر و شکر تقویٰ، اور صفائی قلب کا ذکر موجود ہے اور یہ وہ امور ہیں جن سے پر تصوف میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دی جاتی ہے۔ بطور نمونہ چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (۱۶)
(تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو یہ یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

۲۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (۱۷)
(بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)

۳۔ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (۱۸)
(بے شک انسان کے جسم میں خون کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سدھر گیا تو پورا جسم سدھر گیا اور اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو پورا جسم بگڑ جائے گا۔ یاد رہے کہ وہ دل ہے)۔

۴۔ اللھم انی اسئلک النظر الی وجھک والشوق الی لقائک (۱۹)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) بتاتا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ خصوصاً سائنسی علوم میں کتب موجود ہوتی ہیں کیمیائی مرکبات بھی دستیاب ہوتے ہیں لیکن پھر کیوں طالب علم کو پریکٹیکل کراتے کے لیے ایک نگران متعین کیا جاتا ہے اس لیے کہ عملی تجربے سے وہ آگاہ ہوتا ہے تو پھر باطن کے رموز بغیر اہل عمل کے کیسے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ بیعت اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی میں کوتاہی نہ ہو۔

(اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ دیکھوں آپ کا چہرہ اور مشتاق ہوں دیدار کا)

۵۔ ان اللہ تعالیٰ یقول انا مع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاہ (۲۰)
(ارشاد باری ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے اور جب اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر کے لیے حرکت کرتے ہیں۔

۶۔ انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکرنی، فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (۲۱)
(میں اپنے بندے کی سوچ اور ذکر کے وقت اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ لوگوں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں)۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تصوف سے مراد صفائی قلب لیا جائے (جو میرے نزدیک بہترین مراد ہے) تو تمام احادیث اس علم پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مومن کی صفائی قلب چاہتے ہیں تاکہ ہر لمحہ ایک لطیفہ عالم کی طرف اس کے قدم بڑھیں اور یہی علم تصوف کی غایت ہے جس کی صحیح تعبیر تقویٰ، رضا، تسلیم، صبر و شکر اور ذکر ہے اور ان تمام اخلاق فاضلہ کے حصول کی تعلیم تصوف کی کتابوں میں مذکور ہے۔

۵۔ ماخذ تصوف اور صوفیائے کرام:

گزشتہ سطور میں قرآن و احادیث کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہو جاتی

ہے کہ تصوف ایک ایسا علم یا فن ہے جو اس حقیقت سے بحث کرتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور پھر اس کے اظہار کے لیے عبادات کا جو نظام پیش کیا گیا ہے اسے اس طرح ادا کرنا کہ جس طرح اس کا حق ہے تصوف کہلاتا ہے یہی نہیں بلکہ تمام صوفیائے کرام بلا استثناء اس پر متفق ہیں کہ تصوف کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہے اور یہی اس کے اصل ماخذ ہیں۔

میں اس سلسلے میں چند صوفیائے کرام کے ارشادات نقل کرتا ہوں *

(الف) پہلی صدی ہجری :

پہلی صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں سرفہرست خلفائے راشدین ہیں جن کی زندگیاں حصول تقوٰی کے لیے وقف تھیں۔ اس باب کے شروع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی وہ گفتگو پیش کی جاتی ہے جو تقوٰی کے سلسلہ میں حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر ھدی للمتقین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔ "ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سأل ابی بن کعب عن التقوی فقال لہ اما سلکت طریقا ذا شوک؟ قال بلی، قال فما عملت قال شمرت واجتہدت قال فذلک التقوی" (۲۲)

* اگر کتب تصوف سے اس سلسلہ کی تمام عبارات جمع کی جائیں تو پورا ایک مقالہ بن سکتا ہے خالص تصوف پر تحقیق کرنے والے حضرات اس جانب توجہ دے سکتے ہیں میں نے صدی بہ صدی اس کی وضاحت کی ہے۔

ترجمہ:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقوٰی کے بارے میں سوال کیا تو کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کبھی آپ نے خاردار راہ میں سفر نہیں کیا فرمایا ہاں میں نے سفر کیا ہے حضرت کعب نے فرمایا آپ اس میں کیا کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بڑی احتیاط سے اور اور بیچ بیچ کر چلتا ہوں جس پر حضرت کعب نے فرمایا کہ یہی تقوٰی ہے۔

گویا اس صدی میں تصوف سے مراد حصول تقوٰی تھا اور تمام صحابہ کرام اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اس صفت سے متصف کرنے کی تگ و دو میں رہتے تھے اور ان کی پوری زندگی تقوٰی کا منہ بولتی تصویر تھی۔

ب۔ دوسری صدی ہجری :

دوسری صدی ہجری میں تصوف کی اہم شخصیات میں حضرت سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ حضرت داؤد طائی متوفی ۱۶۵ھ اور حضرت معروف کرخی متوفی ۲۰۰ھ شامل ہیں۔ ان میں سے حضرت معروف کرخی نے تصوف کی جو تعریف فرمائی صاحب نفحات الانس* نے اس طرح روایت کی ہے کہ "احذروا ان لا یراک اللہ الا فی زی مسکین" (۲۳) یعنی ڈرتے رہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں سوائے مسکینی لباس کے اور کسی لباس میں نہ دیکھے۔

* حضرت جامی رحمۃ اللہ نے یہ کتاب ۸۸۳ھ میں تصنیف فرمائی تاریخ یوں ہے

این نسخہ مقتبس ز انفاس کرام — کردے نفحات الانس آمد بہ مشام
از ہجرت خیر البشر و فخر امام — در ہشت صد و ہشتاد و سوم گشت تمام

۸۸۳ھ

ج۔ تیسری صدی ہجری:

اس دور کی اہم شخصیات ہیں حضرت ذوالنون مصری متوفی ۲۲۵ھ حضرت ابو عبد اللہ سہل بن عبد اللہ التستری متوفی ۲۷۳ھ اور جنید بغدادی ۲۹۷ھ جیسی ہستیاں شامل ہیں۔ ان حضرات میں سے ابو عبد اللہ سہل بن عبد اللہ التستری تیسری صدی ہجری کے وہ صوفی ہیں جنہوں نے تصوف کی بنیاد نہ صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا بلکہ اس کا معاشرتی زندگی سے قریبی ربط بھی قائم کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کردی کہ تصوف کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں آپ فرماتے ہیں" ہمارے طریقہ کے سات اصول ہیں یعنی کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی، اکل حلال، اذیت رسانی سے رکے رہنا مصیبتوں سے اجتناب توبہ اور حقوق کی ادائیگی۔ توجہ فرمایئے کہ آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی کو تصوف قرار دیا"(۲۴)

د۔ چوتھی صدی ہجری:

چوتھی صدی ہجری میں علم تصوف کی ایک اہم شخصیت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد*

---

*آپ کی وفات ۳۶۷ھ میں ہوئی اس دور کی دوسری اہم شخصیات ابو بکر الطستانی متوفی ۳۴۰ھ اور ابوالقاسم ابراہیم بن داؤد متوفی ۳۲۶ھ اور حضرت ابو بکر شبلی متوفی ۳۳۴ھ نے بھی کتاب وسنت اور صحابہ کرام کی اتباع کو تصوف قرار دیتے ہوئے حقوق العباد کے بطریق احسن ادائیگی کو تصوف کا اعلیٰ مقام قرار دیا ہے۔

نے تصوف کی اصل حسب ذیل خصوصیات کو قرار دیا ہے۔

کتاب وسنت کی پابندی، ترکِ خواہشات، احترام مشائخ، ترک تاویلات اللہ کی مخلوقات کی معذرتوں کو قبول کرنا اور پھر ان کی وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ ترک خواہشات سے مراد آرام وراحت اور تنعم ولذائذ ہیں، مشائخ سے مراد علم وعمل کے لحاظ سے کامل شخصیتیں تاویلات سے مراد عبادت کرتے وقت اس کے اجر وصلہ کا تصور ذہن میں نہ رکھنا اور مخلوق کی معذرت سے مراد عافین عن الناس کی منہ بولتی تصویر ہونا۔(۲۵)

پانچویں صدی ہجری:

پانچویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی متوفی ۴۵۹ھ نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کو تصوف قرار دیا فقراء کی ہم نشینی فرمانے کو ترجیح دی اور ان کی بے حد تعظیم وتکریم فرماتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ "یہ لوگ اللہ ورسول کے دوست ہیں، ایسا کونسا دل ہے کہ اللہ ورسول کو دوست نہ رکھے اور ان کی عزت وحرمت نہ کرے"(۲۶) گویا آپ کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے مقدم تھی اسی لیے فقراء کے ساتھ رہنے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دوست ہیں اور

---

*اسی دور کی ایک مایہ ناز شخصیت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۶ھ ہے جن کی تصنیف "قوت القلوب" ایک سالک کے لیے تعلق باللہ ومقام توحید کی صراطِ مستقیم ہے۔

کتب تصوف میں فقراء یعنی صاحب فقر حضرات کا بڑا مقام بیان کیا گیا ہے فقر کو اولیاء کا شعار اور اس کے منتخب بندوں کی زینت فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو اپنے خواص کے لیے پسند فرمایا۔ فقراء اللہ کے بندوں میں اس کے چیدہ و منتخب بندے اور اس کی مخلوق کے درمیان مہبط اسرار ہیں ان ہی کی برکتوں سے وہ مخلوق کی حفاظت فرماتا ہے اور اس پر اپنے رزق کے دروازے کھولتا ہے۔

سید مصطفیٰ عروسی نے نتائج الافکار القدسیہ میں فقراء اولین اہل صفہ رضوان اللہ اجمعین کو قرار دیا ہے جو مسجد نبوی کے ایک چبوترے پر رہتے تھے اور ان کے تمام اوقات دین سیکھنے اور جہاد کرنے میں گھرے ہوئے تھے لہٰذا فقراء کا مقام متعین کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اصحاب صفہ کی یاد دلاتے ہوئے دین کی ترویج کے لیے امت مسلمہ کو دعوت جہاد دیتے ہیں۔

(و) چھٹی صدی ہجری:

چھٹی صدی ہجری میں دنیائے تصوف کی عظیم ترین شخصیت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے اقوال تصوف کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ آپ اپنی مایہ ناز تصنیف "فتوح الغیب" میں فرماتے ہیں "کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھو، تامل و تدبر سے ان کا مطالعہ کرو اور انہی کو دستور العمل بناؤ تاکہ قال و قیل اور ہوا و ہوس سے دھوکہ نہ کھا سکو" (۲۷) اپنے اسی مقالے میں آگے چل کر مزید وضاحت کے ساتھ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں "سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہمارا نبی نہیں کہ

اس کی پیروی کریں قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں کہ اس پر عمل کریں لہٰذا اے لوگو! ان دونوں کے دائرے سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ تمہاری خواہشات اور شیطان تمہیں گمراہ کر دیں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "ولاتتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ"* یاد رکھو اسلامی کتاب و سنت کے ساتھ ہے اور ہلاکت غیر کتاب و سنت" (۲۸)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام تصوف ہے۔**

(ز) ساتویں صدی ہجری:

ساتویں صدی ہجری میں تصوف کی کیا حیثیت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خواجہ فریدالدین گنج شکر متوفی ۶۶۴ھ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی متوفی ۶۶۶ھ حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو متوفی ۷۲۵ھ جیسی شخصیتوں نے اسے پروان چڑھایا اور ان میں سے ہر ایک کی شخصیت طریقت شریعت کی مکمل منہ بولتی تصویر تھی۔

---

* اور خواہش کے پیچھے نہ جا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔
(القرآن ۳۸: ۲۶ ترجمہ کنزالایمان از اعلیٰحضرت احمد رضا خاں صاحب)

** اس صدی کے دوسرے اہم صوفیہ میں سید جلال الدین تبریزی ۶۴۲ھ تا ۶۲۲ھ اور صاحب عوارف المعارف حضرت شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد السہروردی ۵۳۹ھ تا ۶۳۲ھ قابل ذکر ہیں۔

اس صدی کی عظیم روحانی شخصیت حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر مسعود رحمۃ اللہ کے نزدیک تصوف نام ہے "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون"(۲۹) اور ظاہر ہے کہ دولت انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے جس کے خرچ کی آپ نے کیا خوب توضیح فرمائی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ "زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مقررہ نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے یعنی چالیسواں حصہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ نصاب کی مقدار اپنے پاس رکھے اور باقی راہ خدا میں خرچ کر ڈالے یعنی چالیسواں حصہ خود رکھے اور باقی سب راہ خدا میں خرچ کر ڈالے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کچھ نہ بچائے بلکہ تمام راہ خدا میں خرچ کر دے اس لیے کہ درویشی خود فروشی کا نام ہے اور یہی تصوف ہے"(۳۰)

(ح) آٹھویں صدی ہجری:

اے صورت تو جہان معنی
با صورت تست جان معنی
یکسر شاخ گلے نہ بستہ صورت
مثل تو بہ بوستان معنی
از صورت تست خاطر ما
منزل گہ کاروان معنی
ہر عضو کند بصد زبان بیش
از صورت تو بیان معنی
در صورت وصف تو محمد
تا حشر نہادہ خوان معنی(۳۰)

ترجمہ:۔ آپ کی صورت معنی کی جان و دنیا ہے آپکے بغیر اس دنیا کے گلستان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ آپ کی ذات سے ہمارے دل وابستہ ہیں اور یہی ہمارے کاروان کی منزل ہے جسم کا ہر عضو سو زبانوں میں آپ کی صفات بیان کرنے میں منہمک ہے اور آپ کی تعریف حشر تک ہوتی رہے گی اس لیے کہ آپ کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک فرماتے ہوئے قیامت تک آپ کی ثنا خوانی کا اہتمام فرما دیا۔

تصوف میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے جو تعلق کہ نا ضروری ہوتا ہے آٹھویں صدی ہجری کی عظیم تر روحانی شخصیت حضرت سید محمد بن جعفر مکی رحمۃ اللہ نے درج ذیل الفاظ میں اس کا اظہار فرمایا ایک صدی سے زائد عمر پانے والی (۶۷۰ تا ۷۸۶ھ) اس شخصیت نے مقام احدیت میں مگن ہونے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی تعلق کو لازمی قرار دیا۔ تصوف اور علم ظاہری کا باہمی تعلق کس قدر ضروری ہے اس کا عملی ثبوت آپ نے یہ پیش فرمایا کہ ساٹھ سال تک علم ظاہری کے حصول میں صرف فرما دیئے۔

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم صوفی سید محمد بن جعفر مکی ۱۴۱ھ نے حقیقت تصوف کی جو وضاحت فرمائی اس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تصوف کی روح ہے۔ اسی دور کے دوسرے صوفیائے کرام میں سید جلال الدین بخاری متوفی ۷۸۵ھ شیخ علاؤ الدین ابن اسعد لاہوری متوفی ۸۰۰ھ اور مولانا خواجگی (متوفی ۸۱۹ھ) جیسے بلند پایہ روحانی ہستیوں کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان تمام حضرات کے نزدیک اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پر پوری طرح عمل پیرا ہونا اور عوام الناس کی اصلاح کرنا ہی تعلیمات تصوف ہیں۔

(ط) نویں صدی ہجری:

نویں صدی ہجری کے مشاہیر اولیاء میں حضرت سید محمد گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ سید اشرف سمنانی متوفی ۸۰۸ھ اور شاہ نعمت اللہ متوفی ۸۸۵ھ شامل ہیں۔ تصوف کے سلسلہ میں حضرت سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں۔ "یہ عقیدہ نہ رکھو کہ شریعت طریقت اور حقیقت ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ کیا بادام کے اندر تین چیزیں نہیں یعنی پوست، مغز اور روغن اور تینوں ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے کا خلاصہ ہیں اسی طرح شریعت کا خلاصہ طریقت اور طریقت کا خلاصہ حقیقت* ہے"(۴۲)

(ی) دسویں صدی ہجری:

دسویں صدی ہجری کا دور تصوف اس اعتبار سے بڑا ہی اہم ہے کہ اس دور کے صوفیائے کرام نے علم تصوف کی ترویج اس طرح فرمائی کہ ان کے مریدین نے نظام اسلام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور ان کی عملی

* حقیقت کی وضاحت دسویں صدی ہجری کے عظیم صوفی حضرت بایزید انصاری نے ان الفاظ میں فرمائی کہ "حقیقت انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے اور وہ یہ کہ ایک لحہ کے لیے بھی ذکر خفی جو طہارت قلب ہے اور یاد خدا سے خالی نہ رہا جائے۔

(صراط التوحید از بایزید انصاری)

کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگے چل کر یہی تحریک قیام پاکستان کے مطالبہ اور اس کی عملی تصویر بن گئی*۔

دسویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں مسبت بابا متوفی ۹۴۹ھ میر سید عبدالاول متوفی ۹۶۸ھ، عبدالوہاب الشعرانی متوفی ۹۷۳ھ** شیخ عبدالوہاب المتقی القادری متوفی ۱۰۰۱ھ ملک الشعراء فیضی*** متوفی ۱۰۰۴ھ

* میری مراد تحریک روشنیہ کی جہادی سرگرمیوں اور پیر بابا کی علمی کاوشیں ہیں اور پھر یہی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان، علامہ اقبال، پیر عبداللطیف زکوڑی، پیر مانکی شریف اور قائد اعظم کی مشترکہ مساعی قیام پاکستان کا سبب بنی۔ اور آج ہم اسی طرح کے دینی و علمی جذبہ کو بروئے کار لاکر پاکستان کے استحکام اور نفاذ اسلام کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون کرتے ہوئے اپنا حق ادا کر سکتے ہیں۔

** بقول نکلسن "ہمارے لیے مفید ہوگا اگر ہم چند لمحات مسلمانوں کے آخری صوفی عالم شیخ عبدالوہاب شعرانی کے ساتھ گزار دیں"۔ آپ کی تصانیف ۸۰، ۳ ہیں اہم کتاب الطبقات الکبریٰ ہے اور بقول جرجی زیدان یہ کتاب نہایت اہم ہے جس میں مصر و افریقہ کے مشائخ کا ذکر ملتا ہے جن کے لاکھوں معتقدین آج بھی موجود ہیں۔

*** آپ کے والد شیخ مبارک علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے اس کا اثر آپ نے بھی قبول کیا۔ "سواطع الالہام" آپ کی غیر منقوط تفسیر ہے۔ آپ کی سو سے زائد تصانیف ہیں اور غزلیات میں نو ہزار سے زائد اشعار ہیں۔

اور بہادر بابا متوفی ۱۰۲۷ھ وہ متبرک ہستیاں ہیں جنہوں نے اس صدی میں اہل تصوف میں اہم مقام پایا ہے جبکہ اسی صدی میں حضرت بایزید انصاری (پیر روشن) اور سید علی ترمذی (پیر بابا) کی تحریکات نہ صرف مسلمانوں میں تقویٰ پیدا کرنے کا سبب بنیں بلکہ حضرت بایزید انصاری نے اسلامی نظام کے قیام کی جو تحریک شروع کی تھی وہ جاری رہی اور آخر کار قیام پاکستان کی صورت میں اللہ نے ہمیں وہ نعمت عطا فرمائی کہ جس کا شکر ہم اسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ یہاں خالص اسلامی نظام قائم کرکے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں اور اس نظام کے قیام کے بعد ہی ہم پاکستان کو اندرونی و بیرونی فتنوں سے پاک کرکے استحکام بخش سکتے ہیں۔

اس صدی کی عظیم مذہبی و سیاسی شخصیت حضرت بایزید انصاری نے تصوف کو خانقاہی نظام سے نکال کر اسے معاشرے کی اصلاح کے لیے اس طرح تبلیغی حیثیت دے دی کہ عظیم مغل فرمانروا بھی آپ کی اطاعت سے انکار نہ کر سکا۔*

حضرت بایزید انصاری نے تصوف کو بنیاد بنا کر اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ

* پیر بایزید نے اپنے خلیفہ دولت کو صراط التوحید کا ایک نسخہ دے کر اکبر بادشاہ کے پاس بھجوایا تاکہ وہ اسے اکبر کے سامنے پیش کرے چنانچہ اس نے یہ کتاب اکبر کے سامنے پیش کی اکبر نے جب صراط التوحید کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی کی اور جو خدمت وہ کہیں میں بجا لاتا ہوں پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحفے بایزید کے لیے بھجوائے اور ان کے خلیفہ دولت کو بھی خلعت بخشا۔

(حال نامہ از بایزید انصاری۔ مرتبہ علی محمد مخلص)

دی اور وہ بھی اس طرح کہ اولامر کو دعوت اصلاح دی تاکہ ان کی رعایا بھی ان کے نقش قدم پر چل کر نیکی اور تقویٰ کی فضا قائم کریں آپ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں "تمہارے دین و ایمان کے سلسلہ میں میری خواہش یہ ہے کہ میری بات سنو کہ شریعت پر ثابت قدم رہو اور دوسروں کو اس کی تاکید کرو تاکہ وہ اخلاص کو اختیار کریں اور فرشتے نیکیوں کی کتاب میں ان کی بہت سی نیکیاں اور احسان لکھیں۔"(۴۳)

(ک) گیارہویں صدی ہجری:

گیارہویں صدی ہجری تصوف کے اعتبار سے اس لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس دور میں ایسی ہستیاں بھی ملتی ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم کی یاد تازہ کر دی اور بادشاہی پر فقیری کو ترجیح دی۔* اس دور کے صوفیائے کرام میں حضرت مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ حضرت میاں میر جیو متوفی ۱۰۴۵ھ، حضرت گل بابا متوفی ۱۰۴۶ھ، حضرت بابر بابا متوفی ۱۰۷۹ھ

* صوبہ سرحد کی معمر ترین روحانی شخصیت حضرت فقیر بابا چشتی (۹۷۷ تا ۱۱۲۶ھ) نے دنیاوی جاہ و جلال کو چھوڑ کر تصوف کی راہ اختیار کی آپ مشہور ملی شاعر خوشحال خان خٹک کے بڑے بھائی تھے اور آپ کا نام جمال خان خٹک تھا لیکن فقیرانہ زندگی اختیار کرنے کی بنا پر فقیر بابا چشتی کے نام سے مشہور ہو گئے ایک سو پچاس ۱۵۰ برس کی عمر پائی اور صوبہ سرحد میں مدفون ہیں اور آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

(صوفیائے خٹک از ڈاکٹر عبدالرشید)

اور جال خان خٹک المعروف فقیر بابا چشتی متوفی ۱۱۱۷ھ شامل ہیں۔ اس دور کے صوفیائے کرام نے بھی عوام الناس کی بھلائی اور حقوق العباد کے بطریق احسن ادائیگی کو باقی سب باتوں پر ترجیح دی اور اس سلسلہ میں حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ اس دور کی اہم روحانی شخصیت حضرت میاں میر نے شاہجہان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی چاہیئے اور اپنی تمام ہمت اپنی تمام ولایت کو آباد کرنے میں صرف کرنی چاہیئے کیونکہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد ہوگا تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پر ہوگا۔" (۳۴) شاہجہان نے آپ سے دو مرتبہ ملاقات کی اور اکثر کہا کرتا تھا کہ "ہم نے ترک و تجرد میں حضرت میاں میر جیو جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا" (۳۵)

گویا گیارہویں صدی ہجری میں تصوف کی حیثیت یہ تھی کہ اس کے حاملین حضرات معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیئے تگ و دو میں مصروف تھے۔

(ل) بارہویں صدی ہجری:

بارہویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی متوفی ۱۱۴۲ھ، حضرت عبداللہ شاہ المعروف بلھے شاہ متوفی ۱۱۷۱ھ، خواجہ نور محمد مہاروی متوفی ۱۲۰۵ھ اور حضرت سید عبداللہ قادری متوفی ۱۲۰۷ھ جیسے بلند پایہ ہستیاں شامل ہیں۔

اس صدی میں صوفیائے کرام کی خصوصی توجہ بندگان خدا کی اصلاح کی جانب مرکوز تھی جس پر عام لوگوں کو حیرانی بھی ہوتی تھی کہ صوفیائے کرام اس حد مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جب آپ سے یہ سوال

کیا گیا کہ علماء کفار کی تعظیم نہیں کرتے جبکہ اہل اللہ حضرات ہر مومن و کافر کی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ شریعت و حقیقت میں اختلاف نہیں ہے پھر ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا۔ "علماء کی نظر ان کے کفر پر پڑتی ہے اور اہل اللہ کی نظر مظہریت اور حقیقت پر پڑتی ہے نہ کہ کفر پر" (۳۶)

حضرت مہاروی کا نکتہ قابل غور ہے کہ اگر آج بھی ہم ہر ایک کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں تو تمام کدورتیں مٹ جائیں صوفیائے کرام کی خلق خدا سے یہی محبت تھی جس کی بنا پر ان کی محفل میں مسلم و غیر مسلم شانہ بشانہ بیٹھتے تھے اور پھر ان کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور یہ تبلیغ اسلام کا ایک بہترین طریقہ تھا۔

(م) تیرھویں صدی ہجری:

تیرھویں صدی ہجری میں جن مقتدر ہستیوں نے خلق خدا کو راہ مستقیم پر ڈالا ان میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب متوفی ۱۲۵۰ھ، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی متوفی ۱۲۶۷ھ، حضرت سید غوث علی شاہ متوفی ۱۲۹۷ھ اور حضرت شاہ فضل رحمن متوفی ۱۳۱۳ھ کی خدمات تصوف قابل ستائش ہیں۔

قطب زماں اور مرشد دوراں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اشتیاق لقائے الٰہی یہی ولایت ہے۔ اتباع سنت، یہی غوثیت اور قطبیت ہے" (۳۷)

گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی ہی تصوف ہے قدوۃ السالکین حضرت سید غوث علی شاہ جو تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں اہم مقام رکھتے ہیں اسلام کی ترقی کا راز بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں: "اسلام کی ترقی کا دارومدار اتفاق، اولالعزمی اور غیرت پر ہے"[۳۸]
تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام نے تعلیمات تصوف کی روشنی میں اللہ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور مسلمانوں میں اتحاد و
اتفاق کے لیے سعی فرمائی اور اس دور میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت
اس لیے زیادہ تھی کہ وہ انگریزوں سے غلامی کی نجات حاصل کرنے کے لیے
متحد ہو جائیں اور وقت کی اس اہم ضرورت کو تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام
نے بطریق احسن پورا فرمایا۔

چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری:

ہم چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ پندرھویں
صدی ہجری کا یہ ساتواں برس ہے۔ اور چودھویں صدی ہجری کے پورے
ایک سو برس بیت چکے۔ اس دوران آسمانِ تصوف کے کئی ستارے طلوع ہو
کر غروب ہو چکے اور کئی آج اور کل کی دکھی دنیا کے لیے مسیحائی فرما رہے ہیں۔
ان میں زبدۃ العارفین حضرت حاجی وارث علی شاہ متوفی ۱۳۲۳ھ
شاہ احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، سید پیر مہر علی شاہ صاحب
گولڑہ شریف متوفی ۱۳۵۶ھ اور ان ہی حضرات کے سلسلہ نسبی اور روحانی کی
جلیل القدر ہستیاں جو آج بھی بندگانِ خدا کو راہ مستقیم پر چلانے اور سسکتی
انسانیت کو آرام و سکون کی تلاش میں مدد دینے میں کار فرما ہیں۔ یہ تمام
ہستیاں شریعت و طریقت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔
ان حضرات میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان جیسی نابغۂ روزگار و عبقری
شخصیت جو اپنے معاصرین میں حق آگاہ، حق نگر، حق پسند اور حق گو ہونے

میں وحید عصر اور فرید دہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مقام رکھتے تھے جس کے
رمز شناس قلم سے علوم و معارف کے بے شمار سوتے پھوٹے جو متقی نہیں تقویٰ،
زاہد نہیں زہد اور عالم نہیں علم کی جیتی جاگتی زندہ مثال تھی جو فقیہہ ایسے کہ قوت اجتہاد،
بصیرت فکر، ذہانت و تفقہ اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب
نہ رکھتے تھے۔ ان کے صرف فتاوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک
عظیم مورخ، صرف و نحو کے جلیل القدر امام، اعلیٰ پائے کے محدث، نکتہ رس
نقد و جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے ماہر، منقولات پر ہی حاوی نہیں
بلکہ علم طبیعات، علم الافلاک، علم ہندسہ، فلسفہ، علم تشریح الابدان اور علم
جغرافیہ کے اصول و جزئیات سے بھی ایک ماہر فن کی طرح باخبر تھے اور اس صدی
کی اس عظیم ہستی شریعت و طریقت کے تلامذہ اور خلفاء نے تحریک پاکستان
میں اہم کردار ادا کیا* اور آج ہم پاکستان کے استحکام اور
اہل پاکستان کو ایک مرکز پر جمع کرنے کیلئے ان صوفیائے کرام ہی کی تعلیمات سے
استفادہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے تمام طبقاتی و لسانی تفریقوں کو ختم کیا اور ہر قسم
کے امتیازات کو مٹاتے ہوئے انسانی فلاح کی جانب خود بھی توجہ فرمائی اور اپنے

* تحریک پاکستان کے سلسلہ میں ۱۹۴۶ عیسوی میں بنارس میں جو عظیم الشان سنی کانفرنس
منعقد ہوئی اس کی صدارت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے تلمیذ حضرت مولانا سید محمد
محدث کچھوچھوی نے فرمائی اور اس کے بعد اسی سلسلے کی اجمیر شریف میں ہونے والی
کانفرنس کی صدارت بھی آپ نے فرمائی۔ آپ کے ساتھ اس کانفرنس میں مولانا نعیم الدین
مراد آبادی، مولانا امجد علی، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا ابو الحسنات محمد احمد،
مولانا ابو البرکات سید احمد، مولانا عبد الحامد بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی۔

مریدین کو بھی اس کی تلقین کی اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ ان برگزیدہ شخصیتوں نے تصوف کو قرآن و حدیث کی بنیاد پر ایک علم اور فن کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

اوراقِ گزشتہ میں ماخذِ تصوف کے سلسلہ میں ہر صدی کے صوفیائے کرام کی تعلیمات پیش کی گئیں۔ صحابہ کرام سے لے کر آج کے دور تک کے صوفیائے کرام کی ان تعلیمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف کو کبھی بھی قرآن و سنت سے الگ تصور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہوتے ہیں۔

" اَلَا اِنَّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین امنوا وکانوا یتقون" (۳۹)

(سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں)۔

اور یہ اہل تقویٰ ہی ہیں جن کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا۔ "ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ۔ ھدی للمتقین" (۴۰)

(یہ وہ کتاب ہے جو اہل تقویٰ کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی)۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ ایک نہیں درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں احادیث میں اسی بات کی وضاحت ہے کہ تمام

شاہ عبدالرحمن میرٹھی اور سید زین الحسنات مانکی شریف جیسے اصفیاء و علماء نے شرکت کی اور ان میں سے اکثر آپ کے تلامذہ اور خلفاء تھے اور ان ہی حضرات پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ اسلامی حکومت کے لیے لائحہ عمل مرتب کرے۔

اعمال کا دار و مدار تقویٰ پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں انسانیت کے لئے جو منشور عطا فرمایا اس میں بھی اسی بات کی وضاحت فرمادی کہ معیارِ انسانیت صرف تقویٰ ہے۔

" الناس فی الاسلام سواء الناس طف الساع لادم وھوا لا فضل عربی علی عجمی ولا عجمی علی عربی الا بتقوی اللہ" (۴۱)۔

یعنی اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ تمام انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں بجز اللہ کے تقویٰ کے۔

الغرض اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح جسم و جوارح کے احکام و اعمال وغیرہ کی فلاح و فساد کا نام فقہ ہے اسی طرح باطنی اعمال یا ان کے اوامر و نہی یا ان کی اصلاح و فساد کو تصوف کہتے ہیں اور اس طرح یہ تصوف ہی ہے جسے قرآن کریم میں تزکیہ نفس، حدیث میں احسان اور اہل اللہ کے نزدیک علم قرب اور علم باطن کا نام دیا گیا ہے اور یہ تمام مفاہیم ایک ہی بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان کی فلاح دارین اسی میں مضمر ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی راہ متعین کرے اور اس راہ کی تلاش ہر انسان بذاتِ خود نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے ان ہستیوں کی ضرورت ہے جو قرآن و سنت کی عملی تفسیر ہوں اور وہ ہستیاں صوفیائے کرام کی ہیں۔

۴۔ صوفی (مختلف صوفیائے کرام کی رائے اور تحقیقی جائزہ):

تصوف کی بحث سے اس بات کی وضاحت تو ہو چکی کہ اہل تصوف، اہل تقویٰ کا دوسرا نام ہے۔ جہاں تک لفظ صوفی کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کرام کے ناموں کی موجودگی میں اہل تقویٰ کے لئے کسی الگ نام کی ضرورت نہ تھی لیکن بعد ازاں جب ہر علم کے لئے تحقیق و جستجو کے میدان وسیع ہو گئے اور ہر شخص کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ تمام علوم و

فنون پر دسترس رکھ سکے تو ہر ماہر فن کے لئے الگ الگ اعزازی نام معین ہو گئے اور جس طرح علوم ظاہری کے ماہرین یعنی مفسرین، محدثین، اصولین فقہا اور مورخین کو الگ الگ ناموں سے پکارا جانے لگا اسی طرح علوم باطنی کی مقتدر ہستیوں کو صوفیہ کے صفاتی ناموں سے متصف کر دیا گیا۔

لفظ صوفی پر تحقیق کرتے ہوئے تقریباً تمام محققین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے★ لیکن امام السالکین حضرت شیخ علی ہجویری، داتا گنج بخش رحمۃ اللہ متوفی ۴۶۵ھ نے صوفی کے سلسلہ میں جو تجزیہ فرمایا ہے وہ نہایت ہی جامع اور محققانہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں ——— "مردمان اندر تحقیق این اسم بسیار سخن گفتہ اند و کتب ساختہ، کہ صوفی را از آن صوفی خوانند کہ جامۂ صوف دارد، و گروہی گفتہ اند کہ بدان صوفی خوانند کہ اندر صف اول باشد، و گروہی گفتہ اند کہ بدان صوفی خوانند کہ تولّی با صحاب کنند، و گروہی گفتہ اند کہ این اسم از صفا مشتق است۔ اما بر مقتضیٔ لغت این معانی بعید می باشد۔ پس صفا در جملہ محمود باشد و ضد آن کدر بود، و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گفتہ است، ذہب صفو الدنیا و بقی کدرھا۔ و نام لطائف اشیاء صفو آن چیز باشد و نام کثائف کدر آن چیز پس چون اہل این قصہ اخلاق و معاملات خود را مہذب کردانند و از آفات طبیعت تبرّی جستند مر ایشان را صوفی خوانند" (۴۲)

ترجمہ: ہر لوگوں (محققین) نے اس اسم کی تحقیق میں بہت کلام کیا

★ نہ صرف محققین بلکہ خود اہل تصوف نے بڑی وضاحت سے صوفی کی تعریف بیان کی ہے اس سلسلہ میں حضرت معروف کرخی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت جنید بغدادی، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت ابو حفص عمر بن محمد سہروردی اور شیخ احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کتب تصوف اور خود ان کی اپنی تصانیف میں ملاحظہ کی جا سکتے ہیں۔

ہے اور کتب تصنیف کی ہیں کہ صوفی کو لباس صوف پہننے کی بنا پر صوفی کہا جاتا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ اول صف میں ہوتا ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اصحاب صفہ کو دوست رکھنے والے صوفی کہلاتے ہیں اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ اسم لفظ "صفا" سے مشتق ہے۔ اگرچہ ان معانی کو باعتبار لغت اس اسم سے کوئی مناسبت نہیں۔ مختصر یہ کہ صفائی جملہ امور میں پسندیدہ ہے اور اس کی ضد کدورت ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے "دنیا کی صفائی (لطافت) چلی گئی اور کدورت باقی رہ گئی" اور اشیاء کی لطافت نام ہے ان اشیاء کی صفا کا اور اسی طرح اشیاء کی کثافت نام ہے اس کی کدورت کا۔ پس چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو سنوار لیا ہے اور جملہ نفسانی تقاضوں اور خواہشات کو ٹھکرا دیا ہے اس لئے ان کو صوفی کہتے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری کے اس تحقیقی جائزہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صوفی سے مراد اہل تقویٰ ہیں جن کے خیالات، جن کا لباس اور جن کے اخلاق و کردار سے اللہ، اس کے رسول اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کا بے پناہ اظہار ہوتا ہے اور جنہوں نے اپنے اسی عمل سے نہ صرف دکھی دنیا کو اطمینان و سکون بخشا بلکہ خود بھی دین و دنیا کی فکر سے آزاد ہو گئے۔

"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون" (۴۳)

اور انہیں یہ اعزاز صرف اور صرف اس بنا پر عطا ہوا کہ ان کی زندگیاں ایمان و تقویٰ کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ "الذین امنوا و کانوا یتقون" (۴۴)

اسی لئے ان قابل قدر ہستیوں کو دین و دنیا کی حیات جاودانی کی خوشخبری سنا دی گئی۔ لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ" (۴۵)

حوالہ جات باب اول

١ – ابو داؤد، سلیمان بن ثابت، " سنن ابی داؤد" دار احیاء السنہ نبویہ، باب الرجل یخرج من مالہ –

٢ – القرآن : ٥١ : ٥٦

٣ – القرآن : ٣١ : ٢٠

٤ – محمد ابن محمد، سیک، علامہ، " کتاب اتحاف السادۃ المتقین "، مصر : ١٣٥٠ ھ، ص – ١١٥ ، الجز الثالث –

٥ – القرآن : ١٣ : ١١

٦ – * * * * *

٧ – القرآن : ١٣ : ٢٨

٨ – القرآن : ٣ : ١٦٢

٩ – القرآن : ٣ : ٤٦

١٠ – القرآن : ٢ : ١٩٢

١١ – القرآن : ٨ : ٣٢

١٢ – القرآن : ٨ : ٢

١٣ – القرآن : ٣ : ٩٢

١٤ – القرآن : ٢٨ : ٧٧

١٥ – القرآن : ٢٨ : ١٠

١٦ – مسلم، بن الحجاج القشیری، " صحیح مسلم "، مصر : المطبعۃ المصریۃ ، ١٣٠٨ ھ ، کتاب الایمان –

١٧ – مسلم، بن الحجاج القشیری، " صحیح مسلم " محولہ بالا، باب البر والصلۃ –

١٨ – بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، " الصحیح البخاری " مصر: مطبع مصطفی البابی الحلبی ، ١٣٥٥ ھ ، کتاب الایمان –

١٩ – نسائی، احمد ابو عبدالرحمان، " سنن نسائی " ، مصر: مکتبۃ التجاریہ ، ١٣٤٩ ھ ، کتاب السہو –

٢٠ – بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، " الصحیح البخاری " محولہ بالا ، کتاب التوحید –

٢١ – ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، " جامع ترمذی " دہلی: فخر المطابع ، ١٢٧٠ ھ، کتاب الزہد –

٢٢ – ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، " تفسیر القرآن العظیم " قاہرہ : مکتبہ دار التراث، ١٩٨٠ ع ص – ٢٠ ، جلد اول –

٢٣ – جامی، عبد الرحمان ، " نفحات الانس " نولکشور، مطبع منشی ، ١٨٨٥ع ، ص – ٢٣

٢٤ – قشیری، عبد الکریم ابو القاسم، " الرسالۃ القشیریہ " مصر : دار الکتب عربیۃ الکبری " ، ١٣٨٥ ھ ، ص – ١١٩

٢٥ – عبد الحق ، شیخ ، " اخبار الاخیار فی احوال الابرار " دہلی: مطبع مجتبائی ، ١١٠٩ ھ، ص ١١٩

٢٦ – مرزا ، محمد عبد الستار ، " مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین " آگرہ : مطبع فیض منبع مفید عام ، بلا سن طباعت ، ص – ٥٥

٢٧ – جیلانی، عبد القادر ، " فتوح الغیب " لاہور : مطبع محمدی ، ١٢٩٨ ھ ، ص – ١٢٩

٢٨ – ایضاً ، ص – ١٣٥

٢٩ – القرآن : ٣ : ٩٢
(تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو)

٣٠ – نظام الدین اولیاء، خواجہ (مرتب)" راحۃ القلوب " از خواجہ فرید الدین گنج شکر ، دہلی: مطبع آگرہ ، ١٢٨٣ ھ ، ص – ٤٦

٣١ – محمد بن جعفر مکی ، " بحر المعانی " آگرہ ، مطبع الہی ، ١٢٩٤ ھ، ص – ٥٥

٣٢ – امیر خورد، محمد، " سیر الاولیاء " دہلی : مطبع محب ہند ، ١٣٠٢ھ ، ص – ١٠٦

٣٣ – انصاری، بایزید ، " صراط التوحید " پشاور : ادارہ اشاعت سرحد ، ١٣٤٥ ھ ، ص – ٣٩

٣٤ – دارا شکوہ ، محمد ، " سکینۃ الاولیاء " آگرہ : اخبار پریس ، ١٢٦٩ ھ ، ص – ٤٥

٣٥ – ایضاً ، ص – ٤٤

٣٦ – محمد حسین ، حافظ، " انوار العارفین " بریلی: مطبع صدیقی ، ١٢٩٠ ھ، ص – ١٤

٣٧ – مرزا ، محمد عبد الستار ، " مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین "، آگرہ : مطبع فیض منبع مفید عام ، ص – ١٩٥

٣٨ – قلندر ، گل حسن، " تعلیم غوثیہ " دہلی: مطبع قاضی موتمن الدین عقیل، ١٣٠٥ ھ ، ص – ٣٩

۳۹ - القرآن : ۱۰ : ۶۲

۴۰ - القرآن : ۲ : ۲

۴۱ - احمد بن ابی یعقوب ، " تاریخ یعقوبی " بیروت دار صادر ، ص - ۱۱۰ ، الجز و الثانی -

۴۲ - ہجویری، سیّد علی بن عثمان ، المعروف داتا گنج بخش ، " کشف المحجوب " لاہور : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، ۱۹۷۸ء

۴۳ - القرآن : ۱۰ : ۶۲

۴۴ - القرآن : ۱۰ : ۶۳

۴۵ - القرآن : ۱۰ : ۶۴

باب دوم:-

ادوارِ تصوّف

از عہدِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا حال

(الف) اجمالی خاکہ:-

جہاں تک اسلامی تصوّف کے آغاز کا تعلق ہے۔ تو اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیاوی علائق سے الگ ہو کر غارِ حرا کی تنہائی میں اپنے خالق کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہونا شروع کیا۔ تعلق مع اللہ اور حبِ الٰہی کی یہی کڑی اور سلسلہ اسلامی تصوّف کا آغاز ہے۔ اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو قبل از اسلام کی زندگی ہے۔ لہذا تصوف کی ابتدا اسلام سے کس طرح ہوئی؟

یہ اعتراض کسی طرح بھی معقول نہیں۔ اس لئے کہ نبوت کوئی کسبی شئی نہیں بلکہ وہبی ہے اور نبی بعد میں نہیں بنتا بلکہ شروع ہی سے ہوتا ہے لہذا نزولِ وحی سے قبل کی زندگی بھی نبی کی زندگی ہے جس کی ہر طرح سے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ آپ کی اس زندگی کو آئندہ زندگی کی تمہید یا مقدمہ کہا جاسکتا ہے۔

بعد ازاں جب وحی کی ابتدا ہوئی تو اسلام نے اپنے آغاز کے ساتھ اسلامی تصوف کی بھی ابتدا کی۔ یہ حیات روحیہ عبادت تھی۔ خوفِ خدا احساسِ بندگی اور علائقِ دنیاوی سے بے نیازی کی جس کا بروئے کار لانا زہد و تقویٰ کی تکمیل کا آئینہ دار تھا۔ جو اپنے ساتھ وہ تمام مظاہر

لائی جو دنیا سے زیادہ بے نیازی اور دین سے زیادہ سے زیادہ رغبت کے موجب تھے۔ وہ دین جو آغازِ اسلام میں تمام مسلمانوں کے دلوں میں عام تھا۔ روحانی زندگی کا یہ وہ نمونہ تھا جس کا بہترین نمونہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی حیاتِ گرامی تھی۔ اس مبارک زندگی کے قول و عمل دونوں سے مسلمان کامل طور پر متاثر ہوتے تھے۔ یہی وہ نقشِ قدم تھا جس پر چلنا وہ اپنے لئے باعثِ فوز و فلاح سمجھتے تھے لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کچھ ہی مدت کے بعد غیر اسلامی اور اجنبی عناصر بھی اس زندگی میں داخل ہوگئے فلسفہ اور تصوف میں ایک قسم کا امتزاج پیدا ہوگیا اور وہ سادگی اور اخلاص نہ رہا جو پہلے تھا۔ یہ دیگر عناصر جب اسلامی حیاتِ روحیہ میں گھل مل گئے تو اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ روحانی زندگی نے مختلف اور متنوع قسم کی صورتیں اختیار کر لیں۔ اسی طرح مقصد اور راستے بھی بدلتے گئے۔ اب تصوف اور روحانیت کا مدار اس پر نہ رہا کہ تصفیہ قلب و دماغ ہو، رب سے رشتہ مضبوط ہو، مادیت سے بے نیازی اختیار کی جائے بلکہ یہ بجائے خود ایک دین اور مذہب بن گیا جس پہ فرقہ بندیاں بن گئیں اور نئے نئے گل بوٹے کھلنے لگے۔ اب مقصد متاعِ دنیا ہی سے بے نیازی، حبِ جاہ سے نفرت اور رضوان اللہ کا حاصل کرنا نہ رہ گیا بلکہ یہ ہوگیا کہ اسے ایک دوسرے مقصد کے حصول کا وسیلہ بنا لیا گیا۔ یعنی وجہ اللہ کا مطالعہ، جمالِ ازلی کا مشاہدہ۔ کچھ عرصہ بعد یہ رنگ بھی قائم نہ رہا۔ یعنی انسان مطالعہ اور مشاہدہ پہ قائم نہ رہا بلکہ اور آگے بڑھا۔ ریاضت اور مجاہدہ سے تجاوز کر کے وہ فلسفہ کی دقیقہ کاری کا شکار ہوگیا اور اب تصوف کا مقصد یہ

رہ گیا کہ انسان جب درجہ کمال کو پہنچے تو اپنی ذات کو فنا کر کے اپنے رب سے جا ملے یہیں سے روحانی زندگی ایک نیا چولا بدلتی اور جدید رنگ اختیار کرتی ہے۔

یہ تھا تصوف کے مختلف ادوار کا اجمالی خاکہ جس میں تصوف نے کئی رنگ بدلے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کی اصلیت بھی عنقا ہوتی گئی۔

(ب) پہلا دور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کا زمانہ تصوف کا پہلا دور ہے۔ خود آنحضرت کی حیاتِ مبارکہ اور پھر آپ کے صحابہ کی زندگیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ان سب میں روحانیت کا پرتو نظر آتا ہے اور ان میں تقریباً ہر ایک کی زندگی تصوف کی جملہ تعلیمات سے عبارت تھی۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس زمانہ میں تصوف اسلام سے یا ظاہراً شریعت سے الگ کوئی چیز نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ تھی بلکہ ظاہری شریعت کے جملہ اعمال کی روح اور باطن ہی تصوف تھا، گویا عین اسلام تھا۔

اس دور میں تصوف، توحید، بندگی و عبادت، غور و فکر ذکر و تلاوت، توبہ، زہد و فقر، صبر و رضا، اخلاص، خشوع و خضوع توکل و بھروسہ، سخاوت، قناعت، ایثار و ہمدردی، حبِ الٰہی و حبِ رسول خوف و رجا، حق پرستی و حق گوئی، گریہ زاری، حیا و عصمت، علم و معرفت اور سادہ زندگی سے عبارت تھا۔

اس دور میں ہمیں تصوف اپنی اسی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتا ہے۔ خلفائے راشدین ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ

عثمان غنیؓ اور علی کرم اللہ وجہہ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔ اصحاب صفہ کی حیاتِ مبارکہ میں ملتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر کئی صحابہ کرام مثلاً ابو ہریرہؓ، ابو ذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، ابی ابن کعبؓ، تمیم الداریؓ، مصعب بن عمیرؓ وغیرہ کی مبارک زندگیاں ان جملہ تعلیمات سے مزین و آراستہ تھیں ★

(ج) دوسرا دور - ۴۲ھ تا ۱۵۰ھ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد تابعین کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس زمانے میں بھی تصوف کو کوئی الگ حیثیت حاصل نہیں رہی بلکہ اسلام کا ایک جز ہی سمجھ کر اس پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ اور طبقہ تابعین نے اپنے اعمال و کردار کا محور و مرکز بھی اسوۂ نبوی اور صحابہ کرام کی حیاتِ مبارکہ کو بنایا۔

"طبقہ تابعین (جو کہ زہاد و عباد کا بھی طبقہ کہلاتا ہے) میں سے جو حضرات اپنے زہد، تمسک، عزلت نشینی اور محبت الٰہی میں زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) اویس بن عامر القرنی (۲) عامر بن عبداللہ بن عبد قیس البصری (۳) مسروق بن عبدالرحمٰن (۴) ربیع بن خیثم (۵) جابر بن حیان (۶) الحسن بن ابی الحسن ابو سعید البصری حسن بصری"

اس طبقے کی اصولی حیات کا اگر خلاصہ کیا جائے تو یہ ہوگا (الف) ذکر الٰہی کی کثرت (ب)، حب دنیا سے بیزاری (ج)، کائنات کے مسائل پر فکر (د) اہل دنیا سے استغنا (ہ) اللہ پر توکل کامل۔

یہ تھے وہ بنیادی عقائد جن پر ان کے عمل کا دار و مدار تھا اور اسی روشنی میں زہد و تصوف کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔

★ ــــ ان میں سے ہر ایک کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے تصوف الٰہی صحیح بالا صورت میں سامنے آتا ہے۔

(د) تیسرا دور (۱۵۱ھ تا ۳۵۰ھ)

جس طرح جملہ علوم اسلامیہ کی ترویج و ترقی اس زمانہ میں ہوئی اور تمام علوم عروج کو پہنچے تو علم تصوف بھی اس دور میں خوب پروان چڑھا۔ اس سے قبل اپنی جداگانہ کسی مربوط شکل میں موجود تھا نہ اسکی تعلیم و تعلم یا مجاہدہ و ریاضت کا الگ نظام تھا بلکہ بہت کچھ براہ راست دین سے وابستہ تھا اس میں سب لوگ برابر کے شریک ہوتے تھے۔ جو زیادہ زہد و ریاضت اختیار کرتا وہ زاہد و عابد پکارا جاتا۔ (جبکہ دور اول میں ہر ایک کے لئے صحابی کا لقب تھا جس کے مقابلے میں کسی دوسرے لقب کی اہمیت ہی کوئی نہ تھی اور نہ ہے) لیکن اس دور میں تصوف ایک باقاعدہ اور جداگانہ نظام کی حیثیت سے روشناس ہوا اور اس دور میں اس کے لئے متعدد اور مختلف صوفیانہ اصطلاحیں وجود میں آئیں۔ یہی وہ دور ہے جس میں عباد، زہاد اور نساک کے لئے "صوفی" کی اصطلاح وجود میں آئی۔ چونکہ وہ آنحضرت اور صحابہ کرام کی متابعت اور عزت اور سکنت میں اکثر و بیشتر صوف کا لباس پہنتے تھے اس لئے یہ نام ان کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اور سب سے پہلے ابوہاشم کوفی صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے۔ لہٰذا اس سلسلے میں مزید وضاحت یوں ہو سکتی ہے

"امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) کی تحقیق کی رو سے لفظ صوفی ۲۰۰ھ سے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اس زمانے کے افاضل جس لقب سے یاد کئے جاتے تھے وہ "صحابہ" تھا۔ کسی دوسرے لقب کی ان کو ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی۔ جن

بزرگوں نے صحابہ کی صحبت اختیار کی تھی وہ اپنے زمانے میں تابعین کہلاتے اور تابعین کے فیض یافتہ حضرات اپنے زمانے میں تبع تابعین کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد زمانے کا رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا۔ جن خوش بختوں کی توجہ دینی امور کی جانب زیادہ تھی ان کو زہاد و عباد کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ کچھ عرصے بعد بدعات کا ظہور ہونے لگا۔ اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعویٰ شروع کیا۔ زمانے کا یہ رنگ دیکھ کر خواص اہل سنت نے جو اپنے نفوس کو خشیت الٰہی سے منسوب رکھتے تھے ابنائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور انہی کو صوفیا کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اور پہلے شخص جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ ابو ہاشم کوفی تھے ان سے قبل اور کوئی شخص اس نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ ابو ہاشم صوفی کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں شام میں جاکر بس گئے اور وہیں انہوں نے انتقال فرمایا۔

نیز خانقاہ کی بنیاد بھی انہی صوفی بزرگ ابو ہاشم کوفی نے ڈالی۔

اس سے قبل (آنحضرت وصحابہ کے زمانے میں) جملہ دینی امور کی انجام دہی مسجد سے وابستہ تھی اور دیگر روزمرہ کے مسائل کے حل بھی وہیں طے پاتے تھے۔ یعنی خداوند تعالیٰ کی عبادت گذاری اور دنیاوی مسائل طے کرنے کیلئے الگ الگ جگہیں نہیں تھیں، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جب عام مسلمانوں سے صوفیا کا گروہ الگ ہوا تو ان کی روحانی تربیت کیلئے ایک الگ مقام کی ضرورت پیش آئی۔ خانقاہ کا وجود دراصل اسی ضرورت کا نتیجہ تھا۔ اور یہ بھی دوسری صدی ہجری کے نصف میں وجود میں آئی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ابو ہاشم کوفی نے صوفیا کی تعلیم و تربیت اور

ریاضت و ذکر و فکر کی غرض سے شام کے مقام رملہ میں علیسائیوں کے صومعہ کی مانند ایک خانقاہ تعمیر کی۔ تصوفِ اسلام میں تاریخی حیثیت سے پہلی خانقاہ یہی ہے۔

ساتھ ساتھ اس کی بنیادی تعلیمات میں بھی تغیر و تبدیلی رونما ہوئی مثلاً صرف دنیاوی علائق کو مقصد نہ بنانے کا مقصد و مطلب ترکِ دنیا اور مکمل کنارہ کشی سمجھا جانے لگا اور صوفیا، اس کو ضروری خیال کرنے لگے۔ (حضرت ابراہیم ادھم کی مثال موجود ہے)

اسطرح حُبِ الٰہی جو کہ قبل ازیں بالواسطہ تھی اب بلاواسطہ سمجھی جانے لگی اور یہ تصور اس زمانے کی مشہور عابدہ صوفیہ رابعہ عدویہ کے ذریعے تصوف میں داخل ہوا۔ اسطرح نئے نئے نظریے تصوف میں شامل ہوئے در فلسفہ نوافلاطونیت کا مشہور نظریہ وحدت الوجود مسلمان صوفیا پر اثر انداز ہوا اور مشہور صوفی بزرگ ذوالنون مصری کے ذریعے سب سے پہلے اس نظریے کے خیالات تصوف اسلام میں داخل ہوئے اور صوفیا ر نے اسلامی نظریہ توحید سے اس کے ڈانڈے ملاکر اسے ظاہری توحید کا باطن قرار دیا اور یوں یہ نظریہ غیر اسلامی تصوف کا جزو تصور ہونے لگا۔ پھر یہ نظریہ اس دور کے ایک اور صوفی بزرگ بایزید بسطامی (آپکا سالک سکر ہے) کے ذریعے پروان چڑھا اور منصور حلاج نے اسے عروج تک پہنچایا جس کی بنا پر فقہا، صوفیا، کے شدید مخالف ہوگئے اور اس اختلاف کے نتیجے میں منصور حلاج کو تختۂ دار پر چڑھا یا گیا۔

اس دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ حضرت جنید بغدادی ہیں جنکو علی ہجویری نے "شیخ المشائخ در طریقت اور امام الائمہ در شریعت قرار دیا ہے"۔

اسی طرح ایک اور بزرگ ابوبکر شبلی ہیں جن کو حضرت جنید بغدادی "اُس قوم کا تاج" فرمایا کرتے تھے ان کے اقوال سے بھی نظریہ وحدت الوجود کی تائید ہوتی ہے

اس کے علاوہ اس دور کے بشر بن الحارث حافی، داؤ طائی، سری سقطی، معروف کرخی۔ امام محمد بن ادریس شافعی۔ امام احمد بن حنبل، شاہ شجاع کرمانی۔ محمد بن فضل بلخی، ابو علی جرجانی وغیرہ مشہور صوفیاء ہیں۔ (حضرت علی ہجویری نے کشف المحجوب میں طبقۂ تبع تابعین میں ۴۴ مشہور بزرگوں کے نام گنوائے ہیں اور ان کا ذکر کیا ہے۔

(۵) چوتھا دور:-

گو کہ تبع تابعین کے دور میں علمِ تصوف اپنی جداگانہ حیثیت میں بھرپور انداز میں نہ صرف روشناس ہو چکا تھا۔ بلکہ علمی پہلو سے اسے کافی وسعت حاصل ہو گئی تھی، تاہم تبع تابعین کے بعد آسمانِ تصوف پر مزید روشن ستارے نمودار ہوئے جن کی بدولت اس کی تابانی میں مزید اضافہ ہوا۔ اور وہ عقدے جو ابھی تک لاینحل سمجھے جاتے تھے انہوں نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ ان کو حل کیا۔ نیز اس بحرِ بیکراں میں اتر کر کئی دُرِ نایاب دریافت کئے۔

اس دور میں جو لوگ چھائے رہے ان میں شیخ ابوالحسن ہجویری امام غزالی، شیخ محی الدین ابن عربی اور جلال الدین رومی قابل ذکر ہیں۔
شیخ ہجویری وہ مشہور صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے تصوف پر کئی کتب تصنیف کی ہیں۔ جن میں مشہور و معروف "کشف المحجوب" فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب کو فقہاء و صوفیاء دونوں بڑی قدر کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں۔ آپ نے اس کے اندر تصوف کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بے شمار صوفیاء کے تذکرے اور حکایتیں بیان کی ہیں اس کتاب میں انہوں نے اہلِ تصوف کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"صوفی آں بود کہ از خود فانی بود و بحق باقی و از قبضۂ طبائع رستہ و بحقیقت پیوستہ و متصوف آنکہ بمجاہدت ایں درجہ را ہمی طلبد و اندر طلب خود را بر معاملت ایشاں درست ہمی کند و آنکہ از برائے مال و منال و جاہ و حظِ دنیا خود را مانند ایشاں کردہ و از ایں ہر دو چیز ہیچ خبر ندارد"(۱)

ترجمہ:- صوفی وہ ہے جو اپنے آپ کو فنا کر کے واصل بحق ہو جائے اور ہوائے نفسانی سے آزاد ہو کر حقیقت کو مقام لے۔ اور متصوف وہ ہے جو مجاہدہ کر کے اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کرلے اور یہ کہ طلب میں صادق سچا بھی ہو۔ اور مستوف وہ ہے جو مال و متاع اور جاہ کے لئے اور دنیا سنوارنے کے لئے خود کو صوفیوں جیسا ظاہر کرے اور فی الحقیقت وہ ان سے ان کے (مقامات) سے واقف تک نہ ہو)

یہ خوبی ہے تو وہ فقیر ہے اور اگر کوئی غریب مسکین اس صفت سے خالی ہے تو یہ فقیر کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔ مختلف شروط کے ساتھ آپ سماع کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

امام غزالی:-

آپ مشہور فقیہ اور صاحب طریقت ہیں۔ اور آپ کو اپنی عظیم

علمی وعملی خدمات اور بلند مرتبے کی بنا پر فقہا و صوفیا دونوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ آپ علوم ظاہری کے بھی ماہر تھے اور علم تصوف میں بھی ماہرِ فن ہیں۔ آپ کی زیادہ تر کوششیں فقہا و صوفیا کا وہ اختلاف فرو کرنے میں صرف ہوئیں جو آپ سے قبل بڑی نازک صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ آپ کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں علماء و صوفیا، ہر دو طبقوں کو متاثر کیا۔ علمِ تصوف میں ان کی کتب کیمیائے سعادت (فارسی) اور احیاء العلوم الدین (عربی) بہت مشہور ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی

آپ شیخ اکبر کے مشہور لقب سے معروف ہیں۔ آپ ہسپانیہ میں پیدا ہوئے، وہیں تحصیل علم کیا اور پھر مشرق میں چلے آئے اور دمشق میں وفات پائی۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں جنکی تعداد چار صد سے پانصد بتائی جاتی ہے۔

تصوف کے سلسلے میں "فصوص الحکم" ان کی مشہور کتاب ہے جس میں انہوں نے نظریہ وحدت الوجود زور دار طریقے سے پیش کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان سے قبل یہ نظریہ ابتدائی حالت میں تھا ان کے ہاں کمال کو پہنچ گیا۔

اس لئے کہ ابن عربی نظریہ نوافلاطونیت سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس نظریہ کو اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ جس سے بعد میں آنے والے صوفیا اس سے بہت متاثر ہوئے۔ نیز عربی، فارسی اور اردو شعراء نے بھی اس خیال کو نہایت زور دار طریقہ پر پیش کیا جس کے نتیجے میں اصل اسلامی نظریہ توحید بری طرح مجروح

ہوا اور اسی بنا پر شیخ اکبر تنقید کا نشانہ بنے رہے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام ابن تیمیہ نے سخت تنقید کی اور وحدت الوجود کے ہمہ گیر نظریے کے رد میں "فی البطال وحدت الوجود" کے نام سے ایک عالمانہ رسالہ لکھا جس میں انہوں نے ابن عربی کے تصور توحید اور اس کے اسرارِ غامضہ پر نہایت مدلل تنقید کی ہے۔ ان کے بعد ابن خلدون، علامہ حجر عسقلانی، ابراہیم البقاعی نے بھی اس پر سخت تنقید کی۔ برصغیر پاک و ہند میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اس موضوع پر توجہ کی اور ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر نہایت دلنشین بحث کر کے اس نظریے کو غلط ثابت کیا اور اس کے مقابلے میں نظریہ "عبدیت" پیش کیا۔

ابن عربی ہی وہ صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے انسانِ کامل کا نظریہ پیش کیا یہی وہ نظریہ ہے جس کو بعد میں عبدالکریم جیلی نے وسعت دی اور ایک مستقل تصنیف "انسان کامل" کے نام سے پیش کی۔

مولانا جلال الدین رومی:۔

تاریخ تصوف اسلام میں انہیں بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ اگرچہ شیخ اکبر نے تصوف کے جملہ پہلوؤں میں کوئی تشنگی نہ چھوڑی تھی تاہم مولانا روم نے اس ضمن میں گراں قدر خدمات انجام دیں جن کا اندازہ آپ کی شہرۂ آفاق کتاب مثنوی سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو اپنے علوم و معارف، مضامین کی اہمیت اور ہمہ گیریت ان کی وسعت و بلند خیالی گہرائی و گیرائی میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسی بنا پر اسے پہلوی زبان کا قرآن کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں بسلسلہ تصوف مولانا روم نے وحدت الوجود، عقل، عشق وغیرہ کے موضوعات پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ اپنے خیالات میں ابن عربی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) پانچواں دور

اکثر محققین نے اسے تصوف کا دور انحطاط شمار کیا ہے۔ مگر اس دور میں بھی بعض مشہور و معروف بزرگ صوفیا گذرے ہیں جن کا ذکر تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

۱۔ عبدالکریم الجیلی الایرانی

آپ نے اپنے پیشرو ابن عربی کی پیروی کی اور ان کے بیان کردہ نظریہ "انسان کامل" کو وسعت اور جلا بخشی۔

۲۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی

آپ بھی ابن عربی ہی سے متأثر تھے اور نظریہ وحدت الوجود کے زبردست معتقد تھے۔

۳۔ عبدالوہاب الشعرانی

انہوں نے بھی اپنے پیشروؤں کی تحقیق پر کام کیا ہے اور کوئی نئی چیز نہیں پیش کی۔

البتہ اس دور میں ایک اہم شخصیت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی ہے جنہوں نے نظریہ وحدت الوجود میں ترمیم کر کے نظریہ عبدیت پیش کیا۔ آپ نے نظریہ وحدت الوجود کو اس راہ کی پہلی منزل قرار دیا جبکہ دوسری منزل ظلیت بتائی اور سب سے آخر میں یعنی تیسرے درجے میں عبدیت کو پیش کیا۔ گویا ان کے نزدیک سلوک و تصوف کے تین درجے ہیں۔ (۱) وحدت الوجود (۲) ظلیت (۳) عبدیت۔

اس کے علاوہ انہوں نے تصوف کے سلسلہ میں بھی انتھک کوشش کی اور تمام بیرونی اثرات جو اسلامی تصوف کا جزو سمجھے جاتے تھے ان کو ختم کرنے کے لئے سعی کی نیز تصوف اور شریعت جنکو جدا جدا

سمجھا جانے لگا تھا۔ دونوں کو واحد شے پیش کیا۔ سماع کو منع کیا۔ اور سکر و بے خودی (جسے صوفیا نے اپنا شعار بنا لیا تھا) کی مذمت اور صحو و ہوش کو افضل و بہتر قرار دیا۔

تاہم باعتبار مجموعی مولانا رومی کی وفات (۶۷۲ھ) کے بعد تصوف اسلامی زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی مختلف سیاسی وجوہات بھی تھیں اور تصوف میں کافی پیچیدگی کا پایا جانا بھی تھا نیز فکر و خیال کی تبدیلی وغیرہ بھی تھی۔ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی تصوف انحطاط کا شکار ہوا۔ صوفیا میں بھی اب وہ پہلی سی بات نہ رہی اور محض رسمی سی چیز رہ گئی اور بشدہ شدہ تصوف محض خیال، نیم مذہبی رسم، ایک بے عمل اور ناکام زندگی کا وسیلہ، گداگری کا بہانہ اور جاہل اور سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے کا ذریعہ بن گیا۔ جبکہ تصوف اپنے آغاز میں قرآن و سنت سے ماخوذ تھا۔ حیات النبی اس پر اثر انداز تھی۔ اس دور کے بعد وہ دور آیا جب دوسری قوموں اور ملتوں کے اختلاط، دوسرے مذاہب اور عقائد کے امتزاج، دوسرے علوم و فنون کے مطالعہ نے اس میں کسی حد تک لچک پیدا کر دی۔ اس میں بہت سی نئی چیزیں آئیں، نئے عقائد آئے، نئے خیالات نے جگہ لی، نئے نظریئے بنے، نئے تصورات عالم وجود میں آئے، پھر اس دور کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ذہنی زوال شروع ہوا اور معاملہ صرف شرح و تفسیر کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا۔ کوئی نئی بات نہیں پیدا کی گئی۔ جو کچھ پہلے چلا آرہا تھا اس کو نئے رنگ و آب کے ساتھ پیش کر دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری دور ذہن و دماغ کے تعطل کا دور ہے جس میں کوئی نئی بات سوجھتی ہی نہیں۔ اس تعطل کا انجام زوال اور انحطاط کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دیکھا

تصوف جو روح کے تصفیہ اور قلب کے تزکیہ کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ تھا۔ ایک ایسا جامد اور زنگ خوردہ [illegible] بن گیا جو خود بھی مستقبل سے محروم تھا اور جس سے دوسروں کو بھی جلا حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس دور انحطاط نے تصوف کے معنی کو زیادہ سے زیادہ فرو تر کر دیا۔

اس سلسلے میں تصوف کے زوال و انحطاط کے متعلق ایک دلچسپ قول کا اعادہ بے محل نہ ہوگا:

"تصوف حال تھا لیکن اپنے دور انحطاط میں برا حال بن گیا وہ اکتساب تھا لیکن اب اس نے اکتساب کی صورت اختیار کر لی۔ وہ استغفار تھا لیکن اب وہ اشتہار نظر آنے لگا وہ سلف کا دوسرا نام تھا اب وہ خود سری اور بے عملی بن گیا۔ وہ صدور کی عمارت تھا اب غرور کا مرکز بن گیا۔ پہلے وہ تکشف تھا اب تکلف کا جامہ اس نے پہن لیا پہلے وہ تحقق تھا اب وہ تعلق بن گیا۔ پہلے وہ قناعت تھا اب اس نے قباعت کا روپ بھر لیا۔" (۲)

اگرچہ موجودہ دور انحطاط ہی کا دور کہلاتا ہے تاہم اس صدی میں بھی ایسی قابل قدر ہستیاں گزری ہیں جن کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے اسلامی تصوف کو اپنے حقیقی رنگ میں پیش کیا اور اس سلسلہ میں متعدد تصانیف کیں۔ انہوں نے تصوف کو عین اسلام قرار دیا اور تحقیق سے ثابت کیا کہ ہر مسلمان کا صوفی ہونا ضروری ہے بغیر صوفی بنے آخرت تو کیا دنیا بھی نہیں بنتی۔ انہوں نے ایک طرف تصوف کے سلسلے میں چند غلط فہمیوں کو دور کیا اور دوسری جانب تصوف کو عین شریعت ثابت کرنے میں عملی طور سے تعلیم و تربیت کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی مثال اس دور انحطاط میں نہیں ملتی۔

ان ہستیوں میں ایسی بھی تھیں جو اپنے وقت میں مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی۔ حافظ، قاری، مدرس، مفسر، محدث، فقیہ، واعظ، صوفی، متکلم، مناظر، ناظم، ناشر، ادیب اور خانقاہ نشین شیخ، سب کچھ تھیں۔ تاہم سب سے بڑھ کر ان ہستیوں نے اپنے تمام فضائل و کمالات کو فن تصوف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرما دیا۔ جس کی حقیقت پر پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی اور جو دوکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ بالمحض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کا ایک نصاب۔ سلف صالح نے اس فن کے جو ابواب و رسائل لکھے تھے وہ بالکل ہی فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیات کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی۔ بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طریقت اور شریعت کو دو مقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کو گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند متنوعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا گیا تھا اگرچہ اس زمانہ میں بھی علمائے حق اور صوفیائے برحق موجود تھے اور ان کے سلسلے بھی قائم تھے اور فیوض و امارات بھی جاری۔ تھے لیکن خواص کی حد تک۔ تدوین فن و ترتیب اصول، تحقیق مسائل، تالیف رسائل، اصل سلوک کے مضامین کو کتاب و سنت کی اور سلف صالحین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام نہیں ہو رہے تھے۔ نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درسگاہ تھی جس میں راہ کی مشکلات کو علمی اور فنی طریقے سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسی مسند بچھی ہوئی تھی جہاں شریعت و طریقت کے مسائل و پہلو بیان ہوتے ہوں

"جہاں ایک طرف قال اللہ وقال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت و بندگی کے اسرار اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں جہاں جس قلم سے فقہی فتاویٰ لکھ رہے ہوں اسی قلم سے سلوک و طریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حکیم الامت، مجدد ملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے لیا جو صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔" (۳)

لیکن آٹھویں صدی ہجری کے بعد کے دور کو تصوف کا دور انحطاط کہنا صحیح نہیں کیونکہ دسویں صدی ہجری میں ہند و پاکستان کے علاوہ دوسرے خطوں میں بھی ایسے حضرات دین کی خدمات انجام دے چکے ہیں جن سے دنیا واقف نہیں جن میں صوبہ سرحد کے حضرت پیر بابا سر فہرست ہیں اگر ان حضرات کی خدمات کو تاریخ میں محفوظ کر لیا جائے تو یہ کہنے میں قطعاً تامل نہ ہوگا کہ تصوف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے رواں دواں ہے اور تا قیامت رہے گا اور اگر اس کا ثبوت درکار ہو تو دور نہ جائیے آج بھی ہماری پاک سرزمین کے صوبہ سرحد میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو حقیقی تصوف کی منہ بولتی تصویر ہیں اور جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے ایک سپاہی گھکول شریف (کوہاٹ) کی پہاڑیوں میں آج بھی اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کو دین حق پر چلنے کی تلقین کرنے میں مصروف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سلسلہ قادریہ کے روح رواں شیخ طاہر علاؤ الدین صاحب بلوچستان میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منہ بولتی تصویر ہیں اور یہ دونوں ہستیاں سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان ان مقاصد کی تکمیل میں کوشاں ہیں اسی لئے تو اقبال نے بھی کہا تھا کہ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی !

اس میں شک نہیں کہ اس دور انحطاط میں اعلیٰ حضرت کا کام بڑی اہمیت رکھتا ہے اور احیائے تصوف یا تجدید تصوف کی ایک بھرپور اور کامیاب ترین کوشش ہے لیکن جس رفتار سے اس عمل کا آغاز ہوا تھا وہ دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے جس سے منزل ابھی دور معلوم ہوتی ہے۔

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

تاریخ تصوف و متصوف

تصوف و صوفی کے الفاظ جس قدر رائج و شائع ہیں اس قدر باعتبار معنی (لغوی،
اصطلاحی، بلحاظ تاریخ و اصل (ماخذ)، ہنوز بین المحققین اختلافی رہے ہیں اور علمائے
متقدمین اور متاخرین سب نے ان کی الگ الگ وجہ تسمیہ پیش کی ہے۔ مثال کے
طور پر ایک فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ بہت پرانا ہے۔ پہلی صدی ہجری سے
بھی پہلے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا بعد میں یہ گوشہ گمنامی میں جا پڑا اور عہد صحابہ اور
تابعین میں اسے ایک نئی زندگی ملی۔ ایک دوسرا فریق ہے جو کہتا ہے کہ اگرچہ
اسلام میں یہ لفظ نیا نہیں تھا لیکن اصطلاحی طور پر اسے نئے معنی پہنائے گئے
اور اسے ایک نئی زندگی ملی۔ ایک تیسرا فریق ہے جو کہتا ہے کہ یہ لفظ اسلامی نہیں
ہے بلکہ جاہلی ہے۔ یعنی قبل از اسلام کی پیداوار ہے۔ ان مختلف بیانات
سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس لفظ کی اصل اور تاریخ میں کافی اختلاف
پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم تاریخی اور تحقیقی نظر سے اس مسئلہ پر نگاہ ڈالیں تو معلوم
ہوگا کہ سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی المتوفی ۱۵۰ ہجری نے اس لفظ کا استخراج کیا اور
استعمال کیا۔ یہ عرب تھے اور کوفہ کے متوطن تھے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ شام
میں گذرا۔ ابو ہاشم کی زندگی آنحضرت سے بہت زیادہ متاثر تھی وہ اپنی زندگی
کو اس رنگ میں رنگنا چاہتے تھے جو کہ آنحضرت کی زندگی میں رچا ہوا تھا وہ دنیا کی
زیب و زینت سے الگ رہتے تھے۔ دنیا کی دلکشی اور جاذبیت ان کی توجہ کو
کبھی بھی اپنی طرف مبذول نہ کر سکی۔ اس ضمن میں قشیری کا بیان بڑی اہمیت

کا حامل ہے وہ کہتے ہیں کہ مختلف ادوار میں روحانی زندگی (تصوف) کے لئے کیا کیا
نام استعمال ہوئے۔

در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے اپنے زمانے کے افاضل و
اکابر کے لئے کوئی الگ نام نہیں رکھا صرف ایک ہی نام صحابہ تھا جو سب کے لئے
مشترک تھا پھر جب صحابہ کا دور ختم ہوا اور دوسرا دور شروع ہوا تو اس عہد میں ایک
نیا نام تابعین ایجاد ہوا لیکن یہ لقب صرف انہی لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے
صحابہ کرام کا فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ اس نام میں ایک قسم کی برتری کی جھلک
موجود تھی۔ تابعین کے دور کے بعد جو نیا دور شروع ہوا۔ اس زمانے کے لوگ تبع
تابعین کہلائے۔ تبع تابعین ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو تابعین کے شرف صحبت سے
مستفیض ہوئے تھے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین گویا یہ تین دور تھے اور ان ادوار
ثلاثہ کے بعد لوگ القاب و اسماء کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے اور فرق
مراتب کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ جو لوگ مذہب کے اعتبار سے زیادہ متشدد
تھے اور اس طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے ان کے لئے دو نام عام طور سے رائج ہو گئے
(۱) زہاد (۲) عباد۔ اس دور کے بعد بدعتوں یعنی نئی نئی باتوں کا دور دورہ شروع
ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے جو یہ دعویٰ کرنے لگے کہ زہاد و عباد کا وجود ہمارے
ہی ہاں ہے اس کے بعد اہل سنت کے ہاں ایک نئی اصطلاح وضع ہوئی اور یہ
تصوف کہلائی۔ (۴۴)

اس بیان سے یہیں اشارہ ملتا ہے کہ تصوف اسلامی کا مصدر اسلام ہے
اور دوسرے مذاہب مثلاً ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت وغیرہ کی
بعض تعلیمات سے ظاہری مماثلت و مشابہت کی بنا پر بعض محققین (خصوصاً مغربی
مستشرقین) نے اسلامی تصوف کو ان مذاہب سے اخذ شدہ یا مشتق بتایا ہے

وہ صحیح نہیں۔ مثلاً محققین کا ایک گروہ ترک وسائل اور خلع علائق وتناسخ وغیرہ سے مماثلت کی بنا پر اسلامی تصوف کا مصدر ہندی تصوف بتاتا ہے۔ پروفیسر اے جے آربری کا خیال ہے: "ترک دنیا، حیات عاقلی سے استغنا، اور دنیا سے بے فکری اور بے پروائی۔ یہ سب باتیں بدھ مت کے اثر سے اسلامی تصوف میں داخل ہوئی ہیں" (۵)

اس طرح بعض علماء کا خیال ہے کہ اسلامی تصوف کا ماخذ فارسی تصوف ہے پروفیسر براؤن کا بھی یہ خیال ہے کہ تصوف کی اصل میں ایرانی فلسفے کا عنصر موجود ہے جب اسلام ایران میں داخل ہوا تو وہاں کے افکار وخیالات سے متاثر ہوا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "عہد ساسانی میں جو افکار وعقائد عام طور سے عروج پر تھے غلطی ہوگی اگر ہم انہیں نظر انداز کر دیں یا انہیں فراموش کر دیں کہ ان کا اثر بعد کے آنے والے زمانے پر نہیں پڑا" (۶)

ملک الشعراء بہار (متوفی ۱۹۵۰ء) کا خیال ہے کہ تصوف کے بعض عناصر کا ماخذ مانویت ہے۔ مذہب مانی یا زنادقہ کے پیشرو جب دنیائے اسلام میں بدنام ہوگئے تو انہوں نے اپنے معتقدات یعنی زہد اور ترک دنیا وغیرہ کو اسلامی تصوف کی شکل میں رائج کیا اور بڑی دانشمندی اور استادی سے اپنے عقائد کا اہل صُفّہ سے رشتہ جوڑا۔ (۷)

پروفیسر نکلسن کا خیال ہے "ذکر اور توکل کے نظریات قرآن اور احادیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں لیکن اس امر میں شبہ نہیں کہ تصوف اس سلسلے میں مسیحیت کا بہت حد تک رہین منت ہے۔ (۸)

نوافلاطونیت

بعض مغربی مفکرین ومستشرقین تصوف میں "عشق" اور "وحدت الوجود"

جیسے نظریوں کے پائے جانے کا سبب نوافلاطونیت کو بتلاتے ہیں کہ اس فلسفہ سے اسلامی تصوف ماخوذ ہے مثلاً اسلام نے جب رفتہ رفتہ ترقی کی اور مسلمانوں نے سرزمین عرب سے نکل کر شام، عراق، ایران، فلسطین، مصر وغیرہ کو فتح کیا تو ان ممالک میں نوافلاطونیت کے اصول جاری وساری تھے عباسیوں کے عہد خلافت خصوصاً خلیفہ المامون کے زمانے میں مسلمان علماء اور فلسفیوں نے مختلف یونانی علوم مثلاً طب، ہیئت، جغرافیہ، مابعد الطبیعات، الہیات، نفسیات، منطق، سیاسیات اخلاق وغیرہ کو عربی قالب میں ڈھالا تو ان علوم کے ساتھ انہوں نے فلسفہ نوافلاطونیت کو بھی اپنایا اور پھیلایا، الکندی (متوفی ۸۷۳ء) پہلا شخص ہے جو مسلمانوں میں فلسفی کے نام سے مشہور ہوا۔

وہ افلاطون کا پیرو اور اس کے فلسفہ کا شارح تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں فلسفہ افلاطون کے اور بھی بہت سے مفسرین پیدا ہوئے جن میں زیادہ مشہور الفارابی (متوفی ۹۵۰ء) ابن مسکویہ (متوفی ۱۰۳۰ء) اور ابن سینا (متوفی ۱۰۳۷ء)۔ مسلمان مفکرین میں شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی ۱۲۴۰ء) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس مسئلہ "وحدت الوجود" کو نہایت وضاحت کے ساتھ اسلامی تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ ان کی مساعی سے اس مسئلہ سے متعلق فلسفہ نوافلاطونیت کے اصول اسلامی تعلیمات میں اس طرح گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ دور مابعد کے شعراء، زہاد اور فلاسفہ نے اس مسئلہ کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا اور اس کے اثرات کو ہمہ گیر بنایا۔

تحقیقی جائزہ

ان جملہ آراء و بیانات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی تصوف

کا مصدر اسلام نہیں بلکہ دوسرے مذاہب اور ادیان ہیں لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ جملہ ایک ورق بھر حقیقت نہیں رکھتا۔ اولاً یہ کہ ان آراء کا باہمی تضاد ہی اس دعویٰ کو کمزور بنا دیتا ہے۔ ان آراء کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہی چیز سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں کچھ مماثلت یا مشابہت پائی گئی وہی اسلامی تصوف کا ماخذ قرار دیا اور بعض اوقات ایک ہی محقق ایک ہی وقت میں اسے دو یا تین مختلف مذاہب سے ماخوذ بتلاتا ہے۔ اس تحقیق سے یوں لگتا ہے کہ اس ضمن میں اسلام بالکل تہی دامن تھا اور ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ثانیاً۔ مماثلت اور مشابہت کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ یہ اخذ و اقتباس ہے بہت بڑی غلطی ہے۔ اسلام کا تصوف دوسرے ادیان کے عقائد اور تصوف سے جب تک دور رہا، دور رہا لیکن جب قرب و اتصال کے مواقع بہم پہنچے تو کچھ ایسی چیزیں بھی نکلیں جن سے اندازہ ہوا کہ بعض خیالات ان میں باہمی مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ مشابہت بجائے خود خواہ کسی نوعیت کی کیوں نہ ہو لیکن اسے ہرگز اخذ و اقتباس کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن جو چیز اپنی جگہ پر مستقل اور دائم ہے اسے کوئی بھی باطل قرار نہیں دے سکتا۔ نہ اس کے بارے میں ثابت کر سکتا ہے کہ یہ عاریتاً لی ہوئی ہے۔

ثالثاً۔ تیسری صدی ہجری میں جبکہ علم تصوف نے ایک باقاعدہ منظم علمی شکل اختیار کی تو اس وقت اسلام ایک "مافوق القوہ" کی حیثیت رکھتا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت کی غیر مسلم قومیں اسلامی سلطنت سے تعلق و علائق کو باعث افتخار گردانتی تھیں اور عملاً اسلام اس پوزیشن میں تھا کہ دوسروں کو متاثر کرے نہ کہ دوسروں کا اثر لے۔ چنانچہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اسلامی عقائد و خیالات بھی دوسروں پر

اثر انداز ہوئے۔ کیونکہ قوت غالبہ مؤثر ہوتی ہے متاثر نہیں ہوتی۔

رابعاً۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے بھی سطحی ہے کہ جن جملہ تعلیمات تصوف کو دیگر مذاہب سے ماخوذ بتلایا ہے وہ بجائے خود اسلام کے اندر کلی طور پر موجود ہیں اور اس ضمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو اسلامی تعلیمات کے عمیق مطالعہ کے بغیر یہ آراء قائم کی گئی ہیں یا جان بوجھ کر کتمان حقیقت کیا گیا ہے۔

خامساً۔ اس تحقیق کی اہمیت اس طرح بھی کچھ نہیں رہتی کہ جن مذاہب یا فلاسفہ کا حوالہ ان آراء میں موجود ہے۔ صدر اول کے مسلمان ان سے بالکل ناآشنا تھے۔ مثال کے طور پر ہندی فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) کے ذریعے اسلامی دنیا کو پہنچے۔ جو اس نے اپنی کتاب "کتاب الہند" میں پیش کئے ہیں۔ البیرونی کی یہ کتاب ۴۲۵ھ میں شائع ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت تک اسلامی تصوف نے خود ایک علمی و نظری صورت اختیار کر لی تھی۔ اس لحاظ سے ہندو فلسفہ کو اسلامی تصوف کا ماخذ قرار دینا صراحتاً غلط ہے۔

سادساً۔ بعض اکابر صوفیا کا اہل عرب سے نہ ہونا اور ان کے دیگر ممالک سے تعلق کی بنا پر محقق نے یہ تصور کر لیا کہ اسلامی تصوف بھی خارج سے مستعار ہے لیکن ایسا تصور کرتے وقت محقق یہ بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ صوفیاء پہلے مسلمان تھے بعد میں کچھ اور۔ اور جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان میں اور عرب کے مسلمانوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ ایرانی صوفیاء میں سے کیا شیخ ابوسعید ابی الخیر، امام غزالی، سنائی غزنوی، فرید الدین عطار، مولانا جلال الدین رومی اور عبدالرحمٰن جامی جیسے اکابر صوفیاء کے صوفیانہ خیالات اور افکار و عقائد اسلام کے خلاف تھے؟ نہیں یہ نظریہ صرف عہد حاضر کی پیداوار ہے اور محض ملی تعصب پر مبنی ہے۔

سابعاً۔ بعض محققین نے اسلامی تصوف کی فروعات میں کچھ عنصر کی

موجودگی یا بعض باتوں میں آمیزش و اشتراک کی بنا پر اس کا مصدر غیر اسلام قرار دیا حالانکہ اس فیصلے کے لئے اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اسلاف کے تصوف اور تعلیمات کا اگر امعان نظر سے مطالعہ کیا جائے تو کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی اصل ہر اشتراک اور آمیزش سے بری ہے۔ اسلام کے مختلف فرقوں کی بالعموم اور فرقہ صوفیہ کی بالخصوص یہی حالت ہے اسلام کا تصوف بھی اپنی اصل کے لحاظ سے کسی قسم کی آمیزش اور اشتراک کو قبول نہیں کرتا بلکہ اپنی انفرادیت اور شخصیت کے اعتبار سے وہ سب سے یگانہ اور ممتاز ہے۔ باقی رہا فروعات کا مسئلہ سو یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اس میں اگر کہیں معمولی اشتراک پایا جاتا ہے تو وہ کوئی قابل اعتراض یا قابل طعن بات نہیں۔ تصوف کی ساری تاریخ خواہ وہ صدر اول سے تعلق رکھتی ہو یا دور آخر سے۔ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس کی اصل کہیں اور کبھی اپنے مرکز ثقل سے نہیں ہٹی وہ اپنی جگہ پر خود ایک چیز ہے۔ اثر پذیر ہونے کے لئے نہیں۔ اثر انداز ہونے کے لئے۔

لہٰذا تحقیق کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ تصوف اسلامی کا مصدر اسلام ہے نہ کہ دیگر مذاہب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ نیز قرآن و سنت کی تعلیمات اور پھر صحابہ کرام کی زندگی اس دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔ چنانچہ مشہور مستشرق نکلسن نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اسلامی تصوف اسلام ہی سے ماخوذ ہے۔

میری رائے کہ تصوف اسلام میں دخیل ہے بالکل ناقابل لحاظ ہے سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ظہور اسلام کے وقت سے تصوف کا رنگ اور چاشنی مسلمانوں میں دیکھ رہے ہیں اور یہ چیز کہیں باہر سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث کی تلاوت اور مطالعہ کا نتیجہ ہے اسلامی جماعتوں میں تصوف کا ذوق اور وجدان باہر کا نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔[۹]

علم تصوف کی ضرورت دور حاضر میں

(الف) تصوف حقیقی ضرورت ہے

بعض ضرورتیں بعد میں محسوس ہوتی ہیں کیونکہ داعیات بھی بعد میں نشو و نما پاتے ہیں۔ تنبیہات خارجیہ، طبائع انسانیہ میں داعیات و جذبات الٰہیہ پیدا کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ انسان ان کی ضرورتوں کو محسوس کرتا ہے مگر داعیہ تلاش حق کوئی نیا داعیہ نہیں، نیا منہج نہیں وہ تو ابتداء آفرینش ہی سے ہے وہ تو خمیر انسانی میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور علم تصوف یا علم سلوک سراسر داعیہ تلاش حق ہے لہٰذا اس کی ضرورت ہمیشہ قائم و محسوس رہی البتہ کبھی شدید تر محسوس کی گئی۔ جس طرح زمانہ فترہ میں اقوام کی طبائع بگڑ جاتی ہیں وہ بت پرستی اور جہالت پرستی کرنے لگتے ہیں پھر نبے نبی آکر ان کو توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کو بھولا ہوا سبق یاد کرواتے ہیں۔ اس طرح فی زمانہ قوئی مضمحل طبائع کمزور، ایمان ضعیف، فکر منتشر، عقائد بے سرو پا قدار ناپید، تلاش حق مفقود، داعیات حقہ کا نام نشان نہیں، نہ مشاہدہ، نہ مراقبہ، نہ صبر نہ استقلال، نہ قلب میں جلا نہ روح میں اجالا، نہ ارادہ نہ ثبات نہ قالب میں مستی نہ روح میں سکون، نہ مکاں کی خبر نہ مکیں کا ہوش۔ نہ افلاک سے اتصال نہ کواکب سے ہم رنگی، نہ لوح کی خبر نہ قلم سے واسطہ، نہ جبرائیلی روح اور نہ ملکوتی لطائف۔ جب انسانیت کی اس طرح دھجیاں بکھر رہی ہوں تو علم قرب یا علم سلوک کی ضرورت اشد نہ ہو تو اور کیا ہو۔ سائنس نے صرف مادہ

کی حمایت کی فلسفہ نے صرف عقل کے جھول درست کئے، ریاضی نے صرف دماغی شاطری کو ابھارا۔ سپورٹس نے صرف عضلات و عصبات کے بند کھولے۔ موسیقی نے صرف روح کو مرتعش کیا پھر بھی ایک ہوک باقی رہی کہ جان کیا ہے کہاں ہے کیسی ہے اور جان جاناں کس گوشہ میں ہے۔ کیا یہ داعیہ عالیہ تمام دوسرے داعیات سے برتر نہیں؟ کیا اس کی ضرورت اس نام نہاد ترقی یافتہ زمانہ میں نہیں؟ اگر یہ داعیہ چمک اٹھے تو حیات اصلیہ مل جائے۔ زندگی کے تمام گوشے بیدار ہو جائیں کیا معاشرت و معیشت کیا سیاست و مذہبیت کیا عسکریت و رہبیت سب ہی توازن نظم، عدل اور رونق آجائے کبھی خود ضرورت کا بھی تہیج ہوتا ہے ایک چیز شدت سے محسوس ہوتی ہے مگر فضا نہ پاکر ابھرنے نہیں پاتی۔ داعیہ تلاش حق ہر ایک دل میں موجزن ہے مگر اپنے اطراف تاریک ماحول پاکر وہ صدیوں ابھرتا نہیں اس لئے وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (۱۰) کی سخت ضرورت ہے کہ لوگ خود حق شناس، خود صابر ہو جانے پر اکتفا نہ کریں بلکہ الٰہی فضا قائم کریں جس میں حق ہی حق ہو، صبر و استقلال ہو۔ ثبوت و ثبات ہو اور علم سلوک ہی یہ کام انجام دے سکتا ہے۔ صحابہ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی میں بڑا گہرا ربط پایا جاتا ہے اور اس علم سلوک نے ان کو مردان حق بنایا۔ جن کی خدا نے خود گواہی اس طرح دی۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (۱۱) تصوف کی کیونکر ضرورت نہ ہوگی جبکہ انسانی زندگی نہایت پیچیدہ ہے جب کہ دنیا اتنی آباد ہو کر بھی ویران ہے جب کہ ان بلند پہاڑوں وسیع سمندر، خونخوار حیوانات کے مقابل میں انسان نہایت ضعیف اور سراپا محتاج ہے جبکہ ہر تجربہ جہل پر منتہی ہوتا ہے جبکہ پیدائش اور موت آج تک ایک راز ہے جبکہ خدا کے لئے انسان کی شدید طلب اور خود خدا نظروں سے مستور، لاابالی، سراپا صمد اور دونوں عالم سے غنی۔ جبکہ فقر کی نہایت تصوف

ہدایت ہے جبکہ عقل کو نقل کے تابع کر دینا ہی اس کوچہ میں راہ راست ہے جبکہ انسانی نفس کی خاصیت ہی یہ ہے کہ پیہم وسوسے آئیں۔ جبکہ اس عالم میں بجز صفات کے مظاہر کے کچھ بھی نہیں۔ ذات کا نام و نشان تک نہیں کیونکہ پردہ کے پیچھے رہنا ہی خدا کو پسند ہے جبکہ علم الیقین کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ عین الیقین نہ ہو جائے اور عین الیقین کی بھی کوئی حقیقت نہیں جب تک کہ حق الیقین نہ ہو جائے۔ جبکہ بالقوہ انسان کو خلافت دی گئی، امانت سونپی گئی، محبت و خوف دیا گیا، عشق کا عطیہ ملا جو ملائکہ میں مفقود ہے۔ جبکہ انسانیت مقدرات کے شکنجہ میں ہے جبکہ محیط کل کا خیال آتے ہی یہ موہوم ہستی معدوم ہو جاتی ہے۔ جب کہ محی الدین ابن العربی نے الحق محسوس الخلق معقول فرما کر بساط ہی الٹ دی جبکہ والیہ ترجعون فرما کر دنیا کی دلکشی اور ثبات قیام ہی چھین لیا۔ جبکہ لا الہ الا اللہ فرما کر فنا و بقا کے دونوں میدان واضح کر دیے گئے۔ جبکہ مطلق نے خود مقید ہو کر ایک تماشہ اور عالم طلسم ہمارے آگے رکھ دیا۔

آں کس کہ خاک ما را گل کرد و خانہ ساخت
خود درمیان در آمد و ما را بہانہ ساخت

تصوف کیا ہے؟ علم قرب ہے، علم مشاہدہ ہے، علم رابطہ ہے، علم حقائق ہے۔ واسجد واقترب (۱۲) یہی تو علم تصوف ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (۱۳) یہی تو علم تصوف ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم (۱۴) یہی تو علم تصوف ہے۔ جس طرح انسان قدیم ہے اسی طرح علم تصوف بھی قدیم ہے کیونکہ علم خود آگاہی، علم تصوف ہے اور شعور انسانی کو خود آگاہی لاگو ہے۔ بالقوی لاگو ہے اسی خود آگاہی کو بالفعل بنانا علم تصوف ہے۔ لوگ کہتے ہیں سائنس نے ترقی کی۔ کیا سائنس کسی چڑیا کا نام ہے۔ انسان ہی کی ترقی کو سائنس کی ترقی کہا جاتا ہے۔ سائنس کی

ترقی میں انسانوں کا تجربہ اور مشاہدہ کام آیا۔ ہاتھ پاؤں کی صلاحیتیں کام آئیں دل و دماغ کی قابلیتیں کام آئیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات شامل ہو کر ایجادات وقوع پذیر ہوئیں۔ علم تصوف میں انسانی بصیرت، اس کا وقوف شعور اس کے مکاشفات، اس کے قلب کا توسع، اس کے مشاہدات کام آئے اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات شامل ہو کر اس کا ہیولیٰ ہی بدل گیا اب وہ عالم خلق کو عبور کر کے عالم امر کو چھو گیا تو ایک نئی خودی وقوع پذیر ہوئی یہ بھی ایک ایجاد ہے جو اعطاء وجود در وجود سے ظاہر ہوئی وہ اگر مادی سائنس ہے تو یہ الٰہی سائنس ہے۔ تغیرات دونوں قسم کی سائنس میں ہو رہے ہیں۔ ایجادات دونوں میں وقوع پذیر ہو رہی ہیں فرق اتنا ہے کہ ایک ظاہر ہے تو ایک باطنی۔ ایک معروضی ہے تو ایک موضوعی۔ پھر یہ کیسے کہ یہ سائنس کا دور ہے علم سائنس کو تصوف سے دور کیونکر رکھا جا سکتا ہے بلکہ سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ معروضی علم سائنس والے اگر موضوعی علم سائنس (تصوف) والوں سے پوچھیں کہ ان کی ایجادات انسانی خود آگاہی کے لئے کہاں تک کارآمد ہو سکتی ہیں فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (۱۵)۔ جب علم سائنس اور علم تصوف ایک سنگم پر جمع ہو سکتے ہیں تو حقیقت پسندانہ رویہ یہ ہو گا کہ اہل تصوف اہل سائنس کے تجربوں میں مددگار ثابت ہوں اور اہل سائنس، اہل تصوف کی خود آگاہی سے مستفید ہوں جس طرح اہل سائنس ایک جداگانہ لیبارٹری، ایک خاص تعامل اور باہمی ذرات کے فنکشن پر زور دیتے ہیں اس طرح اہل تصوف بیعت، رابطہ شیخ، خاص نسبت اور روح و جسم کے باہمی فنکشن پر خصوصیت سے تاکید کرتے ہیں۔

(ب) ثبوت بیعت :

لیبارٹری میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں زندگی کو داؤ پر لگا دیا جاتا ہے۔ ذہن اور لگن والے ہی یہاں کام کر سکتے ہیں۔ روزمرہ کے تجربات سے مشاہدات میں توسیع ہوتی ہے۔ ایکسپرٹس کا ہونا ہر لیبارٹری کے لئے ضروری ہے دوران تجربات ایک قابل نگران کار کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ وقتاً فوقتاً کام کو آگے بڑھایا جائے۔ لیبارٹری صرف گیسوں کی تیاری، رنگوں کے امتزاج ہی تک محدود نہیں ہوتی بلکہ یہاں دھماکے بھی ہوتے ہیں حیرت انگیز کیمیائی تغیرات بھی ہوتے ہیں۔ انعکاسی اور ارتعاشی نازک تجربات بھی ہوتے ہیں سارے معاملے کا ایک جیتا جاگتا نگران بھی ہوتا ہے جو سب سے بڑا آرگنائزر بھی ہوتا ہے۔

اہل تصوف کا اصرار ہے کہ شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے تاکہ اسلام کو ترقی ہو۔ ایمان کی تکمیل ہو اور احسان کی راہیں پیدا ہوں۔ اسلام، ایمان اور احسان تصوف کی لیبارٹری کے اہم عناصر ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کافی نہیں ہیں کہ ہم اوروں کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ بسم اللہ اگر ہمت ہو تو آں جناب سے راست بیعت کریں اسی کو اویسیت کہتے ہیں۔ شیخ کامل فیض متصل ہوتا ہے۔ اسلامی لیبارٹری کا نگران کار ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ پیدا کر دینا اور اپنی ذاتی محبت بھی چھین لینا اس کا کام ہوتا ہے عالم خلق کو عبور کرنے اور دھاکوں سے بچ بچ کر منزل کو پا لینے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی ناقص ہے تو اس سلسلہ کے کاملین شیوخ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے۔ شیخ کامل اپنی انفاس سے اپنے قلب کی ہمت سے اپنے تصوف فی الوجود سے اپنی نسبت کاملہ سے ہر دم ہماری مدد کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع سے نماز

پڑھو لیکن کوئی سکھاتا نہیں کہ کس طرح نماز ادا کی جائے۔ لوگ آفاقی نظام باطل کا رگ تو الاپتے ہیں لیکن انفسی نظام باطل کو منقلب نہیں کر سکتے۔ شیخ کامل میرے عجب و غرور کو نکال پھینکتا ہے، میرے انتشار ذہنی کا مداوا کرتا ہے مجھے مرکزیت سے نوازتا ہے۔ میرا رشتہ میرے بڑے نگران کار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کرتا ہے مجھے علم آگاہی بخشتا ہے کائنات سے مجھے مربوط کر دیتا ہے۔ میرے اندر محبت کی لازوال نعمت ڈالتا ہے۔

(ج) بیعت:-

بیعت کیا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ بیعت ایک معاہدہ ہے۔ عربوں کی ایک عادت ہے کہ کوئی معاہدہ کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں سلطنتوں میں حلف وفاداری لیا جاتا ہے اسی طرح کسی اہم بات کی تاکید پر بیعت لی جاتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی مسلمان ہوتا تو بیعت کرتا۔ توبہ کرتا تو بیعت لی جاتی۔ بیعت تقوی و توبہ عورتوں سے بھی لی جاتی تھی۔ بعض دفعہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے متعلق بیعت لی جاتی تھی جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ بعض دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ نہ مانگنے پر بیعت لی (حضرت ثوبانؓ) بعض دفعہ آنحضورؐ نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ثابت قدم رہنے کے لئے بھی بیعت لی ہے۔ غرض کہ کسی اہم چیز پر عہد لینے کا نام بیعت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی غلطی معلوم نہیں ہو سکتی استاد شاگرد کی غلطیوں کو پکڑتا جاتا ہے جب بدیہی چیزوں میں غلطی ہونے سے استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو لطیف اور نازک چیزوں میں غلطیوں کا ہونا کتنا اہم وقوع ہے اور اس کے لئے بھی شیخ کامل کی ضرورت ہے بہت خیال [illegible] ایک شخص کے پاس چند سیلون [illegible] غور [illegible] کسی اہم مقدمہ

میں ہر روز ایک وکیل بدلا جائے تو نہ پیروی برابر ہو سکتی ہے نہ کامیابی کی توقع ہے قانون کی کتابیں دیکھ دیکھ کر مقدمہ کو نہیں چلایا جا سکتا۔ ہر کام میں ایک شخص ماہر ہوتا ہے اور وہی معتمد علیہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ چھوٹے کم سمجھ بچوں سے بھی بیعت لی جاتی ہے جس کو بیعت برکت کہتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے شیخ کامل کی یہ تمیز بتلائی ہے کہ جس کی صحبت میں وساوس اور فضول خیالات بند ہو جائیں اور آدمی کا خیال خدا اور رسول کے ساتھ وابستہ ہو جائے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر شخص میں سے اس کے خیالات اس کی صحبت کے اثرات تموج کرتے ہیں اور ہر سو پھیلتے ہیں۔ نیک کی صحبت سے نیکی حاصل ہوتی ہے اور بد کی صحبت سے بدی۔ کمزور یقین والا اگر کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس کے وساوس اور واہی تباہی خیالات معدوم اور مضمحل ہو جاتے ہیں وہ ضرور کامل اور قوی ارادہ والے شخص کی صحبت سے متاثر ہو گا۔ جس طرح اہل سائنس نے معمل تیار کیا ہے اسی طرح اہل بیعت اپنے لئے نورانی خول تیار کر لیتے ہیں جن میں وہ محفوظ رہتے ہیں۔

بیعت کے لغوی معنی بکجانے کے ہیں لیکن یہ بکنا اللہ کے لئے ہے فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ (۱۶) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد کہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (۱۷) کیا کوئی غیر کے ہاتھ پر بک سکتا ہے؟ بیعت صرف اللہ سے معاہدہ کا نام ہے۔ ہم نے اپنی مرضی اپنے ضمیر اپنی خواہش کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کاش! ہم کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتے جو ہمیں علم خود آگاہی کا درس دیتا اور ہم کو تو سکینہ بنا دیتا۔

(د) نسبت:-

علم تصوف میں نسبت کو ایک اہم درجہ حاصل ہے۔ نسبت کیا ہے [illegible]

ایک رسوخ، ایک نفوذ، ایک غیر منفک رابطہ، ایک اتصال بے کیف، غرض کہ ریاضات سے جو ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے وہ نسبت کہلاتا ہے۔ اہل سائنس کا سارا زور COMPOSITION پر ہوتا ہے۔ صحیح تناسب کے بغیر کوئی گیس تیار ہی نہیں ہو سکتی اور دو یا دو سے زائد اشیاء کی ترکیب متناسب کے بغیر کوئی کیمیائی مرکب تیار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح پاک نیت، پاک دل، پاک خطرات، پاک حظیرہ، بغیر نسبت کے معرض وجود میں نہیں آ سکتا۔ قہری اور جمالی تجلیات پر کڑی نگاہ رکھ کر، قہری تجلیات سے بچ بچ کر جب تک ایک سالک نہ نکلے گا اس کو نور سکینہ حاصل نہ ہو گا۔ ایسے شہباز بھی ہیں جو کسی سے مطمئن ہی نہیں ہو سکتے جب تک ان کو نسبت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یا نسبت ابو بکرؓ یا نسبت علیؓ حاصل نہ ہو شاہ ولی اللہ نے اپنی ہمعات میں آٹھ نسبتیں بتلائی ہیں جن سے وہ خود گذر چکے ہیں نسبت[۱] انوار طہارت، نسبت[۲] سکینہ، نسبت[۳] اولیاء، نسبت[۴] یادداشت، نسبت[۵] توحید، نسبت[۶] عشق، نسبت[۷] وجد، نسبت[۸] احسان (۱۸) دنیائے سائنس میں خواہ کتنے ہی انقلابات آ جائیں مگر اہل سائنس قوانین فطرت کی نسبت کا بھی کا انکار ہی نہیں کر سکتے اسی طرح ایک سالک نسبت شئون الٰہیہ سے سرشار رہتا ہے کیونکہ اسی میں اس کی بقا ہے۔

(۸) بطلان تناسخ

ٹی وی کی ایجاد نے فکر تناسخ کی کمر توڑ دی۔ ایٹمی توانائی نے نظریہ جنون کو پسپا کر دیا۔ قالب بدلا اور گمان ہوا کہ زندگی بدل گئی۔ کیا قالب حیوانی، نباتی اور جمادی ہی ہوتا ہے؟ کیا شعاع قالب نہیں ہو سکتی، کیا ظلال قالب نہیں ہو سکتا سرعت دوراں سے جو التباسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کیا وہ قالب نہیں ہو سکتی؟

برہمنو! پنڈتو! تم نے ریاضات شاقہ میں ایک عمر گزار دی مگر جسم ہی سے چمٹے رہے اور جسم میں پیدا ہونے والے ہزاروں قالبوں کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔ اے عیسائی راہبو! تم نے اب تک حلول کی رٹ لگا رکھی ہے کیا ایک چیز دوسری چیز میں داخل ہو کر بھی کاملاً جدا نہیں رہ سکتی؟ کیا اللہ سیدنا عیسیٰ میں رچ بس کر بھی ان سے علیحدہ نہیں رہ سکتا؟ جس طرح کیمیادان عمل تکسید (OXIDATION) سے حیران نہیں ہوتے کہ یہ نئے مرکبات کیونکر پیدا ہو گئے۔ اسی طرح شیخ کامل اگر ہزاروں قالب میں ہویدا ہوتا ہے تو حیران کیوں ہو اور اصول حیات و ممات سے انکار کیوں کرتے ہو جس طرح ایٹم کی ساخت میں الیکٹرون پروٹان اور نیوٹران کے تعامل نے دھوم مچا رکھی ہے اسی طرح انسانی ہیولیٰ میں قلب، روح، اور نفس کے تلاطم نے قشر یہ انسانیہ کو نکال پھینکا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بروز تو اب ایک معمولی سی بات ہے اور اسی سیر پر ہندو اور عیسائی راہبوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ بندہ ایک ایک صفت کے ظل میں متجلی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ تناسخ کی فہم اور اس کے رد کے لئے عالم مثال کی حقیقتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ عالم روح اور عالم جسم کے درمیان ایک اور عالم ہوتا ہے جس کو عالم مثال کہا جاتا ہے۔ عالم منام، عالم مثال ہی کا ایک حصہ ہے۔ لطیف طبائع ہی عالم مثال کو سمجھ سکتے ہیں۔ خواب اور اس کی تعبیرات کا تعلق عالم مثال ہی سے ہے۔ عالم برزخ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔ ناواقف لوگ عالم مثال کے تغیرات کو دیکھ کر اور ان کی حقیقت نہ جان کر تناسخ کے قائل ہو گئے ان کو خبر نہیں کہ اس زندگی ہی میں تلبیست کے یہ اطوار یہ مثالیں شکلیں بدلتی رہتی ہیں مرنے کی ضرورت نہیں۔ مرنے کے بعد تو ایک دوسرے ہی عالم میں جانا ہے اس عالم کے مناسب اس پر احکام جاری ہوں گے۔ ہمارے پاس تو ارتقا ہی ارتقا ہے واپسی ہوتی ہی نہیں۔ انسان اپنی صفات میں ترقی یا تنزل کرتا رہتا ہے۔ اچھی

صفت ہوگی تو عالم مثال میں اچھی صورت ظاہر ہوگی شکلیں بدلتے بدلتے صفات میں تغیر آتے آتے کہیں انسان کی شکل آتی ہے۔ دو آنکھ، دو کان، ایک ناک کا نام انسان نہیں۔ نجات کے لئے انسانی صفات کا پیدا کرنا اور انسان بننا ضروری ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ سزا تو ہوگئی اور سزا پانے والے کو خبر تک نہیں ہوئی کہ کس جرم میں یہ صورت دی گئی ہے۔ خدا کے پاس روحوں کی کیا کمی ہے کہ تازہ روح کے عوض سیکنڈ ہینڈ روح کو جسم سے متعلق کر دیا جیسا کہ اہل تناسخ کا خیال ہے۔ اللہ تو وہ ہے کہ اگر درخت میں قابلیت پیدا ہوئی تو اپنے پاس سے ایک روح نباتی متعلق کر دی۔ حیوانیت کی قابلیت آئی تو خدا نے اس جسم کو ایک روح حیوانی دے دی۔ جب انسان کے خاکی جسم میں قابلیت عظمیٰ پیدا ہوئی تو اس پر روح انسانی فائز ہوگئی۔ شروع سے آخر تک تازہ روحیں عطا ہوتی جا رہی ہیں۔ بلخ کے ابراہیم بن ادہم نے بادشاہت چھوڑ دی۔ اہل تناسخ کے خیال میں دوبارہ دنیا میں ان کو کیا ملا وہی بادشاہت حضرت سلیمان کو اس دنیا میں کیا کیا نہ ملا۔ اہل تناسخ کے عقیدہ کے مطابق ان کے مرنے کے بعد ان کو پھر یہی دنیا ملے گی۔ یہ لوگ طالبان حق تھے اگر مرنے کے بعد ان کا محبوب نہ ملا تو ساری دنیا ان کے حق میں جہنم ہے۔

جو موت آئے وصال حبیب کی خاطر

وہ موت، موت نہیں زندگی کا حاصل ہے

☆☆☆

حوالہ جات باب دوم

۱ — ہجویری، سید علی، داتا گنج بخش، "کشف المحجوب" لاہور : شیخ ظفر محمد اینڈ سنز ص — ۲۶

۲ — صارم، عبد الصمد، "تاریخ تصوف اسلام" لاہور : کتاب منزل، ۱۹۵۰ء، ص — ۳۹

۳ — دریا آبادی، عبد الماجد، "تصوف اسلام" اعظم گڑھ، دار المصنفین، ص — ۴۷

۴ — قشیری، ابی القاسم، "الرسالة القشيرية"، مصر، مطبع دار الكتب العربية، ص — ۹۲

۵ — Arbery, A.J., An Introduction to the History of Sufism. London, 1950, P.123

۶ — Brown, E.G., Literary History of Persia. Oxford University Press. P - 419.

۷ — بہار، ملک الشعراء، "مسلک شناسی"، تہران: ۱۹۴۰ء، ص — ۱۱۷، جلد — دوم

۸ — Nicholson, R.A., The Idea of Personality in Sufism. Cambridge, University Press, P-65.

۹ – Nicholson, R.A., Literary History of the Arabs. London, 1920, P-285.

۱۰ – القرآن : ۱۰۳ : ۳

۱۱ – القرآن : ۲۲ : ۲۷

۱۲ – القرآن : ۹۶ : ۱۹

۱۳ – القرآن : ۲ : ۱۲۵

۱۴ – القرآن : ۲۸ : ۱۰

۱۵ – القرآن : ۱۶ : ۴۳

۱۶ – القرآن : ۹ : ۱۱۱

۱۷ – القرآن : ۹ : ۱۱۱

۱۸ – شاہ ولی اللہ "ہمعات" ، حیدرآباد ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، ص ۲۷ تا ۸۹

باب سوم

حضرت سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا

تعارف

پختون قوم کے عظیم صوفی حضرت پیر بابا کا وطن مالوف ترمذ ہے جو کہ بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے۔ اس کی خاک سے امام حدیث اور امام بخاری کے استاذ موسیٰ بن خدام ترمذی جیسے علم و عرفان کے چراغ نکلے جن کی سیادت وعظمت کے سامنے ایک جہاں جھکا ہوا ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور مختلف مورخین نے آپ کی پیدائش ۹۰۸ اور ۹۲۵ھ بیان کی ہے۔ مولوی عبدالغفور جو پشت ہا پشت سے مسجد پیر بابا کے امام اور علاقہ سوات و بنیر کے قاضی ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۹۲۵ھ بیان کرتے ہیں۔

د پیر بابا صاحب پیدا کیدو تاریخ او د جوند ټول
عمر په صحیح تاریخ کښ نشته دے لیکن د دوی د
زمانے بادشاهانو سره چه د پیر بابا صاحب پلار
سید قنبر علی ملګرتیا ده د هغے زمانے بادشاهانو
د تاریخ نه د معلومیږی چه پیر بابا صاحب په نهه سوه
پنځویشت سنه هجری کښ پیدا شویے دے ځکه چه
بابر بادشاه په هندوستان حمله کوله نو د پیر بابا صاحب
پلار سید قنبر علی ورسره ملګرے وو۔(۱)

ترجمہ

(پیر بابا کی پیدائش اور عمر کا صحیح تعین تاریخ میں نہیں ہے۔
لیکن جس زمانہ کے بادشاہوں سے پیر بابا صاحب کے والد
سید قنبر علی کا دوستانہ تھا اس زمانے کے بادشاہوں کی تاریخ
سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر بابا صاحب نوسو پچیس ہجری میں پیدا
ہوئے۔ کیونکہ بابر بادشاہ نے جس وقت ہندوستان پر
حملہ کیا تو پیر بابا صاحب کے والد سید قنبر علی ان کے ساتھ تھے)

مولوی عبد الغفور صاحب نے بابر کے ہندوستان پر حملہ کے تعلق سے پیر بابا صاحب کی پیدائش کا قیاس کیا ہے اور آپ وہ واحد تذکرہ نگار ہیں جو ۹۲۵ھ بیان کرتے ہیں۔ باقی تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں نے پیر بابا صاحب کی پیدائش ۹۰۸ھ بیان کی ہے یا پھر خاموشی اختیار کی ہے۔ لیکن اگر تجزیہ کیا جائے اور آپ کی تعلیم و تربیت، ہندوستان کا سفر اور عہد ہمایونی، شیرشاہ اور اکبر کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو آپ کی تاریخ پیدائش ۹۰۸ ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ مثلاً

۱۔ حضرت پیر بابا صاحب بعمر ۳۴ سال ۹۴۲ھ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ہندوستان کو آئے۔ ۹۴۳ھ کو حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کے مزار پر حاضری دی۔ انہوں نے درباری زندگی کو بالکل خیرباد کہا۔ وہاں سے شہر بانک پور (پنجاب) کو آئے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ سیلونہ جو کہ بہت اونچے درجے کے عالم تھے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے ان کی صحبت میں تقریباً دو سال کا عرصہ گذارا۔ اور ان سے دینی علوم کا استفادہ کیا۔(۲)

2. In the time of Mirza Kamran and of Mirza Hakim after him there arose two religious leaders upon the frontier; The one strictly orthodox in the straight Hanfi Sunni way, and the other violently heretical. The first is Sayyid Ali Shah of Tirmez, still known to countless pilgrims as Pir Baba (3).

ترجمہ

(مرزا کامران اور اس کے بعد مرزا حکیم کے زمانے میں
صوبہ سرحد میں دو مذہبی پیشوا ابھرے جن میں سے ایک
تو کٹر سنی تھے اور دوسرے غیر مقلد۔ پہلے کا نام سید علی ترمذی
تھا جو اپنے بیشمار عقیدت مندوں میں پیر بابا کے نام
سے یاد کئے جاتے ہیں)

ولف کیرو نے مرزا کامران اور مرزا حکیم کے بعد کے زمانے یعنی ۹۶۲ھ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اکبر کی تخت نشینی ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو عمل میں آئی تھی اس وقت اکبر کا بھائی مرزا حکیم کابل کا حکمران تھا۔ اس کے بعد اکبر نے راجہ بکرماجیت کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا اور پھر قبائلی علاقہ کی طرف توجہ کی جہاں تحریک روشنائی کا زور تھا۔

۳۔ اس طرح عہد اکبری میں بایزید روشن جالندھری نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ہندی اور پشتو میں رسالے بھی لکھے اور اپنی کتاب علم البیان (خیر البیان) کو کلام الٰہی بتایا۔ علماء سے بڑے بڑے مناظرے بھی کئے لیکن علماء بازی نہ لے جا سکے اور ایک مستقل فرقہ روشنیہ کے نام سے قائم ہوگیا۔

* تذکرہ نگاروں نے بایزید کی مشہور کتاب خیر البیان کو علم البیان لکھا ہے حالانکہ کتاب کا نام خیر البیان ہے جو پانچ زبانوں میں ہے جسکا مکمل تعارف اس مقالہ کے باب ششم میں کیا گیا ہے۔

اس فرقہ کا اثر قبائلی علاقہ میں زیادہ پھیلا۔ بایزید کو کابل میں اکبر کے حاکم محسن خان نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ لیکن رہائی کے بعد بایزید روشن نے آفریدی قبیلہ میں اپنی سرگرمی اور تیز کر دی اور مغلوں کو افغانی حکومت کا غاصب بتا کر اکبر کے خلاف بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔ اکبر کو فرقہ روشنیہ کے خلاف خود فوج کشی بھی کرنی پڑی لیکن اس کی سرگرمیاں کم نہیں ہوئیں۔ اور بایزید کی وفات کے بعد ہی مغل حکومت اس فرقہ کو قابو میں لا سکی۔ (۳)

۴۔ حضرت سید علی ترمذی المعروف حضرت پیر بابا کو بلحاظ قدامت اور بزرگی خاص مرتبہ حاصل ہے۔ وہ سادات ترمذ میں سے تھے۔ جائے پیدائش قندس ہے ان کے دادا اہل باطن میں سے تھے لیکن والد نے ہمایوں کے لشکر میں منصب لے لیا تھا۔ وہ والد کے ساتھ ہندوستان آئے لیکن ان پر فقیری رنگ غالب رہا اور اس سلسلے میں انہوں نے پانی پت، اجمیر وغیرہ کا سفر کیا۔ خرقۂ خلافت انہیں طریقہ چشتیہ میں شیخ سالار سے ملا۔ (۵)

۵۔ سید علی ترمذی المعروف پیر بابا پیدائش ۹۰۸ھ، وفات ۹۹۱ھ (۶)

۶۔ عبدالحلیم اثر کے بیان کے مطابق آپ ۳۴ سال کی عمر میں ۹۴۲ھ کو ہندوستان تشریف لے گئے اور اولف کیرو کی تحقیق کے مطابق مرزا حکیم کے زمانے میں جن دو مذہبی شخصیتوں نے صوبہ سرحد میں اپنا اقتدار و اثر قائم کیا ان میں ایک سید علی ترمذی (پیر بابا) تھے۔ ان دونوں بیانات کی تائید خود پیر بابا کے خلیفۂ اعظم حضرت اخوند درویزہ نے بھی کی ہے۔ ہمایوں بادشاہ شیرشاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد جس وقت کابل کی طرف جا رہا تھا حضرت کی ملاقات اپنے والد سے ہوئی۔ انہوں نے نہایت افسوس سے کہا کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا اور تم نے آباؤ اجداد کا نام روشن کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ ہمایوں نے ۹۴۷ھ میں شیرشاہ کے

ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ہندوستان چھوڑا اس وقت پیر بابا گجرات کے علاقہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے بعد دوبارہ اجمیر اپنے مرشد کی خدمت میں جا رہے تھے۔" اس طرح اگر پیر بابا کی پیدائش ۹۰۸ تصور کی جائے تو اس وقت ان کی عمر ۳۹ برس بنتی ہے جبکہ ۳۴ سال کی عمر میں تو آپ ہندوستان آئے۔ شیخ سلیونہ سے علم ظاہری حاصل کیا پھر اجمیر جا کر اپنے مرشد حضرت سالار رومی کی خدمت میں ایک زمانہ گذارا اس کے بعد تبلیغ کی غرض سے کشمیر روانہ ہوئے۔ راستہ میں گجرات کے ایک گاؤں میں لوگوں کے اصرار پر ان کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ اس زمانے میں جبکہ ذرائع آمدورفت محدود تھے۔ پانچ سال کی قلیل مدت میں اتنے کام سرانجام دینا ممکن نظر نہیں آتا۔ نیز صرف مولوی عبدالغفور کی رائے کو اور وہ بھی قیاس پر مبنی، ہم دوسرے کئی تذکرہ نگاروں پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ لہٰذا پیر بابا کی ولادت ۹۰۸ھ ہی صحیح ہے۔

پیر بابا اور سلسلۂ چشتیہ

سید علی ترمذی المعروف پیر بابا کا تعلق چونکہ سلسلۂ چشتیہ سے بالخصوص ہے اس لئے آپ کے حالات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کا مختصر پس منظر پیش کیا جائے۔ افغانستان میں چشت نامی ایک قصبہ ہے جو آجکل ضلع جلال آباد میں شامل ہے۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل یہاں بندگان خدا نے تزکیۂ نفس اور تربیت باطن کا ایک مرکز بنایا اور یہاں سے جو حضرات دوسری جگہوں میں پہنچے اور اصلاح باطن کی ترویج کی اس نام کی مناسبت سے یہ نظام سلسلۂ چشتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

وآں دو مقام اند یکے شہر چشت درمیان ولایت خراسان قریب

هرات وچشت دو دیہ است در ولایت هندوستان

درمیان اوچ وملتان وخواجگانِ چشت از چشت خراسان

بوده اند ۔“ (۸)

ترجمہ :۔

اور چشت دو مقام ہیں جن میں سے ایک خراسان شہر میں

ہرات کے قریب واقع ہے اور دوسرا چشت اوچ اور ملتان

کے درمیان ایک قصبہ ہے جو ہندوستان (پاکستان) میں واقع

ہے ۔ اور خواجگانِ چشت کا تعلق خراسان والے چشت سے ہے۔

”گر بہ ہندوستان شنز بیم چہ باک ...... سبزہ گلشن خراسانیم (۹)

خواجہ ابو اسحاق شامی★“ (م ۳۲۹ھ) وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ چشتی کا لفظ ملتا ہے ۔

”از امروز ترا ابو اسحاق چشتی خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں

از تو ہدایت یابند و ہر کہ سلسلۂ ارادت تو درآید آنہا را نیز چشتی

خوانند (۱۰)

ترجمہ :۔

آج سے تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکارا جائیگا ۔ کیونکہ چشت اور

اس کے گرد و نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت حاصل کریں گے ۔ اور

جو شخص تیرے سلسلہ میں داخل ہوگا اسے تا قیامت چشتی پکارا

جائے گا ۔

★ شیخ ابو اسحاق شام کے رہنے والے تھے ۔ آپ شام سے بغداد آئے ۔ اور حضرت خواجہ مشاد علو دینوری (م ۲۹۸ھ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۔ خواجہ صاحب اپنے زمانے کے بلند پایہ بزرگ تھے ، اور دور دراز سے عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔ آپ ہی نے ابو اسحاق شامی کو سب سے پہلے چشتی کا لقب دیا اور پھر انکو تزکیہ و ارشاد حق کے لیے چشت روانہ کردیا ۔ جہاں آپ کی پرخلوص کوشش سے ایک عظیم الشان سلسلہ کی داغ بیل پڑی جس نے مسلمانوں کے لیے ایک روحانی مرکز قائم کردیا ۔

خواجہ ابو اسحاق فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ اور اس پر آپ کو فخر تھا

آپ نے ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی سے فرمایا ۔

”اے ابو احمد درویشی بالا تر از بادشاہی عرب و عجم ۔ واللہ

اگر ابو اسحاق را ملک سلیمان دہند ہم قبول نکند (۱۱)

ترجمہ :۔

اے ابو احمد عرب و عجم کی بادشاہی سے درویشی بہتر ہے ۔ اگر

ابو اسحاق کو سلیمان کی بادشاہی بھی ملے تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں

کریں گے ۔

شجرۂ طریقتِ چشتیہ

سلسلہ چشتیہ بھی دوسرے متعدد صوفیانہ خانوادوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوتا ہے ۔

حضرت پیر بابا کے شجرۂ طریقت چشتیہ اس طرح سے ہے ۔

۱۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ

۲۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ

۳۔ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن زیدؒ

۴۔ حضرت خواجہ ابی الفیض ابن عیاضؒ

۵۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم البلخیؒ

۶۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشیؒ

۷۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصریؒ

۸۔ حضرت خواجہ مشاد علو دینوریؒ

۹۔ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتیؒ

۱۰۔ حضرت خواجہ ابی احمد بن فرسنافہ چشتیؒ

۱۱۔ حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی رح

۱۲۔ حضرت خواجہ ابی یوسف چشتی رح

۱۳۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رح

۱۴۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی رح

۱۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح

۱۶۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رح

۱۷۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح

۱۸۔ حضرت شیخ فرید گنج شکر رح

۱۹۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رح

۲۰۔ حضرت شیخ سراج الدین رح

۲۱۔ حضرت شیخ اسعد اللہ نوری رح

۲۲۔ حضرت شیخ علاؤ الدین رح

۲۳۔ حضرت شیخ نور قطب عالم رح

۲۴۔ حضرت شیخ حسام الدین رح

۲۵۔ حضرت شیخ حامد الدین رح

۲۶۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین صامت رح

۲۷۔ حضرت شیخ سالار رومی رح

۲۸۔ حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رح (۱۱)

سلسلہ چشتیہ کی ہندوستان میں آمد

اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی سے پہلے اس سلسلے کے بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے۔ خواجہ ابو محمد ابن احمد چشتی سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے جس سے یہ پتہ چلتا

ہے کہ اس سلسلے کے یہ بزرگ ہندوستان تشریف لا چکے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت اور اس کا فروغ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی کی بدولت ہوا۔ (۱۲) اور اس طرح پہلی صدی ہجری میں اسلامی مجاہدین نے جس تحریک کا آغاز ہندوستان میں شروع کیا تھا اس کی تسخیر ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ میں پیر بابا نے فرمائی (۱۳)۔ اگرچہ پہلی صدی ہجری میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہوگئے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے سندھ سے ملتان تک کے علاقے کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا اور اس برصغیر میں جا بجا داعیان اسلام کے مرکز وخانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہوچکی تھیں۔ لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی ۴۱۲ھ کے سر ہے اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری ۶۰۲ھ کے حصے میں آئی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی اور ایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی ۶۲۷ھ کے مقدر ہو چکی تھی۔ (۱۴)

غرض خواجہ معین الدین چشتی کے ہندوستان تشریف لانے سے ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب رونما ہوا۔ آپ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔ اجمیر اس وقت چوہان خاندان کے مشہور راجپوت راجہ پتھورا کا دارالخلافہ تھا اور اس کی اہمیت دہلی سے بھی زیادہ تھی۔ راجہ نے آپ کے قیام میں مشکلات پیدا کیں۔ لیکن آپ تو ہندوستان کی قسمت چمکانے آئے تھے۔ لہٰذا آپ نے کسی طرح کی کوئی پرواہ نہ کی اور انا ساگر تالاب کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ یہی جگہ آج کل غریب نواز کے چلے کے نام سے مشہور ہے۔

راجہ پتھورا کے حکام نے آپ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی۔ وہ جب وہ خود ان کے مقابلہ میں بے بس اور لاچار ہوئے تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کیلئے مامور کیا۔ ایک مشہور ہندو جوگی جے پال سے حضرت خواجہ کے بڑے معرکے ہوئے۔ لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامات سے اس پر غالب رہے۔ جوگی نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت خواجہ نے جے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔(۱۵)

حضرت خواجہ صاحب نے تبلیغ دین کا کام جاری رکھا ان کی تعلیم کے اثر سے خود راجہ کے ملازمین متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ راجہ نے آپ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ جس پر آپ نے فرمایا۔

"پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم"(۱۶)

اور ایسا ہی ہوا کہ شہاب الدین غوری نے ۵۸۸ھ میں حملہ کر کے پتھورا کو گرفتار کیا اور جہنم واصل کر دیا جیسا کہ تاریخی حقائق اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ چھٹی صدی ہجری میں حضرت معین الدین چشتی اجمیر تشریف لائے تھے۔

اس وقت ہندوستان کی حالت نہایت ابتر تھی۔ پورا ہندوستان بت پرستی کا شکار تھا۔ اخلاقی قدریں تباہ ہو چکی تھیں۔ انسانیت ذات پات میں بٹی ہوئی تھی اور اللہ کے عام بندوں کے لئے زندگی ایک عذاب تھی۔ آپ نے ایسے تاریک زمانے میں نظریہ توحید پیش کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ذات پات کی تفریق کو ختم کر کے انسانیت کو مساوات اور بھائی چارے کا سبق سکھاتا ہے اور اس کے نزدیک شرافت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ آپ کی رشد و ہدایت سے لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ جس سے انہوں نے اپنی افسردہ اور مضمحل زندگی میں ایک نیا کیف و سرور محسوس کیا۔

بالکل اسی طرح حضرت پیر بابا نے صوبہ سرحد میں اسلام کی روشنی سے لوگوں کو اس وقت منور کیا جس وقت وہ غیر اخلاقی رسم و رواج اور مخالف شریعت کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ آپ ہی کی رشد و ہدایت کی بدولت بدعت سے مجتنب ہو کر صحیح اسلامی اقدار پر کاربند ہوئے۔

پیر بابا کا نسبی سلسلہ

حضرت پیر بابا حسینی سادات ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب اکتیسویں(۱۷) واسطہ سے حضرت امام حسین تک پہنچتا ہے: سید علی ابن سید قنبر علی ابن سید احمد نور بخش ابن سید یوسف نور ابن سید محمد نور ابن شیخ خواجہ احمد ابن شیخ براق ابن سید احمد شاہ ابن سید بہشت تراب ابن سید حمید الدین ابن سید محمود ابن سید اسحاق ابن سید عثمان ابن سید جعفر ابن سید شمس ابن سید محمود ابن سید حسام ابن سید ناصر ابن سید جلال ابن سید امیر علی ابن سید عبدالرحیم ابن سید محمود مکی ابن سید محمد مہدی ابن سید شیخ عسکری ابن سید علی نقی ابن سید محمد تقی ابن سید موسیٰ رضا ابن سید موسیٰ کاظم ابن سید جعفر صادق ابن سید محمد باقر ابن سید زین العابدین ابن سید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔(۱۸)

تعلیم و تربیت

پیر بابا کی ابتدائی تعلیم و تربیت حسب قاعدہ ان کے گھر پر ہوئی اور اس میں آپ کے دادا سید احمد نور صاحب نے خصوصی دلچسپی لی اور آپ کی تعلیم و تربیت اور اس کے بعد اسی سلسلہ میں ہندوستان کا سفر، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اور اصلاحی و علمی تحریکات کا ذکر آپ کے خلیفہ اخوند درویزہ نے اپنے تذکرے "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں تفصیل سے کیا ہے۔(۱۹) اور آپ کے حالات و افکار کے متعلق بھی صحیح اور حقیقت پر مبنی یہی تذکرہ ہے۔ کیونکہ حضرت اخوند درویزہ نے تمام عمر آپ کی خدمت میں بسر کی، اور ہر موقع پر آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔

حضرت پیر بابا کی تعلیم و تربیت کا بیڑا آپ کے دادا نے اٹھایا کیونکہ آپ کے والد سلاطین عہد سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا زیادہ تر وقت درباری مصروفیات میں گذرتا تھا۔" میرے والد قنبر علی کا تعلق سلاطین زمانہ سے تھا اور انہوں نے منصب حاصل کیا ہوا تھا جبکہ میں درویشانہ زندگی بسر کرنے کا قائل تھا اور میرے دادا جان اپنے ملک کے مانے ہوئے بزرگ تھے جو سلسلہ کبرویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے میری تربیت کی طرف توجہ فرمائی[۱۹]۔" حضرت پیر بابا کی سادگی اور سوز و گداز کی بنا پر سب گھر والے ان کو دیوانہ کہتے تھے لیکن ان کے دادا جان کو اپنے پوتے کی یہی ادا پسند تھی اور وہ فرمایا کرتے تھے "

"این دیوانہ را اختیار کردم" (یہی دیوانہ تو مجھے پسند ہے) نیز پیر بابا نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق اپنے خلیفہ حضرت اخوند درویزہ سے یوں اظہار فرمایا۔

فقیر را بخدمت حضور مشرف ساختہ بودند و بہ تحصیل علم تربیت من کردند تا آنکہ تحصیل شرح ملا در ایام طفولیت از خدمت ایشاں در یافتم و طریقہ زہد و ریاضت در دل من استحکام یافت تا آنکہ پیک اجل در رسید و گرفت و چوں حکم جبار جلیل آوردہ بود دست در گریبان عمرش زد تا بدامن در رسیدن گرفت و چوں چوزۂ روحش کہ راحت پرورد آشیانہ قالب بود بلا توقف پریدن گرفت مرا فرمود کہ اے فرزند ہیچ از قرآن یاد داری بخواں سورہ تبارک الذی را خواندم فرمود بازش بخواں بازش خواندم فرمود بازش بخواں بازش خواندم فرمود اے فرزند ہر برکتے و نعمتے کہ مرا بود بعضے آں را از آبا و اجداد نسباً یافتہ بودم بعضے آں را از سلسلۂ شریفہ کبرویہ اذناً ہمہ را بتو بخشیدم[۲۰]

ترجمہ:۔ فقیر کو دادا جان نے اپنے حضور مشرف فرما کر علم ظاہری سے

آراستہ کیا اور میں نے ایام طفولیت ہی میں شرح ملا جامی تک کتابیں پڑھیں اور ساتھ ہی ساتھ زہد و ریاضت اور اذکار طریقت میں بھی کوشاں رہا یہاں تک کہ دادا جان کا وقت وصال قریب آ گیا تو انہوں نے بلا کر فرمایا کہ قرآن سے کچھ یاد ہے تو پڑھو۔ میں نے سورہ الملک کی تلاوت کی حضرت نے تین مرتبہ تلاوت کروائی اور پھر فرمایا کہ بیٹے مجھے جو نعمت و برکت اپنے آباء و اجداد یا سلسلہ کبرویہ میں بطور اجازت حاصل تھی وہ تمام میں نے تم کو بخش دی۔

گویا اس طرح سلسلہ شریفہ کبرویہ میں دادا کی طرف سے آپکو اجازت حاصل ہوئی اور اس سلسلے میں آپ کا تعلق یوں ہوا۔ جسے اخوند درویزہ نے بیان کیا ہے۔

چنانکہ حضرت ایشاں از جد خود حضرت سید احمد نور وایشاں از والد مشفق و شیخ محقق خود سید یوسف نور وایشاں از پدر مشفق و شیخ محقق محمد نور بخش وایشاں از شیخ حقانی برگزیدہ حضرت صمدانی شیخ ابو اسحاق ختلانی و وایشاں از شیخ علاق الدولہ وایشاں از سید علی ہمدانی وایشاں از سید محمود وایشاں از شیخ بہاؤ الدین سمنانی وایشاں از شیخ علی لالہ وایشاں از شیخ نور عبدالرحمن وایشاں از شیخ نجم الدین کبری وایشاں از شیخ عمار بن یاسر و ایشاں از شیخ سہروردی وایشاں از شیخ احمد غزالی وایشاں از شیخ ابابکر نساج وایشاں از شیخ ابوالقاسم جرجانی وایشاں از شیخ ابوعثمان مغربی وایشاں از شیخ ابو علی کاتب وایشاں از شیخ علی رودباری وایشاں از شیخ جنید بغدادی وایشاں از شیخ سری سقطی وایشاں از شیخ معروف کرخی وایشاں از امام علی رضا وایشاں از امام موسی کاظم وایشاں از امام جعفر صادق وایشاں از امام محمد باقر وایشاں از امام زین العابدین وایشاں از امام حسین شہید وایشاں از امیر المومنین علی مرتضی وایشاں از امیر المومنین عثمان ذی النورین وایشاں از امیر المومنین عمر الفاروق وایشاں از امیر المومنین ابوبکر صدیق رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین وایشاں از سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم[۲۱]

سلاطینِ مغلیہ سے تعلق

ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا بانی بابر ان تمام حکمرانوں میں جنہوں نے ہندوستان کے تخت کو زینت بخشی، قابلِ قدر شخصیت تھی اور اسکی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں ایک جگہ جمع ہوگئیں جن کی موجودگی ایک اچھے حکمران اور بلند ترین انسان میں ضروری ہوتی ہیں۔ وہ بہادر اور حوصلہ مند انسان تھا ابھی وہ بالغ بھی نہیں ہوا تھا کہ فرغانہ کے تخت پر بیٹھا جس کے گرد اس کی ہی نسل کے شہزادوں کی حکومت تھی، بیرونی حملوں نے بابر سمیت سب کو ہلا کر رکھ دیا لیکن بابر اپنی ذاتی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر اس پُر آشوب وقت سے بھی گذر گیا۔ بابر کی پوری زندگی میدانِ جنگ میں گذری اور اسے فرصت کے جو لمحات بھی ملے اس میں اس نے رعایا کی آرام و آسائش کے لئے عملی اقدامات کئے۔ قدرتی طور پر بابر بڑا ذہین تھا اس لئے اسے ہر قسم کے فنونِ لطیفہ سے گہری دلچسپی تھی خصوصًا اسے نئی عمارتوں کی تعمیر اور باغ لگوانے کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مملکت میں جگہ جگہ مسجدیں اور محل تعمیر کروائے اور باغات لگوائے۔ بابر کو علم سے بھی شوق تھا جس کا ثبوت بابر کی خود نوشت سوانح عمری "تُزکِ بابری" ہے جو اپنی سلاست، روانی اور سیدھے سادھے اندازِ بیان کی وجہ سے ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں بابر نے اپنے خیالات و جذبات کو بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ بابر نے اپنی کمزوریاں بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ بابر کسی بھی خطہ کے لوگوں سے تعلقات استوار کرنے میں تامل نہ کرتا تھا۔ بابر کی اس غریب پروری کی بنا پر ہمیں مولوی عبدالغفور پیش امام مسجد پیر بابا کا یہ بیان قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا کہ بابر نے اپنی لڑکی کی شادی پیر بابا کے والد قنبر علی سے کردی تھی جو بابر کی فوج میں کماندار تھا۔ "بابر بادشاہ نے

جب ہندوستان پر حملہ کیا تو پیر بابا کے والد سید قنبر علی ان کے ساتھ تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بابر بادشاہ نے اپنی لڑکی قنبر علی صاحب کو دی تھی کیونکہ یہ بات بہت ہی مشہور ہے کہ پیر بابا ہمایوں کا بھانجا تھا اور بابر بادشاہ جب وفات پاگیا تو ہمایوں بادشاہ کی فوج میں پیر بابا صاحب کے والد سید قنبر علی صاحب کمان آفیسر تھے"(۲۲)

کیا بابر نے اپنی بیٹی پیر بابا کے والد کو دی تھی؟ اگرچہ اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا البتہ یہ بات صحیح ہے کہ پیر بابا کے خاندان کی سلاطینِ مغلیہ سے رشتہ داری ضرور رہی ہے جیسا کہ گلبدن بیگم کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

"بابر بادشاہ کی دو پھوپھیاں تھیں فخرِ جہاں اور خدیجہ بیگم وہ نومبر ۱۵۲۸ء میں ہندوستان پہنچیں تھیں وہ کس کے ساتھ ہندوستان آئیں یہ معلوم نہیں ہو سکا البتہ یہ معلوم ہے کہ پہلی خاتون ایک ترمذی سید سے بیاہی تھیں یہ ترمذی سید ایک بڑے مذہبی گھرانے سے متعلق تھے اور اس خاندان کے تعلقات شاہی گھرانے سے بھی قائم تھے اور اس کے بہت سے آدمی فوج میں شامل تھے"(۲۳)

نصیر الدین ہمایوں اپنے والد بابر کی وفات کے بعد ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں بمقام آگرہ تخت نشین ہوا۔ اگرچہ ہمایوں نے والد کی وصیت کے مطابق سلطنت اپنے تمام بھائیوں میں تقسیم کردی تھی لیکن اس کے باوجود آپ کے بھائی اطمینان سے نہ رہ سکے اور آپ کو برابر پریشان کرتے رہے اور بھائیوں ہی کے عدمِ تعاون کی بنا پر دس سالہ عہدِ حکمرانی کے بعد شیر شاہ کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑی جس کے بعد اسے سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ہمایوں جائے پناہ کے لئے صحرا نوردی کرتا رہا یہاں تک کہ ۹۵۱ھ میں ایران پہنچا اور شاہِ ایران کی مدد سے ۹۵۲ھ کو قندھار فتح کرلیا اور پھر کابل سے بھی

کامران مرزا کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی پر بھی قبضہ کر کے مغلوں کو دوبارہ ہندوستان کی عنانِ حکومت دلا دی۔ ہمایوں احکامِ شرعی اور اوامر و نواہی کا بڑا پابند تھا۔ یہاں تک کہ بے وضو اللہ کا نام بھی نہ لیتا تھا۔ صوم و صلوٰۃ اور کلام پاک کا اہتمام پابندی سے کرتا تھا اس کے ساتھ ساتھ ہمایوں ایک علم دوست بادشاہ بھی تھا اور اس کے دربار میں صوفیاء، علماء اور شعراء کی بڑی قدر دانی کی جاتی تھی۔ ہمایوں کا یہی جذبہ اسلامی تھا کہ جب وہ کابل گیا تو پیر بابا کے والد کو بطور تبرک ساتھ لے گیا اور پیر بابا کے والد قنبر علی (جو کہ ہمایوں کے سالاروں میں سے ایک تھے) اکثر پیر بابا کو جب ہمایوں کے دربار میں لے جاتے تو وہ پیر بابا کو خلعتِ شاہی سے نوازتے

"ہمایوں جب ۹۴۲ھ میں واپس کابل آیا تو جناب پیر بابا کے والد صاحب کو بطور تبرک ساتھ لے گیا۔"(۱۴)

فیضِ باطنی اور شیوخ

حضرت پیر بابا دادا کی وفات کے بعد بے یار و مددگار رہ گئے اور ان کے لئے حصولِ علم ایک مسئلہ بن گیا لہٰذا دادا جان کی وفات کے بعد اپنے علمِ ظاہری و باطنی کی پیاس بجھانے اس زمانے کے رواج کے مطابق ہندوستان کے سفر پہ روانہ ہو گئے اور اس طرح طلبِ دین کی خاطر آپ نے صحابہ کرام اور جملہ اکابرین سلف کے شعار کو اپنایا۔

هو کله چه رب الجلیل حاپا باب دا مقرر کړیوه چه د دنیا
او اهل د نیا نه ګناره او ساتی په دهغه وجه د درباری
کارد بادسره تعلق لرل را ته ګران شول چنانچه په داسے حالو
تو کیني چه ته دخت دا قافله منزل په منزل پانی پت مقام
ته او رسیده نو پیر بابا صاحب روان شو او د حضرت

شیخ شرف الدین پانی پتی مزار مبارک ته لاړ۔ (۱۵)

ترجمہ:۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری مقدر میں یہ لکھ دیا تھا کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے مجھے الگ رکھے اسی وجہ درباری زندگی سے تعلق میرے لئے مشکل تھا ان حالات میں جب یہ قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا پانی پت پہنچ گیا تو پیر بابا حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کے مزار پر حاضری دینے پہنچے۔

باطنی شغل تو ورثہ میں ملا ہی تھا شیخ کے مزار پہ پہنچتے ہی حالت غیر ہو گئی۔ یہیں سے آپ اپنے خاندان والوں سے الگ ہو گئے اور مانک پور تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ سیلونہ جیسے عالم اور صاحبِ طریقت کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے۔(۱۶)

شیخ سیلونہ سے آپ نے بہت کم عرصہ میں علمِ فقہ اور دیگر کتب سے فراغت پائی حضرت شیخ سیلونہ کو ان طلباء کے ساتھ انتہائی محبت تھی جو حصولِ علم کیلئے آتے۔ آپ نے جب سید علی ترمذی (پیر بابا) کو علمِ ظاہری حاصل کرنے کا آرزو مند دیکھا تو

* شیخ شرف الدین پانی پتی کا اسم گرامی شرف الدین اور بو علی قلندر لقب تھا آپ کے والد سنہ ... میں عراق سے ہندوستان تشریف لائے۔ حضرت شرف الدین کی ولادت پانی پت میں ہوئی آپ کم عمری میں علومِ ظاہری سے فراغت پا کر بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کی بنا پر شاہانِ وقت آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔

"اس دور کے عوام و خواص کی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ شاہانِ وقت حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی عقیدت و محبت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ چنانچہ سلطان جلال الدین خلجی آپ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔" (۱۷)

بخوشی اپنی درسگاہ میں داخل کیا اور انتہائی لطف وعنایت سے ان پر نگاہ فرمائی اور پیر بابا نے بہت کم عرصہ میں علم فقہ کی کتابوں سے فراغت پائی (۲۸)

اس طرح حضرت پیر بابا نے علم ظاہری کی تکمیل میں اپنے دادا سید نور احمد اور حضرت شیخ سیلو نہ سے فیض حاصل کیا اور پھر پوری توجہ علم باطنی کی طرف مبذول کی اور حضرت شیخ سیلو نہ سے درخواست کی کہ شریعت کے بعد اب طریقت کی راہ پر بھی میری راہنمائی فرمائیں جس پر حضرت شیخ سیلو نہ نے فرمایا کہ میں خود ماذون نہیں ہوں لہٰذا آپ کو بیعت کرنے سے معذور ہوں اگر آپ کو تناہی شوق ہے تو میرے شیخ حضرت شیخ سالار رومی کے پاس چلے جائیں وہ آپ پر توجہ فرمائیں گے۔

"حضرت پیر بابا کی درخواست پر شیخ سیلو نہ نے حضرت سالار رومی کے نام ایک خط دیکر ان کو اجمیر روانہ کیا" (۲۹)

جب حضرت پیر بابا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کا حسب ونسب دریافت کرنے کے بعد فرمایا۔

اے سید باید دانست کہ سادات حسنی وحسینی مخدومی

حضرت شیخ سیلو نہ اپنے وقت کے جلیل القدر علما اور اولیا میں سے تھے وہ دنیا سے منہ موڑ کر بالکلیہ ظاہری وباطنی طور پر حق کی طرف متوجہ تھے۔ سوائے درس کے ان کا تمام وقت عبادت الٰہی میں گذرتا تھا۔ یہاں تک کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں سونے کی حالت میں بھی ہمیشہ تسبیح کیلئے حرکت میں رہتیں اور شغل باطنی کی وجہ سے ان پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی۔

شیخ سیلو نہ کامل عارف، عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متوکل علی اللہ تھے۔ دنیا سے تعلق واقفیت نہ رکھتے تھے۔ جب درس طلبہ سے فارغ ہو جاتے تو شغل باطنی میں مشغول ہو جاتے در محبت ہی میں ایسے مستغرق رہتے کہ ایک دن بام پر ذکر جلی میں مشغول تھے کہ غلبۂ شوق وذوق ذکر

شاید نہ خادمی را اما طریق ایں کار وصنبل بزرگوار دمی است نہ مخدومی وحصول طریقہ وصول بے کیف جز بطول صحبت مرشد کامل متشرع بحصول نہ پیوندد (۱)

ترجمہ:۔ اے سید اگرچہ اہل بیعت خدمت کرنے کے لئے نہیں ہوتے لیکن سلسلۂ بیعت کا اصول خدمت پر جاری ہے۔ نیز بیعت کے اثر و فوائد بغیر باطنی صفائی اور کامل مرشد کی صحبت کے حاصل نہیں ہو سکتے۔)

سلسلۂ طریقت میں آپ کو کبرویہ کی اجازت تو اپنے دادا جان کی طرف سے حاصل ہو چکی تھی اب اس کی مزید تقویت کے لئے آپ نے شیخ سالار رومی کی خدمت میں رہ کر کوشش شروع کی اور علم تصوف کی باقاعدہ تعلیم لی آپ شیخ سے ایک سبق لیتے اور پھر کئی ہفتے خلوت میں اس پر غور و فکر فرمانے کے بعد اپنی حالت سے شیخ کو آگاہ کرتے۔ اس طرح ایک عرصہ آپ نے شیخ کی خدمت میں گذارا۔ جس کے بعد آپ کو سلسلۂ چشتیہ میں خصوصاً اور باقی تین سلسلوں سہروردیہ، شطاریہ اور ناجیہ جلاجیہ میں اجازت مرحمت فرمائی۔ ان سلسلوں میں بیعت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے خلیفہ حضرت اخوند درویزہ

پالی سے بیخود ہو کر بام سے نیچے گر پڑے لیکن ذکر میں اسوقت بھی مشغول تھے ایک ساعت بعد ہوش میں ہو کر معلوم ہوا کہ بام سے زمین پر گر پڑا ہوں مگر کچھ تکلیف بدنی و درد وغیرہ نہیں ہوا (۳۰)

آج سلون قصبہ کی آبادی ۱۰ ہزار افراد سے زائد ہے دہلی سے رائے بریلی ہوائی سفر ہے جبکہ بذریعہ ٹرین دہلی سے رائے بریلی ۱۲ گھنٹہ کا سفر ہے وہاں سے سلون ۳۸ کلومیٹر ہے جو تحصیل ہے ۲۰ کلومیٹر بذریعہ بس سفر کیا جاتا ہے یہ قصبہ راجہ مانو جی سے منسوب ہے جبکہ سلون سے سیالکوٹ تک حکومت تھی یہ غزنوی دور سے متعلق تھا۔ فروری ۱۹۸۵ء میں جب میں جنوبی ایشائی ملاقاتی کانفرنس برائے تصوف میں شرکت کرنے علی گڑھ اور دہلی گیا تو دوران کانفرنس آج کل سلون کے سجادہ نشین شاہ رحمت خان صاحب سے ملاقات ہوئی اب یہ خانقاہ کریمیہ کے نام سے مشہور ہے اور بڑی بھی ہے جس میں نادر مخطوطات اور کتب ہیں جس سے یہاں کے علمی ذوق کی تصدیق ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں

"مدتِ مدید عہدِ بعید در خدمتِ حضرتِ ایشاں بودم و روزگارِ طویل عمرِ جلیل را در تحتِ اقدام او بسر کردم و چوں حضرتِ ایشاں ماذون و مجاز بودند از جانبِ شیوخ متقدمین خود با ذن پنج خوانوادہ و چہار از جانب شیخ سالار رومی علیہ الرحمۃ والغفران و یکے از جدِّ خود قدس اللہ سرہ العزیز"(۳۲)

ترجمہ: ۔ میں ایک طویل مدت تک آپ کی خدمت میں رہا اور میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ کے قدموں میں بسر کیا۔ حضرت متقدمین مشائخ کی طرف سے پانچ خانوادوں میں مجاز تھے۔ ان میں سے ایک میں آپ کو اپنے دادا کی طرف سے اجازت تھی اور چار میں شیخ سالار رومی کی طرف سے"

ان سلسلوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(الف) سلسلہ کبرویہ

سیّد علی غواص ترمذی ۔ سیّد احمد نور ۔ سیّد یوسف نور ۔ محمد نوربخش شیخ اسحاق ختلانی ۔ شیخ علاؤالدولہ ۔ سید علی ہمدانی ۔ سید محمود مزدقانی شیخ بہاؤالدین سمنانی ۔ شیخ علی لالہ ۔ شیخ نور عبدالرحمن ۔ شیخ نجم الدین کبری شیخ عمار بن یاسر ۔ شیخ نجیب الدین سہروردی ۔ شیخ احمد غزالی ۔ شیخ ابا بکر نساج ۔ شیخ ابوالقاسم جرجانی ۔ شیخ ابو عثمان مغربی ۔ شیخ ابو علی کاتب ۔ شیخ علی رود باری ۔ شیخ جنید بغدادی ۔ شیخ سری سقطی ۔ شیخ معروف کرخی ۔ شیخ امام علی رضا ۔ امام موسیٰ کاظم ۔ امام محمد باقر ۔ امام زین العابدین ۔ امام حسین شہید کربلا ۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ ۔ امیر المومنین عثمان ذی النورین امیر المومنین ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم(۲۱)

یہ وہ سلسلہ تھا جس کی اجازت سید علی کو اپنے دادا سید احمد نور نے بوقتِ مرگ عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ جن میں شیخ سالار رومی نے حضرت کو اجازت مرحمت فرمائی حسبِ ذیل ہے۔

(ب) سلسلہ چشتیہ عزیزیہ

سید علی ترمذی، شیخ سالار رومی، شیخ بہاؤالدین صامت، شیخ حامدالدین، شیخ حسام الدین، شیخ نور قطب عالم، شیخ علاؤالدین، عمر اسداللہ نوری، شیخ سراج الدین، شیخ نظام الدین دہلوی، شیخ فرید گنج شکر قطب الدین بختیار کاکی، شیخ معین الدین چشتی، شیخ عثمان ہارونی، شیخ حاجی شریف زندانی، شیخ خواجہ قطب الدین مودود چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ احمد چشتی، خواجہ ابواسحاق شامی چشتی، خواجہ ممشاد علو دینوری خواجہ ہبیرہ بصری، خواجہ ابو حذیفہ مرعشی، خواجہ سلطان ابراھیم ادھم

خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ امام حسن بصری، حضرت علی
مرتضیٰ، سرورِ کائنات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۳۴)

(ج) سلسلہ سہروردیہ

سید علی غواص ترمذی، سالار رومی، شیخ نظام الدین مہاجری، شیخ
قطب الدین مہاجری، شیخ فخر الدین محبوبی، سید جلال جہانیاں، شیخ رکن الدین
شیخ صدر الدین عارف، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین
سہروردی، شیخ وجیہہ الدین محمد سہروردی، شیخ محمد بن عبداللہ معروف
عمویہ سہروردی، شیخ احمد اسود دینوری، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی
شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، شیخ امام حسن بصری
امیر المومنین علی مرتضیٰ، رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۳۵)

اس کے علاوہ دو سلسلوں، سلسلہ شطاریہ اور ناجیہ علاجیہ کا ذکر تو
اخوند درویزہ نے بھی کیا ہے لیکن ان کی تفصیل نہیں دی بلکہ لکھا ہے کہ

"چہارم اذن سلسلہ مفاخرہ شطاریہ ایشاں از ہم از جانب شیخ
سالار رومی بودہ کہ اوراد و اذکار برائے این فقیر ارزانی داشتہ عنایت بود از این
سلسلہ تبرک بودہ اما اسامی مشائخ را نفر مودہ و فقیر از ادب نہ پرسیدہ" (۳۶)

ترجمہ :- چوتھا سلسلہ شطاریہ میں میرے پیر کو حضرت سالار رومی کی طرف
سے اجازت حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے اس کے اذکار مجھے تلقین فرمائے لیکن اپنے
شیوخ کا تذکرہ کبھی نہیں کیا اور میں نے ادب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس
سلسلے میں کبھی سوال کیا۔"

پانچویں سلسلے ناجیہ علاجیہ کا ذکر کرتے ہوئے اخوند درویزہ جناب فرماتے
ہیں کہ

"پنجم اذن سلسلہ ناجیہ علاجیہ حضرت ایشاں از جانب شیخ خود شیخ

سالار رومی بودہ اما این فقیر را بشرف این اذن مشرف نہ شدہ" (۳۷)

ترجمہ :- سلسلہ ناجیہ علاجیہ کی اجازت بھی حضرت کو سالار رومی کی طرف
سے حاصل تھی لیکن مجھے شیخ نے اس کی اجازت نہیں عطا فرمائی۔

خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد حضرت سالار رومی نے پیر بابا کو حکم دیا
کہ وہ کوہستانی علاقہ کو مرکز بنا کر لوگوں کی اصلاح کریں۔ پیر بابا مرشد کے حکم
کی تعمیل میں کشمیر جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے

پیر بابا د مرشد حکم مطابق کشمیر تہ د تلو پہ نیت روان شو۔
د جہلم د دریاب نہ مغرب طرف تہ د څلور میلہ پہ فاصلہ پنڈ داود
المعروف پنڈ دادن خان نومے کلی تہ چہ اورسید نو یو سړے
پہ مخہ ورغے کیلاش نوم وو دغہ چہ پہ پیر بابا نظر پریوتو نو
کلی تہ خبر کړو چہ نفہ نیک ولی د خدائے دا دے (۳۸)

ترجمہ :- پیر بابا اپنے مرشد کے حکم کے مطابق کشمیر کے سفر پر روانہ ہوگئے
کیونکہ وہ کوہستانی علاقہ تھا۔ دریائے جہلم سے مغرب کی طرف
چار میل کے فاصلے پر پنڈ دادن نامی گاؤں جب پہنچے تو کیلاش *
نامی شخص نے آپ کو دیکھتے ہی پورے گاؤں کو یہ خبر پہنچادی
کہ جس ہستی کو میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ ہمارے گاؤں میں

* اسی کیلاش نے چند روز قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ ہستی پنڈ دادن
خان کی طرف آرہی ہے جس کی وجہ سے پورا گاؤں روشن ہوگیا۔ صبح ہوتے ہی کیلاش
نے اپنا خواب پورے گاؤں والوں سے بیان کیا اور اس بزرگ کا جو حلیہ بتایا وہ پیر بابا
کی طرح تھا یہاں تک کہ پیشانی پر تل کا نشان تک بتا دیا جو کہ پیر بابا کی پیشانی پر
موجود تھا اس کے چند روز بعد جونہی کیلاش کی نظر پیر بابا پر پڑی اسے اپنا خواب
حقیقت کی صورت میں سامنے نظر آیا اور اس نے تمام گاؤں والوں کو اسکی اطلاع دے دی۔

تشریف لا چکے ہیں۔

آپ نے ان لوگوں کو جو دین کی طرف راغب پایا تو کچھ عرصہ یہاں سکونت اختیار فرمائی تاکہ انہیں دین کی روشنی سے منور کر سکیں۔ اور پھر جب یہاں سے واپس اجمیر مرشد کی ملاقات کے لئے جانے لگے تو اپنے والد محترم سے گجرات کے قریب ملاقات ہوئی جو ہمایوں کے ہمراہ شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد کابل کی طرف جانے کی سوچ رہے تھے اور یہ واقعہ ۹۵۰ھ کا ہے"۔ اسی گاؤں میں جب خلق خدا مجھے گھیرے ہوئے تھی اور میرے وظائف و اوراد میں حرج ہو رہا تھا تو میں نے سوچا کہ واپس اجمیر جا کر مرشد سے گذارش کر کے اپنے آپ کو اس فریضہ سے سبکدوش کر دوں۔ راستے میں میری ملاقات والد سے ہوئی جو ہمایوں کے ساتھ بچے کھچے لشکر میں شامل تھے اور شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد کابل کی طرف روانگی کا پروگرام بنا رہے تھے۔ والد نے مجھے دیکھ کر شفقت و محبت کا اظہار فرمایا اور شاباش دی کہ تم نے آباؤ اجداد کا راستہ اختیار کیا اور اسی مرتبے پر فائز ہوئے اور والد نے مجھے دو تھیلیاں دیں ایک سونے کی اور ایک چاندی کی۔ میں نے کہا کہ ابا جان مجھے ان سے کیا کام؟ انہوں نے فرمایا کہ درویشوں پر خرچ کر دینا لہٰذا میں نے انہیں رکھ لیا۔ (۳۹)

لیکن جب پیر بابا اجمیر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ مرشد اس دار فانی سے کوچ فرما چکے ہیں۔ اور ان کے صاحبزادے حضرت شیخ حسین والد کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ جب درگاہ عالیہ پر تشریف لائے تو مرشد کے صاحبزادے مراقبہ میں تھے جب مراقبہ سے فارغ ہوئے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ان کے پیر بھائی حضرت پیر بابا سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت شیخ حسین نے فرمایا۔

"اے سید علی اس مراقبہ کے درمیان والد محترم سے میری ملاقات

ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے دو خرقے چھوڑے ہیں جن میں سے ایک کے ٹکڑے کر کے معتقدین میں بانٹ دو اور دوسرا جو ابھی آئے اسے دے دو اور تم ابھی آئے ہو لہٰذا تم ہی اس کے حقدار ہو اور آپ کو مرشد کا وہ خرقہ پہنا دیا گیا۔ (۴۰)

تو یوں پیر بابا آئے تو تھے خلافت کا بار گراں اتارنے لیکن اب مزید ذمہ داری ان پر عائد ہو گئی اور مرشد کی طرف سے خرقہ عطا ہو کر آپ کو اصلاح پر مامور کر دیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ اپنے مرشد کے صاحبزادے کے پاس رہے اور خلوت میں رہ کر وظائف و اوراد کرتے رہے تاکہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے کنارہ کش رہیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ حسین نے آپ سے فرمایا کہ

"حضرت والد نے آپ کو کوہستانی علاقہ جا کر لوگوں کی اصلاح کا حکم فرمایا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ ہندوستان کے کسی کوہستانی علاقہ میں اس فریضہ کی بجا آوری کرتے ہیں یا اپنے وطن مالوف میں جا کر اس کام کو سرانجام دیتے ہیں کیونکہ وہ بھی کوہستانی علاقہ ہے۔ (۴۱)

اپنے مرشد حضرت سالار رومی* تو پہلے ہی آپ کو یہ حکم دے چکے تھے اب ان کے صاحبزادے اور سجادہ نشین کی یاد دہانی پر آپ اپنے وطن روانہ ہوئے تاکہ وہاں پر جا کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔

* حضرت سالار رومی کا مزار اجمیر میں انا ساگر تالاب کے کنارے اونچائی پر واقع ہے لیکن آج کل یہ مزار سالار غازی کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ جب میں دہلی میں بحیثیت ناظم اور قومی ثقافت پر پہلی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے بعد ۱۸ اکتوبر [illegible] جمعرات کو اجمیر پہنچا تو صبح سویرے نماز کے بعد جمعہ کے دن انا ساگر تالاب کے مشرقی کنارے پر گیا جہاں مزارات ہیں۔ وہاں پر جو مزار سالار صاحب کے نام سے مشہور ہے وہ سالار غازی کہلاتے ہیں۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ سالار رومی کے نام سے کوئی واقف نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سالار غازی کا مزار بہرائچ میں ہے اس لئے یہ مزار یقیناً حضرت سالار رومی کا ہے۔ لیکن صحیح دیکھ بھال اور پھر روایات کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے آج اتنی بڑی غلط فہمی موجود ہے۔ اس بارے میں ایک مقالہ لکھنے کا خیال ہے۔

اخلاق وافکار اور دینی مساعی

(الف) اخلاق اخلاق وعادات میں حضرت پیر بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کا بہترین نمونہ تھے، بچپن ہی سے سنجیدہ تھے اور بری عادات وخصائل سے متنفر تھے یعنی آپ اخلاقِ حمیدہ کے مجمع اور مظہر تھے آپ کا کوئی عمل خلافِ شرع نہ ہوتا تھا۔ فرائض ادا کرنے کے علاوہ روزمرہ کے اوراد بھی نہایت پابندی سے ادا فرماتے تھے۔ اپنے شیخ سے بیعت کے بعد وظائف واوراد کے اسباق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہر کلمہ را کہ از علمِ تصوف از شیخ بہرہ من یافتم مدّت یک ہفتہ خلوت را اختیار می کردم تا بعد از ذکر و فکر بسیار و جہد و ریاضت بسیار بعون اللہ و توفیقہ کا حقہ در من یافتم بعدہ بحضرت پیر دستگیر تقریر می نمودم حضرت ایشاں صد آفرین می گفتم تمام تقریرات رامی پسندید بعد کلمہ دیگر عنایت می نمود ندفی الجملہ چوں روزگاری بریں گذشت آنچہ از اقوال واحوال حضرت شیخ بود بعنایت بے غایت خویش چوں لعل شایاں دیدہ در کلبہ قلبیہ فقیر ریخت نگاہ فضیلت اذن درپیش آوردہ و ما ذونم گردانید اے عزیز من دائم کرکرار شدتِ آں ساعت بر من چوں گذشتہ گفتش اے شیخ محقق واے استاذِ مدقق واے پیرِ مشفق ما را ازیں قید آزاد ساز از انکہ ایں روئے خلق وار داز برائے تربیتِ طلب وادائے نصائح ومواعظ باہل اسلام ولیکن مارا روئے درحق می باید ہرچند ممانعت نمودم سود نہ کرد۔(۴۲)

ترجمہ:۔ حضرت پیر بابا فرماتے ہیں کہ تصوف کا سبق مجھے شیخ

عنایت فرماتے میں ایک ہفتہ خلوت میں رہ کر اس پر ریاضت کرتا۔ جب شیخ کو حالات بیان کرتا تو وہ مجھے شاباش دیتے۔ اس طرح ایک عرصہ کے بعد حضرت نے مجھے ماذون فرمایا۔ لیکن لوگوں کی کثرت سے میرے وظائف واوراد میں خلل پڑتا تھا جس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ لوگوں سے مجھے نجات دلائیں۔ لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت پیر بابا کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کی عادت مبارکہ دُنیاداری سے الگ رہنے کی تھی لیکن اللہ کو یہ پسند تھا کہ وہ آپ سے لوگوں کی اصلاح کا کام لیں اور وہ بھی صوبہ سرحد کے دشوار گذار علاقوں میں۔

جس طرح آپ کے معمولات وعادات سنتِ نبوی کے مظہر تھے۔ اسی طرح آپ کا اخلاق بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا آئینہ تھا آپ کی اتباع سُنت ہی لوگوں کی ہدایت کا سبب بنی۔ آپ کے معتقدین اور تلامذہ کی تعداد کثیرہ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ کے حُسنِ خلق اور اتباعِ سنت میں کسی قسم کی کمی نکال سکے۔ آپ طلباء کے حصول علم پر خصوصی توجہ فرماتے اور ان لوگوں کو زیادہ عزیز رکھتے جو آپ کے پاس علم ومعرفت کی پیاس بجھانے آتے۔ آپ نے اپنے خلیفہ اخوند درویزہ سے فرمایا۔

"میں انہیں اپنا دوست اور مرید نہیں جانتا جو مجھے نذرانہ شکرانہ پیش کرتے ہیں۔ لنگر کے لئے سب کچھ خدا بھیجتا ہے۔ میرے دوست اور مرید وہ ہیں جو مجھ سے روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور میرے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔(۴۳)

حضرت کے ایثار وقربانی کا یہ حال تھا کہ جو کچھ ملتا دوسروں پر خرچ کر دیتے اور دنیاوی دولت سے قطعی سروکار نہ رکھتے۔ شیر شاہ کے ہاتھوں

ہمایوں کی شکست کے بعد جب گجرات میں آپ کی ملاقات اپنے والد سے ہوئی تو انہوں نے زادِ راہ کے طور پر پیر بابا کو کچھ رقم عطا کی۔ جب فقیر سید علی ترمذی نے والد بزرگوار سے رخصت ہونے کا قصد کیا تو والد نے دو عدد تھیلیاں ایک سونے اور ایک چاندی کی سپرد کیں کہ ان دونوں کو بوقتِ ضرورت استعمال میں لائیں۔ لیکن فقیر پریشان تھا کہ اس رقم کا کیا کرے۔ جب فقیر اجمیر کی طرف روانہ ہوا اور راستہ میں شیر شاہ کے سپاہیوں سے سامنا ہوا تو میں نے ساری رقم ان کے حوالے کی اور کہا کہ ہم کو اپنے مرشد کے پاس جانے دو۔(۴۴)

حضرت کی وفات کے بعد بھی آپ کی سخاوت کا جاری کردہ چشمہ رواں دواں ہے اور آج تک آپ کی درگاہِ عالیہ سے روزانہ لنگر جاری ہے جس سے خاص و عام فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور زائرین کے علاوہ فقراء و مساکین کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

(ب) افکار

حضرت پیر بابا نے پیر روشن اور دیگر آزاد خیال پیروں کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی اس کا تعلق پیر بابا کا کٹر اور صحیح العقیدہ مسلمان اور شریعت و طریقت کے حامل ہونے کی حیثیت سے تھا۔ اور انہوں نے اس لئے یہ تحریک شروع کی تھی کہ صوبہ سرحد کے سادہ لوح پختون ہر بزرگ کی بات کو نیکی کا حصول سمجھتے ہوئے اپنا لیتے ہیں اور پیر روشن نے تصوف کی جو گہری اصطلاحات پیش کی تھیں ہر کس و ناکس ان کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس پہ پیر بابا کا موقف یہ تھا کہ عام لوگوں کو صرف ارکانِ اسلام اور شریعت کی پابندی کی تعلیم دی جائے۔ ان کی کامیابی کے لئے یہی کافی ہے۔ چونکہ پیر بابا اپنے عقائد میں کٹر تھے اس لئے غیر مسلم مفکرین نے پیر بابا کو کٹر حنفی سنی اور پیر روشن کو انتہائی غیر مقلد قرار دیا ہے۔

"There arose two religious leaders upon the frontier, the one strictly orthodox in the straight Hanfi Sunni way, and the other violently heretical. The first is Sayyid Ali Shah of Tirmez, still known to countless pilgrims as Pir Baba, and the second is Bayazid Aansari, the founder of the Roshaniyya movement, who called himself Pir-e-Roshan".(45)

ترجمہ:-

(سرحد میں دو مذہبی پیشوا ابھرے ان میں پہلے تو کٹر حنفی سنی اور دوسرے انتہائی غیر مقلد تھے۔ پہلے کا نام سید علی ترمذی تھا جو بے شمار زائرین کی زبانوں پر پیر بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور دوسرے بایزید انصاری جنہوں نے روشنیہ تحریک کو جنم دیا۔ اور جو اپنے آپ کو پیر روشن کے نام سے پکارتے تھے)

دراصل پیر روشن کے بارے میں یہ رائے بھی اس تحریک کا نتیجہ ہے جو پیر بابا نے شروع کی تھی اور ان کے خلیفہ اخوند درویزہ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اسے دوام بخش کر آنے والے مؤرخین کو پیر روشن سے بدظن کیا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ پیر بابا نے جو کچھ کیا وہ محض اصلاحی تحریک کے طور پر تھا تاکہ اس علاقہ کے لوگوں کو سیدھا سادھا مسلمان بنائیں اور اس طرح اپنے متقدمین صوفیائے کرام کے مشن اسلامی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

حضرت پیر بابا فرمایا کرتے کہ شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر زہد و ریاضت سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے مبتدی کو چاہئے کہ زہد و ریاضت صرف اس طریقہ سے کرے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ آپ کے خلیفہ حضرت درویزہ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ "حضرت شیخ کے بیس دانشمند

مرید تھے کہ بغیر اہل علم کے وہ کسی کو مرید نہیں فرماتے تھے اور ذکر کی تلقین نہیں کرتے تھے ۔ اگر چہ عام آدمی ان کی خدمت میں کچھ دن گذار لیتا تو آپ کی فیضِ صحبت سے ایسا متاثر ہوتا کہ شریعتِ مصطفوی سے ہرگز تجاوز نہ کرتا۔ طریقت و معرفت کے راستے میں سالک کو جن مقامات سے گذرنا پڑتا ہے حضرت پیر بابا نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ " د طریقت او معرفت پہ لار کښې هر یو سالک او صوفي ته درے مقامات حاصلیږي ۔ اول مقام د شهرت دے چه د خدائے مخلوق عام او خاص پرے بے دریغه رامات شي ۔ دوئم مقام د کشف او کرامات دے چه مختلفه کرامتونه او خرق عادات کار ونه ترینه حرګندیږي ۔ دریم مقام هغه دے چه د یو سالک ټول او مدعا محض د الله تعالیٰ د رضا حاصلول دي ۔ په دے مقام کښې بیا د سالک نه خان پکار دي او نه په جهان نه کار وي (٤٨)

ترجمہ :-

طریقت اور معرفت کی راہ میں ہر ایک سالک اور صوفی کو تین مقامات حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا مقام شہرت کا ہے کہ خدا کے عام و خاص بندے بلا دریغ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں ۔ دوسرا مقام کشف و کرامات ہے کہ اس سے خرقِ عادات کام ہونے لگتے ہیں ۔ تیسرا مقام وہ ہے جس میں سالک کا تمام مدعا صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے ۔ اس مقام میں سالک کو نہ اپنی ہوش رہتی ہے اور نہ اسے دنیا کی کوئی ضرورت ہوتی ہے ۔

(ج) دینی مساعی (تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی)

تبلیغ :-

پیر بابا کے مرشد حضرت سالار رومی نے خلافت عطا کرتے ہوئے کوہستانی علاقہ کی جانب جا کر دین کی خدمت سر انجام دینے کی تلقین کی ۔ آپ اجمیر سے

کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو اسلام سے مشرف فرمایا۔ " پیر بابا اجمیر شریف سے رخصت ہوئے تو راستے میں بہت سے لوگوں کو اسلام سے مشرف کیا اور جب کشمیر پہنچے تو وہ ملک آپ کو بہت پسند آیا اور تبلیغ اسلام شروع کر دی ۔ کشمیر کے اکثر لوگ پیر بابا کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے (٤٨) کچھ عرصہ بعد آپ دوبارہ اپنے مرشد کی زیارت کی غرض سے اجمیر پہنچے لیکن آپ کے مرشد اس دنیا کو خیر باد کہہ چکے تھے ۔ جب آپ درگاہ عالیہ میں داخل ہوئے تو حضرت سالار رومی کے فرزند جناب حسین صاحب مراقبہ میں تھے ۔ مراقبہ سے فارغ ہوئے اور پیر بابا کو سامنے پایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا ۔

اے سید علی دریں زمان و ان ہمدریں مراقبہ و ہمدریں مشاہدہ حضرت پدر مشفق و پیر محقق را دریافتم بعد ازاں ملاقات فرمودہ، اے فرزند از من دو خرقہ لیں ماندہ یکے را پارچہ پارچہ ساختہ در میان معتقداں قسمت ساز و خرقہ دوم بہ پیش آئندہ ایں حال بر ساں حق آں جانب است پس پیش آئندہ ایں حال شمارا یافتم (٤٩)

ترجمہ :-

اے سید علی مجھے اب اس مراقبہ میں حضرت والد محترم سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے دو خرقے چھوڑے ہیں ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے معتقدین میں تقسیم کر دو اور ایک اسے دے دو جو ابھی آئے ۔ پس آپ ہی اس کے لئے حق بجانب ہیں ۔)

اس کے بعد حسین صاحب نے آپ کو والد کا فرمان یاد دلایا کہ آپ کوہستانی علاقہ میں تبلیغ دین کا کام سر انجام دیں ۔ لہٰذا آپ اجمیر سے روانہ ہو کر پشاور کے

راستے افغانستان کی طرف عازمِ سفر ہوئے کیونکہ وہ آپ کا وطنِ مالوف بھی تھا اور کوہستانی علاقہ بھی۔ آپ نے مرشد کے فرمان سے قیاس کیا کہ ان کا مقصد اپنے علاقے میں جاکر تبلیغ دین کرنا ہے۔ لیکن پٹ ورمیں حاجی سیف اللہ گدائی آپ سے مل کر بہت متاثر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہمارے علاقے میں لوگوں کو سیراب کریں اور وہ آپ کو دوابہ نامی گاؤں میں لے گئے۔ آپ کا خیال تھا کہ دوآبہ میں تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن وہاں کے حالات نے آپ کو اس کی اجازت نہ دی۔ "دوابے میں ایک سال کی اقامت کے بعد میں نے چاہا کہ اپنے وطن واپس چلا جاؤں۔ لیکن گگیانی قبیلے کے بعض محبِ اسلام اور مخلص حضرات نے مجھ سے عرض کی کہ آجکل یوسف زئیوں کے علاقہ میں دو ملحد، سرکش اور شریعتِ محمدی کے مخالف نام نہاد پیر آئے ہوئے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں وہاں سے سدم نامی گاؤں میں آگیا تاکہ لوگوں کی اصلاح کر سکوں (۵۰)

پختونوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب بھی وہ کسی نئے عالم یا صوفی کو دیکھتے ہیں تو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی اسلام سے محبت کی وجہ سے ہے۔ لوگ جوق درجوق آتے ہیں تاکہ اس بزرگ ہستی کی باتیں سنیں۔ لیکن کم علمی کی بنا پر یہ لوگ اچھے برے کی تمیز نہیں کر سکتے۔ البتہ جو پڑھے لکھے ہوتے ہیں وہ بخوبی یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ نیا آنے والا راہِ حق پر ہے یا صرف عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دنیاوی فوائد حاصل کر رہا ہے۔

پیر بابا جب سدم تشریف لائے تو لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہونے لگے آپ نے ان کو بدعت کی برائیوں سے آگاہ کیا۔ اور شریعت پر مکمل عمل کی تلقین کی چونکہ یہ لوگ دین کی خاطر آئے تھے لہٰذا آپ کی با برکت شخصیت اور عملی کردار نے ان کو متاثر کیا۔ آپ کی تقریروں کا ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور وہ بدعت

سے احتراز کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے سوچا کہ کیوں نہ ان دونوں نام نہاد اور دشمنِ اسلام پیروں سے مناظرہ کر کے عوام کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے۔ لہٰذا آپ دونوں سے مناظرہ کی غرض سے روانہ ہوئے لیکن وہ دونوں آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے اور غائب ہو گئے۔ ان دونوں پیروں سے مناظرہ کے بارے میں حضرت پیر بابا سے مقابلہ کا حال ان کے خلیفہ اخوند درویزہ نے یوں بیان کیا ہے۔

"پھر ان دونوں پیروں سے مباحثہ کا فیصلہ کیا۔ لیکن دونوں پیر میرے ارادے کو بھانپتے ہی روپوش ہو گئے اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں باطل عقائد کو ہوا دینے کے لئے سرگرمِ عمل تھے اس طرح اس علاقے کے لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچا دیا گیا (۵۱)

صوبہ سرحد کے علاقوں میں آنے سے قبل پیر بابا نے ہندوستان میں بھی تبلیغی خدمات انجام دیں اور ہندوؤں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا "حضرت سالار رومی نے مجھے ہدایت کی کہ میں پہاڑی علاقے کی طرف جاؤں چنانچہ میں نے شیخ کے ارشاد کی بنا پر کشمیر جانے کا ارادہ کیا اور راستے میں علاقہ گجرات کے موضع پنڈ دادن خان میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک شخص کیلاش نامی نے جو اس موضع کا باشندہ تھا مجھے دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ میں نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا یہ وہی ہے ہمیں چاہیئے کہ ان سے بیعت کریں۔ یہ ہمیں شریعت پر گامزن کریں گے میں نے حیرانگی سے پوچھا کہ اگر تو نے مجھے واقعی خواب میں دیکھا ہے اور یہ خواب کسی سے بیان کیا ہے تو گواہی پیش کرو وہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لایا جنہوں نے کہا کہ بے شک کیلاش نے ہم سے ایک خواب بیان کیا تھا اور جس شخص کا ذکر کیا تھا وہ تمام نشانیاں آپ میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی پیشانی پر جو تل ہے اس کا بھی اس نے ذکر کیا تھا

اور ہم نے طے کیا تھا کہ جب کبھی ایسی بزرگ ہستی ہمارے ہاں آئے گی ہم اسے اپنا پیشوا تسلیم کرکے اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔ مَیں نے اس وقت وہاں کے لوگوں کو بیعت کیا اور ایک مدت تک اس گاؤں میں رہ کر قرب وجوار میں تبلیغ کی (۵۲)

تعلیمی

حضرت پیر بابا نے ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد حضرت سید احمد نور سے حاصل کی۔ آپ کے بیان کے مطابق شرح ملاجامی بھی ان سے پڑھی۔ "فقیر را بخدمت حضور مشرف ساختہ بودند و بتحصیل علم و تربیت میکردند تا آنکہ تحصیل شرح ملا را در ایام طفولیت از خدمت ایشاں دریافتم (۵۳)

ترجمہ:۔

(مجھے دادا جان نے اپنے پاس رکھ کر تربیت فرمائی۔ علم ظاہری سے آراستہ کیا یہاں تک کہ مَیں نے آپ کے پاس بچپن ہی میں شرح ملاجامی پڑھی۔)

دادا کی وفات کے بعد آپ مزید علم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور مانک پور کے مشہور مدرسہ میں حضرت شیخ سلیونہ سے علم حاصل کیا آپ جب پشاور پہنچے تو تبلیغی خدمات کے ساتھ ساتھ علم کی طرف توجہ دی۔ تاکہ اس علاقے کے لوگوں کو علم سے آشنا کریں اور اس کے لئے آپ نے مختلف علاقوں میں مدارس قائم کئے جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ نیز آپ کے مریدوں میں اخوند درویزہ جیسے عالم شامل تھے جنہوں نے پختونوں کیلئے کافی علمی ورثہ چھوڑا۔ "فقیر سید علی ترمذی نے موضع بموضع درس قرآن جاری کر دیا۔ چونکہ لوگوں میں شرارت تھی یہ لوگ شوق و محبت سے اور خوشدلی سے تبلیغ کی طرف رغبت اور میلان کرتے تھے اور روز بروز نواہی و محرمات سے روگرداں ہو جاتے تھے سلسلہ تبلیغ واشاعت احکام

شرعی میں ایک سال کامل گذر گیا۔ لوگوں کے عقائد کامل ہوگئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ واقعی دین اسلام ایک مسلم دین الٰہی ہے اور اب وہ زمانہ گذشتہ کے اعمال پر نادم تھے۔" (۵۴)

اصلاحی

دراصل پیر بابا ایک عالم کی حیثیت سے کم اور صوفی کی حیثیت سے زیادہ مشہور رہیں۔ آپ نے جس علاقے کو اپنا مسکن بنایا وہاں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی آباد تھے۔ اور آج بھی ہیں۔

"The village nearly is one of the only places in West Pakistan where Hindus even Sikhs, may still play their trade-a-tribute to the tolerance shown where there exist a real feeling of holiness" (55).

ترجمہ:۔ "یہ گاؤں مغربی پاکستان کا وہ واحد مقام ہے جہاں ہندو یہاں تک سکھ بھی تقدیس کا خیال رکھتے ہیں کہ واقعی یہ ایک مقدس مقام ہے جس کے تقدس میں کوئی شبہ نہیں"

اور یہ آپ کی اصلاح کا بہترین طریقہ تھا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی علمی شخصیت کے معترف تھے۔ صوبہ سرحد کے لوگ بڑے سادے اور ایماندار ہوتے ہیں اور ان کی سادگی سے نام نہاد مذہبی لوگ انہیں بے راہرو کرتے ہیں۔ پیر بابا نے اس نازک صورت حال کو بھانپا۔ آپ دیہاتوں میں اکثر جاکر لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتے۔ اہل بدعت اور گمراہ لوگوں سے مباحث کرتے اور علی الاعلان فرماتے کہ ان سے بچو۔ الیسا نہ ہو کہ ان کی گمراہی کے سبب تم بھی ہلاک کر دیئے جاؤ۔ پیر بابا کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ عام لوگوں کو بیعت شریف سے مشرف

فرماتے کیونکہ اس راہ میں جہلاء کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا شریعت فقہ اسلامیہ پر عوام کا ثابت رہنا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ آپ دیہاتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اکثر دورے کرتے اور اہلِ بدعت اور گمراہوں سے مباحثے کرتے اور ببانگِ دہل اعلان فرماتے۔ ان سے بچو ایسا نہ ہو کہ ہلاک کر دیئے جاؤ (۵۶)

پیر بابا نے انتہائی لگن کے ساتھ اور گوناگوں مشکلات و صعوبتیں برداشت کر کے صوبہ سرحد کے عوام کو دینِ حق کی صحیح پیروی کا مزن کیا۔ انہیں جہل کی ظلمتوں سے نکال کر نورِ حق سے روشناس کیا۔ آپ کے اخلاص و توجہ کا اتنا اثر تھا کہ جو بھی جویائے حق آتا فیض یاب ہوتا۔

(د) وفات

حضرت پیر بابا نے علاقہ یوسف زئی میں قیام کے دوران لوگوں کو اسلامی شعائر پر کاربند کیا اور یہیں نکاح فرمایا جس کے بعد آپ ترمذ روانہ ہوئے تاکہ والدین سے ملاقات کریں۔ اپنے گاؤں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ والد انتقال فرما چکے ہیں۔ آپ نے والدہ کو تمام حالات سے آگاہ فرمایا۔ اس نیک دل خاتون نے آپکو واپس یوسف زئی جا کر لوگوں کی اصلاح کا کام جاری رکھنے کی تاکید کی۔ چنانچہ آپ نے واپس آ کر اپنے اہل بچوں کو ساتھ لیا اور کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل پڑے جہاں کہ آپ کچھ عرصہ خلوت میں رہ کر ریاضت فرما سکیں۔ اور اسطرح آپ ۹۷۰ھ میں پاچہ کلے تشریف لائے۔ اور اس سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی غار میں جو نرہٹول گاؤں کے پیچھے ہے اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے اور آخری ایام اسی علاقہ میں گذارے اور بندگانِ خدا کو علمی و روحانی دولت سے سرفراز فرماتے ہوئے ۸۱ سال کی عمر میں ۹۹۱ھ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

"With its carvans passing and repassing by the Gandab route, and such a place he found called Pacha in the recesses of Buner. There he settled and was burried".(57)

ترجمہ: (حضرت پیر بابا صاحب اپنے قافلہ کے ہمراہ گنداب کے راستے ہوتے ہوئے پاچہ کلے نامی گاؤں پہنچے جو کہ بونیر کے گوشے میں واقع ہے۔ یہیں آپ نے سکونت اختیار فرمائی اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔) غوصید —

حضرت پیر بابا ۹۱۰ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے، ۹۲۴ھ کو حصولِ علم کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔ ۹۴۳ھ میں شیخ شرف الدین پانی پتی کی درگاہ پر حاضری دی۔ ۹۴۵ھ میں اجمیر تشریف لائے، ۹۴۸ھ میں تبلیغ دین کے سلسلے میں گجرات آئے اور ۹۵۰ھ تک یہیں قیام رہا۔ ۹۵۰ھ کو دوبارہ اجمیر تشریف لے گئے۔ ۹۵۱ھ کو اجمیر سے روانہ ہو کر پٹاور پہنچے۔ اور صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اسی دوران ۹۵۷ھ میں شادی کی اور ۹۷۰ھ کو موجودہ مقام پاچہ کلے تشریف لائے اور یہیں ۹۹۱ھ میں وفات پائی۔ آپ نے پوری زندگی پختونوں کی اصلاح میں گذاری اور انہیں علمی و روحانی فیض بخشا ان کے متعلق آپ کا ارشاد ہے

۱۔ یہ لوگ سادہ ہیں اور مکر و فریب نہیں جانتے۔
۲۔ بڑوں سے چھوٹے دیندار اور دیانتداری میں زیادہ مضبوط ہیں۔
۳۔ ان کے مردوں سے عورتیں اسلام کی زیادہ پابندی کرتی ہیں۔
۴۔ ان کے بچے بچپن میں ہی دین سے محبت کرتے ہیں۔
۵۔ خدمتگار اور نوکر لوگ اپنے آقاؤں سے زیادہ دیندار ہیں۔

(۵) باقیات

پاک و ہند کے مقدس اولیاء کا اگرچہ کسی زمانہ میں بھی اس برصغیر کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں رہا اور ان کی تمام تر سرگرمیاں صرف روحانی جد و جہد تک محدود رہیں۔ لیکن پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ان کی روحانی سرگرمیوں کا اس ملک کی سیاست پر بہت گہرا اثر پڑا اور یہ حقیقت ہے کہ اولیاءِ کرام نے اس خطے کو اپنی روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر انسانیت کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں ہیں۔ جس کی مثال اس ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اولیائے کرام کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ ان کی ہمدردیاں کسی خاص مذہب یا ملت کے لئے محدود نہ تھیں بلکہ وہ ہر بنی نوعِ انسان کیلئے ابرِ رحمت تھے۔ چنانچہ اس برِصغیر کی ہر قوم اور ملت نے بلاامتیازِ مذہب و ملت ان اولیائے کرام کے فیض سے یکساں فائدہ اٹھایا۔ ان ہی شخصیتوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ذات بابرکات بھی شامل ہے جن کے سلسلہ کے ایک بزرگ خواجہ سید علی ترمذی نے صوبہ سرحد میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا اور جو لوگوں کی تاریخ میں پیر بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت پیر بابا صاحب کا مزار مینگورہ (سوات) سے چالیس میل کے فاصلہ پر علاقہ بونیر کے موضع پاچہ کلے میں ہے اور یہ مقام پیر بابا کے نام ہی سے مشہور ہے۔ اگر ہم مینگورہ سے ٹورسٹ ویگن پر سوار ہوں تو ڈھائی گھنٹوں میں پیر بابا پہنچا دیتی ہے۔ پاچہ کلے کے بازار سے ہوتے ہوئے صاف و شفاف پانی کی ندی کے پار ویگن اتارتی ہے۔ یہیں پیر بابا صاحب کی آخری آرامگاہ ہے۔

مزار تک عام طور سے مسجد کے صحن میں سے ہو کر جانا ہوتا ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب حضرت چڑائی بابا کا مزار ہے۔ مسجد کے صحن سے ہوتے ہوئے دائیں ہاتھ کو مسجد کے احاطہ سے چند گز کے فاصلہ پر حضرت پیر بابا کی آخری آرامگاہ ہے۔

دوسرا راستہ مردان کے راستے رستم سے ہوتے ہوئے بسیں بھی پیر بابا تک پہنچاتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً پیر بابا صاحب کے مزار کی توسیع بھی ہوتی رہی ہے۔ اور مسجد کو بھی وسیع تر بنایا گیا۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت معین الدین شاہ صاحب چشتی نے زائرین کو ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے کافی انتظامات کر رکھے ہیں۔ سارا سال لنگر جاری رہتا ہے جس کا سالانہ خرچ عرس کے علاوہ ایک لاکھ روپے سے زائد ہے۔ جن دنوں میں مزار پر حاضر ہوا ان دنوں بھی مزار کی توسیع کا کام جاری تھا اور سنگ مرمر سے مزار کو آراستہ کیا جا رہا تھا۔

پیر بابا صاحب کا عرس تین ماہ جاری رہتا ہے اور چیت، بیساکھ اور جیٹھ (مارچ، اپریل) کے مہینوں میں یہ مختصر بستی ایک بارونق شہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پورے صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں سے لوگ

"حضرت چڑائی بابا کا نام سید یا ئیدہ شاہ ہے اور آپ کا سلسلہ نسب گیارہویں واسطے سے حضرت پیر بابا تک پہنچتا ہے۔ آپ ضلع سیدو شریف (سوات) کے موضع چڑائی میں [illegible] کو پیدا ہوئے اور اسی مناسبت سے چڑائی بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو حضرت پیر بابا صاحب نے خواب میں مسجد پیر بابا کی تعمیر نو اور درگاہ سے بدعات کے خاتمہ کا حکم فرمایا۔ آپ نے مسجد کی توسیع اور آرائش کروائی اور درگاہ کی حرمت اور زائرین کی سہولت کے انتظامات فرمائے۔ آپ نے گیارہ رجب ۱۲۴۹ھ کو وصال فرمایا اور آپ کا مزار مسجد پیر بابا میں بسمت مشرقی زیارت گاہ عام و خاص ہے۔ (۵۸) آپ ہی کے صاحبزادے حضرت معین الدین شاہ صاحب چشتی آجکل درگاہ عالیہ پیر بابا کے سجادہ نشین ہیں۔

جوق در جوق مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اس ہستی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جس نے آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل نامساعد حالات میں رضائے الٰہی کی خاطر سخت مشکلات برداشت کرتے ہوئے دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ خاص کر وہ مقام دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جو آپ کے مزار سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہ وہ غار ہے جہاں پیر بابا نے ریاضت فرمائی تھی

"Such a place called Pacha in the recesses of Buner. There he (Pir Baba) settled and was burried. He has left a name still deeply venerated, and over his tomb stands what remains to this day the most hollowed shrine in all the frontier callentry, pilgrims of all sorts visit it; thirty years ago, in Mardan perhaps the most usual opening to a recital of evidence in court was in the phrase-' when I was on may way to (or from a pilgrimage to Pir-Baba Zfarat)".(59)

ترجمہ:- "پیر بابا بنیر کے ایک گاؤں پاچہ کلے میں آباد ہو گئے اور وہیں مدفون ہو گئے۔ ان کا نام آج بھی بڑی تعظیم کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور ان کا مزار صوبہ سرحد کا سب سے مقدس مقام ہے۔ ہر طرح کے لوگ ان کے مزار پر زیارت کے لئے آتے ہیں۔ مردان میں آج سے تیس برس قبل عام طور پر عدالت میں حلفیہ بیان اس جملہ سے شروع ہوتا تھا۔ جب میں پیر بابا کی زیارت کے لئے جا رہا تھا یا زیارت سے واپس آ رہا تھا)

حضرت پیر بابا صاحب صوبہ سرحد کے دور دراز اور دشوار گذار

علاقے میں بغرض تبلیغ و اشاعت احکام شریعت تشریف لائے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں اشاعت دین کے لئے [illegible]۔ علمی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے اس تحریک کو جاری رکھا اور آپ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت معین الدین شاہ صاحب چشتی نے علمی خدمات کو منظم کرنے کی غرض سے یکم جنوری [illegible] کو حکومت پاکستان کی اجازت سے مسجد پیر بابا میں دار العلوم اسلامیہ عربیہ کے نام سے دینی درسگاہ قائم کی جہاں مقامی طلباء [illegible] بیرونی طلبا بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کر کے پیر بابا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دوسروں کو علم کی روشنی سے منور کرتے ہیں طلباء کی تمام ضروریات کا انتظام درگاہ عالیہ کے تحت پورا کیا جاتا ہے۔ تاکہ طلباء سکون سے علم کی پیاس بجھا سکیں۔ اس طرح حضرت پیر بابا کی تحریک ابھی تک رواں دواں ہے۔

حوالہ جات باب سوم

١ – عبدالغفور ، مولوی " حیاۃ طیبہ " ، پشاور ،
حمیدیہ پریس ، ص – ٢١ – ٢٢

٢ – افغانی ، عبدالحلیم اثر ، " روحانی تڑون " ،
مالاکنڈ : دارالاشاعت باجوڑ ، ١٩٦٥ع ص – ٢٢٩

٣ – Olaf Careo, " The Pathan ", New York, Macmilian & Co., Ltd., 1958, P-198.

٤ – صباح الدین ، عبدالرحمن سیگ ، " ہندوستان کے سلاطین ، علماء اور مشائخ پر ایک نظر " ، اعظم گڑھ ، دارالمصنفین ، ١٩٦٢ع ، ص – ٣٢

٥ – محمد اکرام ، شیخ ، " رود کوثر " ، لاہور ،
فیروز سنز ، ص – ٣١٢

٦ – قادری ، امیر شاہ سیگ ، " تذکرہ علماء و مشائخ سرحد " ، پشاور ، عظیم پبلشنگ ہاوس ، ١٩٦٢ ع ، ص –

٧ – اخوند درویزہ ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ،
پشاور ، ادارہ اشاعت سرحد ، ص – ٢٦

٨ – نظامی ، خلیق احمد ، " تاریخ مشائخ چشت " ،
دہلی ، ندوۃ المصنفین ، ١٩٥٣ ، ص – ١٣٩

٩ – اودھی ، علاوالدین ، " ما مقیماں " ، لکھنؤ
مطبع مصطفائی ، ١٢٥٦ھ ، ص – ٩

١٠ – غلام سرور ، مفتی ، " خزینۃ الاصفیاء " لکھنو
مطبع ثمر ہند ، ١٨٧٢ع ، ص – ٢٢٠

١١ – نظامی ، خلیق احمد ، " تاریخ مشائخ چشت " ،
محولہ بالا ، ص – ١٢٩

١٢ – ایضاً ، ص – ١٢٠

(ا) محمد احمد اختر ، " تذکرۃ الفقراء " ،
دہلی : مطبع جیون پرکاش ، ص – ٦٠٥

(اا) مرزا محمد اختر ، " تذکرہ اولیاء ہند و پاک " ، دہلی : کتب خانہ رشیدیہ ، ١٩٦٤ع
(صفحات مختلفہ)

(ااا) چشتی ، غلام فرید ، " شجرہ چشتیہ سلیمانیہ فخریہ " ، آگرہ : مطبع الہی ، (صفحات مختلفہ)

(IV) اعجاز الحق قدوسی ، " اقبال کے محبوب صوفیہ " ، لاہور : اقبال اکیڈمی ، ١٩٧٦ ع
(صفحات مختلفہ)

١٣ – جامی ، عبدالرحمان ، " نفحات الانس " ، بمبئی
١٢٨٣ھ ، ص – ٢٠٧

١٣ – ندوی ، ابو الحسن علی ، " تاریخ دعوت و عزیمت " کراچی : مجلس نشریات اسلام ، ١٩٧٦ع ، ص – ٢٠-٢١

١٥ – صباح الدین ، عبدالرحمان ، " بزم صوفیہ " ، اعظم گڑھ : مطبع معارف ، ١٩٠٢ع ، ص – ٢٣

١٦ – عبدالحق ، محدث ، " اخبار الاخیار " ، دہلی ، مطبع مجتبائی ، ص – ٢٢

١٧ – اخوند درویزہ ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص – ١٣٥

١٨ – ایضاً ، ص – ١١ – ١٣٩

١٩ – ایضاً ، ص – ١١

٢٠ – ایضاً ، ص – ١١

٢١ – ایضاً ، ص – ١٢٧ – ١٢٨

٢٢ – عبدالغفور ، مولوی ، " حیاۃ طیبہ " محولہ بالا ، ص – ٢٢ – ٢٥

٢٣ – گلبدن بیگم ، " ہمایون نامہ " ، لاہور : سنگ میل پبلکیشنز ، ١٩٦٦ع ، ص – ٢٩٢

٢٣ – قادری ، سید امیر شاہ ، " تذکرہ علماء ومشائخ سرحد " ، محولہ بالا ، ص – ٣

٢٥ – افغانی ، عبدالحلیم اثر ، " روحانی تڑون " محولہ بالا ، ص – ٢٣٦

٢٦ – قریشی ، عبدالمالک ، " سلطان الاولیاء سرحد " پشاور : الفلاح پرنٹنگ پریس ، ص – ٢٥

٢٧ – عمر میاں سید ، " بانی پٹ و بزرگان بانی پت " ، دہلی : الجمیعۃ پریس ، ١٩٦٢ع ، ص – ١٩

٢٨ – قریشی ، عبدالمالک ، " سلطان الاولیاء سرحد " محولہ بالا ، ص – ٢٥ – ٢٦

٢٩ – قریشی ، عبدالمالک ، " سلطان الاولیاء سرحد " محولہ بالا ، ص – ٢٧

٣٠ – ایضاً ، ص – ٢٨

٣١ – اخوند درویزہ ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص – ١٧

٣٢ – ایضاً ، ص – ١٢٧

٣٣ – ایضاً ، ص – ١٢٧ – ١٢٨

٣٤ – ایضاً ، ص – ١٢٨

٣٥ – ایضاً ، ص – ١٢٩

۳۶ - ایضاً ، ص - ۱۲۹

۳۷ - ایضاً ، ص - ۱۲۹

۳۸ - افغانی ، عبدالحلیم اثر ، " روحانی تڑون " ، محولہ بالا ، ص - ۲۵

۳۹ - اخوند درویزہ ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص - ۲۶

۴۰ - ایضاً ، ص - ۲۶

۴۱ - ایضاً ، ص - ۲۸

۴۲ - ایضاً ، ص - ۲۰

۴۳ - نوشہروی ، عبدالرووف ، " بحرالانوار " ، پشاور عظیم پبلشنگ ہاوس ، ص - ۱۹۱

۴۴ - قریشی ، عبدالمالک ، " سلطان الاولیاء سرحد " محولہ بالا ، ص - ۲۵ - ۲۶

۴۵ - Olaf Careo, " The Pathan ", op.cit. P-198.

۴۶ - اخوند درویزہ ، " ارشاد الطالبین " ، دہلی : مطبع فیض عالم ، ص - ۲۳۹

۴۷ - افغانی ، عبدالحلیم اثر ، " روحانی تڑون " ، محولہ بالا ، ص - ۲۲۶

۴۸ - عبدالغفور ، مولوی ، " حیاۃ طیّبۃ " ، محولہ بالا ، ص - ۲۶

۴۹ - اخوند درویزہ ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص - ۲۵

۵۰ - ایضاً ، ص - ۲۹

۵۱ - ایضاً ، ص - ۱۳۰

۵۲ - ایضاً ، ص - ۲۵ - ۲۶

۵۳ - ایضاً ، ص - ۱۱

۵۴ - قریشی ، عبدالمالک ، " سلطان الاولیاء سرحد " محولہ بالا ، ص - ۵۲

۵۵ - Olaf Careo, " The Pathan ", op.cit., P-199.

۵۶ - قادری ، سید امیر شاہ ، " تذکرہ علماء و مشائخ سرحد " ، محولہ بالا ، ص - ۹

۵۷ - Olaf Careo, " The Pathan ", op.cit., P-198.

۵۸ – افغانی ، عبدالحلیم اثر ، " روحانی تڑون "
محولہ بالا ، ص – ۴۲

۵۹ – Olaf Careo, " The Pathan ", op.cit.,
P-199.

باب چہارم

پیر بابا کے خلفاء

(الف) تعارف:-

تبلیغی نقطہ نظر سے صوبہ سرحد کے صوفیائے کرام میں پیر باباؒ کو وہی مقام ہے جو برصغیر پاک و ہند میں سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش اور خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی کا ہے۔ جس طرح خواجہ معین الدین چشتی نے سلسلہ چشتیہ کو اپنے خلفاء کے ذریعے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا اسی طرح پیر بابا نے صوبہ سرحد کے دشوار گذار علاقوں میں اپنے خلفاء کے ذریعے اس سلسلہ کی ترویج کرتے ہوئے صاحبِ ذوق بندوں کو شریعت و طریقت سے روشناس کرایا۔

حضرت اخوند درویزہ

آپ کے خلفاء میں حضرت اخوند درویزہ نے بڑا نام پیدا کیا۔ آپ بڑے عالم و زاہد تھے اور اپنے ان دونوں کمالات سے آپ نے دینِ اسلام کی خدمت کی۔ اخوند درویزہ کا اصلی نام عبدالرشید تھا اور ننگرہار (افغانستان) کے باشندے تھے۔ لیکن عمر کا زیادہ حصہ پشاور، اطرافِ پشاور، اور سوات و بنیر میں گذار چکے تھے۔ یوسف زئی پختونوں میں بالخصوص سوات اور بنیر کے علاقوں میں اخوند درویزہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی تھی سوات اور بنیر میں اب بھی آپ کے معتقد ہیں۔ اخوند درویزہ ایک عالم اور فاضل شخص تھے۔ علاقہ سوات میں اخوند صاحب نے بحیثیت مذہبی عالم کے بہت کام کیا ہے (۱۰) سید تقویم الحق کاکاخیل نے اخوند درویزہ

کی کتاب مخزن کے مقدمہ میں آپ کو نسلاً ترک بتایا ہے جو بعد میں افغانستان اور پھر صوبہ سرحد کے قبیلہ مہمند منتقل ہو گئے۔"اخوند درویزہ بابا اصل میں ترک تھے ان کے اجداد میں جو سب سے پہلے ننگرہار آئے ان کا نام جیون بن جغنی تھا۔ والد کی طرف سے ترک تھے اور والدہ کا تعلق سلاطین بلخ سے تھا۔ مہمند قبیلہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اپنی سخاوت و بہادری کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد مہمند قبیلہ سے ناچاقی پیدا ہو گئی"(۲)

اخوند درویزہ فرماتے ہیں کہ جیون کا خاندان اونچا خاندان تھا۔ ایک مرتبہ مہمندوں کی دعوت کی گئی کسی نوجوان نے مزاحیہ یا بدنیتی سے اپنا ڈھلا ہوا ہاتھ ان کی داڑھی پر مل دیا۔ جیون صاحب نے یہ گستاخی برداشت نہ کی اپنے ننہیال کو فریاد کی اور ان کی مدد سے یہ علاقہ مہمندوں سے چھین لیا۔ اور اس میں اپنی بادشاہت قائم کر دی۔"(۳)

حضرت اخوند درویزہ کے جدِ امجد حضرت سعدی نہیں وہ شیخ سعدی کے نام سے پکارتے ہیں۔ انہوں نے ۸۱۰ھ میں پختونوں کے قبیلہ یوسف زئی سے راہ و رسم پیدا کی اور جنگ یا امن دونوں حالتوں میں اس قبیلہ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک جب شیخ ملی نے سوات اور بنیر فتح کر کے زمینوں کی تقسیم کی تو سعدی کو ان کی خدمات اور بزرگی کی بنا پر

۱۔ شیخ ملی جن کا پورا نام شیخ آدم بن ملی ہے۔ قبیلہ یوسف زئی کے مشاہیر میں سے تھے آپکا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ آپنے یوسف زیوں کو اکٹھا کر کے انہیں سوات میں حکمرانی عطا کی۔ اور پھر بندوبست اراضی کا وہ انتظام کیا کہ انگریزوں کے قبضہ سے قبل پورے صوبہ سرحد میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے اور آج بھی قبیلہ حسن زئی نصرت زئی اور دیگر قبائل میں شیخ ملی کے مرتب کردہ دستور کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ ان کے متعلق پشتو کے مشہور شاعر خوشحال خان خٹک کا کہنا ہے کہ سوات میں دو چیزیں علی یا مخفی موجود ہیں۔ درویزہ کا مخزن اور شیخ ملی کا دفتر۔

تیس آدمیوں کے برابر شمار کیا"۔ ۹۲۰ھ کو سوات و بنیر کی فتح کے بعد جب شیخ ملی نے زمینوں کی تقسیم شروع کی تو سعدی کو تیس آدمیوں کے برابر شمار کیا"(۴)

چنانچہ حضرت اخوند درویزہ فرماتے ہیں کہ "شیخ سعدی اپنی سخاوت اور عبادت کی وجہ سے بزرگ اور پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے۔ یوسف زئی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ امراء کے ساتھ ان کے تعلقات تھے اور عوام و امراء کے درمیان آپ ہمیشہ امن قائم رکھنے میں لگے رہتے تھے۔ بعدازاں ایک جنگ میں شہید ہو گئے تو سعدی کے بیٹے گدائی گرفتار ہوئے جب امیر کو معلوم ہوا تو گدائی سمیت تمام قیدی عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیئے۔ جس کے بعد گدائی دوسرے قبیلہ اسماعیل خیل کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور ایک سو آدمیوں کے حصہ کا انعام حاصل کیا"(۵)

حضرت اخوند درویزہ کے والد شیخ گدائی نے اگرچہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی جس کی وجہ سے انکا شمار علماء میں تو نہیں ہوتا لیکن بزرگوں میں انہیں مقام ضرور حاصل تھا اور علم دوست بھی تھے۔ علماء کی خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے اور اپنا دسترخوان ان کے لئے ہمیشہ کھلا رکھتے

اخوند درویزہ اپنے والد کے متعلق فرماتے ہیں کہ "والد کی وفات کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ میرے والد جو تھے آسمان پہ علماء اور صوفیہ کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اے اللہ یہ تو عالم یا صوفی نہ تھے ان کے ساتھ کیسے شریک ہو گئے اچانک ایک آواز آئی کہ خود تو عالم نہ تھا لیکن اس کے دوست تھے"۔(۶)

اخوند درویزہ کی والدہ محترمہ "بی بی قراری" نہایت پاکباز عورت تھیں انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نماز تہجد قضا نہیں کی تھی۔ ان کے متعلق اخوند درویزہ فرماتے ہیں۔

ایک دن میں نے اپنی والدہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو دائیں آنکھ بالکل نیلی ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ امی جان یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں پتہ ہے میرا باپ راتوں کا زاہد تھا جب سے میں نے نماز شروع کی ہے ان کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کرتی رہی۔ رات تمہاری لڑکی میری گود میں تھی کہ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اس حال میں ایک انگلی دیکھی لیکن کوئی آدمی دکھائی نہ دیا وہ انگلی میری آنکھ میں آگھسی اور کسی نے کہا کہ کیا آنکھیں بند کرتی ہو چار سال زندگی باقی ہے۔ چار سال بعد جب میری والدہ کی وفات ہوئی تو آنکھ اسی طرح نیلی تھی"(۲)

یہ نیک سیرت خاتون ہمیشہ یہ دعا کرتی رہتیں کہ اے اللہ میری اولاد کو پابندِ شریعت اور انسانی فلاح کے راستے پر ڈال دیجئے گا۔ یا پھر بچپن ہی میں مار دیجئے گا۔ تاکہ کوئی گناہ نہ کر سکیں ایسے علم دوست باپ اور ایسی دیندار ماں کی کوکھ نے اخوند درویزہ جیسے عالم و زاہد زمانہ کو ۹۴۰ھ میں جنا جس نے صوبہ سرحد کے لاکھوں پختونوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اپنے شیخ حضرت پیر بابا کی اس تحریک کو پروان چڑھایا جو وہ سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ حضرت سالار رومی سے لیکر ہندوستان سے کوہستانی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

(ب) تعلیم و تربیت :-

اخوند درویزہ کے والد صاحب نے چونکہ علم حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لئے بچپن میں انہوں نے اپنے بیٹے اخوند درویزہ کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔ البتہ اخوند درویزہ بچپن ہی سے محبتِ الٰہی میں غرق رہتے تھے۔ اپنی اس کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں: "بچپن میں جبکہ میں ابھی اچھی طرح سمجھتا بھی نہ تھا۔ رات اور دن

[illegible] روتا رہتا یہاں تک کہ میری والدہ میرے رونے سے تنگ ہو جاتیں اور مجھے تھپڑوں سے مارتیں لیکن کچھ نہ سمجھتیں اور میں بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ میرا رونا قبر کی تاریکی اور تنگی کے خوف کی وجہ سے ہے"(۱)

علم کی طرف رغبت اخوند درویزہ کو کس طرح ہوئی اور وہ کیا حالات تھے کہ آپ نے علم ظاہری کا حصول شروع کیا۔ اس کی تفصیل خود انہوں نے بیان کی ہے۔ ایک دن شکار کی غرض سے نکلے اور کوہ جعفر کے نزدیک شکار کے انتظار میں تھے کہ اچانک دو آدمی دیکھے جن کی کمریں کسی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں عصا تھے اور چہرے پر سفید نورانی داڑھی۔ ان دونوں نے کہا "اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ" اور غائب ہو گئے۔ حضرت اخوند درویزہ نے یہ سنا اور یاد کر لیا۔ لیکن سمجھے نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ جب وہاں سے تشریف لائے تو اپنے علاقے کے مشہور عالم مصرا محمد صاحب کو یہ واقعہ سنایا جس پر انہوں نے فرمایا کہ رات میں نے بھی تمہارے متعلق ایک خواب دیکھا ہے کہ تم ایک بڑے دریا میں ڈوب گئے ہو میں نے ہر چند ہاتھ پاؤں چلائے لیکن تم کو نہ پہنچ سکا۔ یہاں تک کہ تم مجھ سے کھو گئے۔ اور اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اگر تم نے علم حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی تو ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے کہ ہم سب تم سے پیچھے رہ جائیں گے۔ بس یہیں سے اخوند درویزہ نے علم حاصل کرنا شروع کیا اور مولانا مصرا محمد صاحب سے اس کی ابتدا کی اور صرف ایک سال میں قرآن کریم ختم کیا اور کچھ کتابیں بھی پڑھ لیں۔ حافظہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عطا کیا تھا کہ جو کچھ پڑھتے حافظے میں نقش ہو کر رہ جاتا اور وہ وقت بھی آگیا کہ خود مولانا مصرا محمد صاحب [illegible] سے بعض باتیں دریافت کرتے۔ میرے والد نے مجھے مولانا مصرا محمد

کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ مولانا نے حروفِ تہجی تختی پر میرے لئے لکھے یہ ظہر کا وقت تھا اور مغرب کے وقت تک میں نے حروفِ تہجی اور اس تختی پر جو کچھ لکھا تھا۔ یاد کر لیا۔ پھر روزانہ دو سو رتیں پڑھتا یہاں تک کہ ایک سال پورا ہونے تک میں نے قرآن کریم اور کچھ کتابیں پڑھ لیں۔ اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ جو کچھ پڑھتا وہ قوتِ حافظہ کی وجہ سے یاد رہتا اور مولانا مصر احمد بھی مجھ سے بعض باتوں کے متعلق معلوم فرماتے۔ ابتدا میں اپنے علاقے میں آپ نے نامی گرامی علماء سے علم کی پیاس بجھائی، جن میں مولانا مصر احمد مولانا زنگی پاپینی اور مولانا سنجر پاپینی شامل تھے۔ اس کے بعد آپ اپنے مرشد کی طرح مزید علم سے بہرہ ور ہونے کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور زمانے کے مشہور عالم ملا جلال الدین ہندوستانی سے علم حاصل کیا اور پھر بخارا کے یوسف صاحب سے علم کی پیاس بجھائی۔ ان دونوں علماء کا ذکر آپ نے خصوصیت سے کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے علاوہ بھی آپ نے کئی علماء سے ملاقات کر کے علمی تسکین حاصل کی چونکہ آپ کا دل یادِ الٰہی اور خوفِ خدا سے بچپن ہی سے لبریز تھا اس لئے حصولِ علم کے دوران بھی آپ یادِ الٰہی میں ڈوبے رہتے تھے اور اگر کسی کو خوفِ خدا سے دُور پاتے تو فوراً محسوس کرتے اور آپ کی روح بے قرار ہو جاتی۔ "میں بچپن سے بلوغ تک ہمیشہ خوفِ خدا اور اس کی عدالت سے ڈرتا تھا اور جب علم حاصل کرنا شروع کیا تو اپنے استاذ ملا مصر احمد اور دوسروں کو اپنے سے بھی زیادہ خوفِ خدا میں ڈوبے ہوئے پایا جس کی وجہ سے میری استعداد بھی بڑھ جاتی۔ لیکن جب ملا جمال الدین ہندوستانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں رہنے لگا تو ان کے طلباء کو دیکھا کہ نفسی اور

قہقہوں میں مشغول تھے اور بے تکلف باتیں کئے جاتے تھے اور موت کا ڈر ان کے دل میں نہ تھا۔ ان کی صحبت میں میرے دل سے آہستہ آہستہ خوفِ خدا کم ہونے لگتا اور روح بے قرار ہو جاتی"(۹)

(ج) پیر بابا سے ملاقات :۔

اخوند درویزہ پر بچپن ہی میں خوفِ الٰہی غالب تھا لیکن علم ظاہری سے فراغت کے بعد جب خصوصی طور پر حصولِ معرفت میں کوشاں ہوئے تو بے قراری اور بے چینی مزید بڑھ گئی۔ جب دل بے قابو ہو گیا تو اپنے علاقہ کے صاحبِ شریعت و طریقت ملا سنجر سے حالِ دل بیان کیا جو آپ کو حضرت پیر بابا کے پاس لے گئے۔ "حصولِ علم کے بعد بھی جب اطمینانِ قلب میسر نہ ہوا تو آپ نے اس وقت کے ایک جامع شریعت و طریقت عالم جناب ملا سنجر صاحب کی خدمت میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔
ملا سنجر صاحب جناب اخوند صاحب کو لے کر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جانشین حضرت غوث اعظم جناب سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب اخوند صاحب نے اپنے علم، زہد، ریاضت اور عبادت کا تمام حال عرض کیا اور ساتھ ہی اپنی پریشانی کا بھی تذکرہ کیا تو جناب پیر بابا نے متبسمانہ انداز میں فرمایا۔ تم تو افغانوں کے شیخ کامل بن گئے ہو۔(۱۰) لیکن اس کے ساتھ ہی پیر بابا نے اخوند درویزہ کو تنبیہہ کی کہ بغیر شیخ فانی فی اللہ کی اجازت کے ریاضت کرنے میں انسان گمراہ ہو سکتا ہے پیر بابا کی ان باتوں کا اخوند درویزہ نے اثر لیا اور ان سے اپنے حلقہ ارادت میں لینے کی درخواست کی۔ پیر بابا نے اس عالم متبحر کو سلسلہ چشتیہ میں داخل فرمایا جس کی تفصیل خود اخوند درویزہ نے بیان فرمائی ہے۔
"میں عرصۂ دراز تک آپ کی خدمت میں رہا اور عمر کا ایک بڑا حصہ آپ کے

قدموں میں بسر کیا۔ حضرت خود اپنے شیوخ کی طرف سے پانچ خانوادوں
سلسلہ کبرویہ، چشتیہ، عزیزیہ، سہروردیہ، شطاریہ اور ناجیہ علاجیہ میں
ماذون تھے جن میں سے چار کی اجازت حضرت نے مجھے عطا فرمائی تھی(۱۱)

حضرت پیر بابا نے حسب دستور اخوند درویزہ کو نماز پنجگانہ باجماعت
اوابین اور ایام بیض کے روزوں کی تلقین کی اور اخوند درویزہ صاحب
پہلے ہی ان تمام امور کے سختی سے پابند تھے اس کے بعد ذکر کی تعلیم
شروع کی گئی۔ تصفیہ و تزکیہ تو اخوند صاحب کا پہلے ہی سے تھا۔
جب استاذ کامل کی راہنمائی سے راہ مستقیم پر ہوئے تو اس درجہ
کو جا پہنچے کہ دنیا کی تمام خواہشیں جاتی رہیں اور اس سے پہلے کشف و کرامات
کی جن پریشان کن کیفیتوں سے گذر رہے تھے ان سے چھٹکارا مل گیا اور
اس کے بعد پیر بابا نے علم تصوف کے مزید دروازے ان پر کھول دیئے۔
اور فرمایا: "اپنے ایمان اور بہت سے لوگوں کے ایمان کو زوال سے بچاؤ۔
عام مسلمانوں کو سیدھا سادا دین بتاؤ کیونکہ آجکل لوگ علم پر گھمنڈ کرتے
ہوئے گمراہ ہو رہے ہیں۔ طریقت کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ اس لئے
مختلف نظریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض خدائی اشکال اور اس کے
وجود کے چکر میں پھنس جاتے ہیں اور بعض مخلوق خدا اور خدا کو
ایک دوسرے میں مدغم کرتے ہیں۔ سلوک کے راستہ میں ایسے ایسے
مقام آتے ہیں کہ سالک مختلف انوار اور روشنیاں دیکھتا ہے۔ اپنی
روح، اپنا وجود اور صفات خداوندی لیکن بہت سے لوگ ان میں
فرق نہیں کر پاتے اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ پس تم شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
پر پوری طرح باعمل رہو۔ اور اپنے آپ کو خدائی میں گم کردو۔ یہی
تصوف کی حقیقت ہے اور یہی سالک کی کامیابی و کامرانی کی پختہ دلیل ہے"(۱۲)

اخوند درویزہ پیر بابا سے ایک سبق حاصل کرتے اور دن رات اس
میں سوچ بچار کرتے اور پھر شیخ سے اس کا بیان کرتے۔ جب پیر بابا کو یقین
ہو جاتا کہ آپ مسئلے کو پوری طرح سمجھ چکے ہیں تو پھر آگے چلتے لیکن ان کا یہ حال
تھا کہ "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد" چنانچہ خود اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے
ہیں "ہاں سمجھ گیا لیکن کیا سمجھا۔ ہاں معلوم کر لیا لیکن کیا معلوم کیا۔ یعنی یہ کہ کچھ
بھی معلوم نہ ہوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "معلوم شد کہ
ہیچ معلوم نہ شد"(۱۳)

یہی وہ زمانہ تھا کہ پیر بابا کو وحدت الوجود کے ایک اور علمبردار
بایزید انصاری کی طرف سے اپنے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کی
دعوت دی گئی۔

(د) اخوند درویزہ اور روشنیہ تحریک

بایزید انصاری پیر روشن نے جب بنوں کے علاقے کو اپنا مرکز
بنایا تو آپ نے دیگر لوگوں کی طرح پیر بابا کو اپنا ہم خیال بنانے کیلئے
دعوت دی۔ اس وقت بایزید انصاری کا اس علاقے میں اچھا خاصا
اثر قائم ہو چکا تھا اور کوئی بھی آپ سے بحث و مباحثہ کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا
"اگر در آں ایام حضرت شیخنا دریں حدود نبودے معلوم نیست کہ
فردے از افراد ایں مردم مسلمان ماندے، زیرا کہ ایں لعین در دلائل عقل
بحد غلو نمودے کہ ہیچ کرام از علماء از طریقہ بحث وجدل را با او را البو بر ندے"(۱۴)

ترجمہ: "اگر اس دور میں ہمارے شیخ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے تو
نہ معلوم ان لوگوں میں کوئی مسلمان بھی ہوتا یا نہیں اس لئے کہ بایزید
دلائل عقلی میں اس قدر غلو سے کام لیتا تھا کہ مناظرے میں کوئی عالم اس کا
مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

جب پیر باباکو آپ کا دعوت نامہ ملا تو انہوں نے اسے باشندگان سعد کے لئے بلائے ناگہانی قرار دیا اور کہا کہ یہ ایسا فتنہ ہے جو شاید مشکل ہی سے رفع ہو۔" یہ دے پختانو مضبوطہ بلا نازلہ شو بیکاری نہ چہ درکرشے سکہ چہ دلتہ اسلام بادشاہ نشتہ" (۱۵)

ترجمہ:۔ پختونوں پر ایک مصیبت آن پڑی ہے جس کے ٹلنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی کیونکہ یہاں اسلامی بادشاہت نہیں۔

اخوند درویزہ صاحب کا بیان ہے کہ میں بھی پیر باباکے ہمراہ تھا کہ ایک گروہ لے کر وہ بایزید کے پاس مباحثہ کے لئے گئے۔ جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ اے پیر بابا تمہارے علاقے میں ابھی گمراہ پیر موجود ہیں، ضروری ہے کہ پہلے ان سے نمٹ لو پھر میرے پاس آؤ جس پر پیر بابا نے فرمایا انہیں ہم نے بحث میں لاجواب کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ ان کو قتل نہیں کر سکتے یہ حکمرانوں کا کام ہے۔ اگر تم بھی اپنے آپ کو گمراہ مانتے ہو تو ہم یہاں سے بھی واپس چلے جاتے ہیں۔ بایزید کبھی تو بحث کرتا اور کبھی باہمی اتحاد کے لئے میٹھی میٹھی باتیں۔ لیکن میں نے (اخوند درویزہ) اس پر سوالات و جوابات کی وہ بوچھاڑ کی کہ وہ بہت لاجواب ہو گیا۔ لیکن نفسانی خواہشات اس پر غالب تھیں مسلمان نہیں ہوا۔" (۱۶) حقیقت یہ ہے کہ

ایک اخوند درویزہ ہی نہیں بلکہ اس زمانے کے علماء و امراء دونوں بایزید کے آگے بے بس تھے۔ علمی و عسکری دونوں قوتیں ایک عرصہ تک اس تحریک کو ختم کرنے میں ناکام رہیں۔ علماء نے بڑے بڑے مناظرے کئے لیکن بازی نہ لے جا سکے اور ایک مستقل فرقہ روشنیہ کے نام سے قائم ہو گیا۔ اس فرقہ کا اثر قبائلی علاقہ میں زیادہ پھیلا

بایزید روشن کو کابل میں اکبر کے حاکم محسن خان نے گرفتار کر کے قید کر دیا لیکن رہائی کے بعد بایزید روشن نے آفریدی قبیلہ میں اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دیں اور مغلوں کو افغانی حکومت کا غاصب بنا کر اکبر کے خلاف بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔" اکبر کو فرقہ روشنیہ کے خلاف خود بھی فوج کشی کرنا پڑی لیکن اس کی سرگرمیاں کم نہیں ہوئیں اور پیر روشن کی وفات کے بعد بھی مغل حکومت روشنائیوں کو نابود نہ کر سکی اگر یہ کہا جائے کہ روشنیہ تحریک کی سب سے بڑی مخالفت اخوند درویزہ نے ہی کی تو بے جا نہ ہوگا۔" (۱۷)

اخوند درویزہ نے روشنیہ تحریک کے بانی کے عقائد پر تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے اسے گمراہ اور ملحد قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے انتہائی سختی سے کام لیا ہے اور روشنیہ تحریک پر اخوند درویزہ نے اپنی کتابوں میں بہت سے الزامات عائد کئے ہیں، مثلاً

۱۔ مخلوق صوری کو خدا جاننا:۔

اخوند درویزہ نے بایزید پر سب سے پہلا الزام یہ عائد کیا کہ وہ تمام موجوداشیاء کو خدا تصور کرتا اور مخلوقات صوری کو خدا کی ذات جانتا تھا۔ درویزہ لکھتے ہیں کہ

"کفر اول آں باشد کہ او کل اشیاء موجود را خدا می گفتند
ومخلوقات صوری را ذات خدا می دانستند" (۱۸)

۲۔ عقیدہ تناسخ کا الزام:۔

اخوند درویزہ نے بایزید پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا ہے کہ وہ ہندوؤں کی طرح عقیدۂ تناسخ کا قائل تھا "ایں ملعون بر عقیدہ مذہب تناسخ رفتہ بود و اتباع خویش را بدیں مضمون دعوت می نمود کہ بعد از مردن

حیوانات ایں اشخاص صوری منتفی و نابود خواہد گشت وارواح در صورت دیگر از صورت ہا حیوانیہ خواہد درآمد۔(۱۹)

ترجمہ:- بایزید عقیدہ تناسخ کا قائل تھا اور اپنے معتقدین کو کہتا تھا کہ حیوانات مرنے کے بعد جسمانی طور پر نیست و نابود ہو جائیں گے لیکن ان کی روحیں قالب بدل کر دوسرے حیوانات میں آئیں گی۔

۳۔ بعثت سے انکار کا الزام:-

اخوند درویزہ نے بایزید پر سب سے بڑا الزام جو عائد کیا ہے وہ انکارِ بعثت کا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: "وایں ملعون پیر تاریک منکرِ بعثت بودہ واتباع خود را می فرمود کہ"(۲۰)

ترجمہ:- اور پیر تاریک منکرِ بعثت تھا اور اپنی اتباع کی تلقین کرتا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک الزامات (مہدی ہونے کا دعویٰ خیر البیان کے کلام الٰہی ہونے کا اور وحی وغیرہ) اخوند درویزہ نے بایزید پر عائد کر کے اسے ملعون قرار دیا ہے۔ لیکن بربناء وجوہ نامعلوم اخوند درویزہ نے بایزید کی کسی ایسی تصنیف کا حوالہ نہیں دیا جس میں بایزید نے ان عقائد کی توضیح کی ہو۔ بلکہ بایزید کی کتب کے مطالعہ کے بعد ان میں سے اکثر جیسا کہ بایزید پر یہ الزام کہ وہ عقیدہ تناسخ کا قائل ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عقیدہ آخرت اور حساب و کتاب کا منکر تھا غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ واذکروا ان العذاب والراحۃ لحق کما عذاب السکرات والقبر والحسنات والکتاب والمیزان وعذاب الآخرۃ ہی۔(۲۱)

ترجمہ:- اور یاد رکھو کہ عذاب اور راحت حق ہے جیسا کہ عذابِ سکرات

عذابِ قبر اور اسی طرح اچھائیوں کو، کتاب کو، میزان کو، پل صراط کو، قیامت اور عذابِ آخرت کو یاد رکھو۔

اسی طرح دیگر الزامات کی بھی تردید بایزید کے اس مذاکرہ سے ہو جاتی ہے جو اس کے اور کابل کے قاضی القضاۃ قاضی خان کے درمیان ہوا جس کی تفصیل گذشتہ ابواب میں آچکی ہے۔ پس بات آ کر وہیں ٹھہرتی ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان جنونی اختلافات کو حل کرنے کے بجائے غلو سے کام لیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں روشنیہ تحریک پر پردہ پڑ گیا اور اس کی اصلیت یعنی پختونوں کی تحریک آزادی کو پروان چڑھنے کا موقع نہ ملا اور امراء وقت کو روشنیہ تحریک کے خلاف طاقت کے استعمال کا ایک جواز ہاتھ آگیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اکبر نے دینِ الٰہی کی تحریک بھی شروع کی تھی جس کے خلاف اخوند درویزہ کا کوئی عمل نظر نہیں آتا اور یہ بھی نہیں کہ ان کا مغلوں سے رابطہ قائم نہ ہوا ہو بلکہ مغل حکمرانوں کے گورنر کابل محسن خان کے ساتھ مل کر بایزید کے خلاف طاقت استعمال کی گئی تھی جس کے نتیجے میں بایزید گرفتار ہوا لیکن مغل اسے چھوڑ دینے پر مجبور تھے۔ ایک تو اس پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکے دوسرے روشنیہ تحریک کی ابھرتی ہوئی طاقت سے بھی ان کو خطرہ لاحق تھا لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات باہمی افہام وتفہیم سے کام لیتے اور پختونوں کی طاقت کو منتشر نہ کرتے تو نہ صرف صوبہ سرحد خصوصاً سوات میں ایک منظم حکومت قائم ہو جاتی بلکہ اس صورت میں نتائج بہت ہی دیرپا ثابت ہوتے اور مسلمانوں کی تحریک آزادی (۱۸۵۷ء) کو اس سے بہت بڑا ثمرہ حاصل ہوتا اور یقیناً تحریک آزادی کے نتائج کچھ اور ہوتے کیونکہ بعد میں سوات میں ایسی منظم حکومت ضرور قائم

ہوئی جو کسی بھی تحریک کا ساتھ دے کر اسے کامیابی سے ہمکنار کر سکتی
تھی۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر اعظم کے عہد میں مغل فوج نے دو دفعہ
سوات اور بنیر کے علاقوں پر چڑھائی کی۔ ایک تو اکبر کو یوسف زئی
کی خود مختاری بھی کھٹکتی تھی اور پھر پیر روشن کے مذہبی اقتدار اور
عروج نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر پیر روشن
اپنے منصوبوں اور ارادوں میں کامیاب ہو جاتا۔ تو ہندوستان میں مغل
اقتدار خطرے میں پڑ جاتا۔" (۲۲) اسی طرح کی حقیقت کا اعتراف اللہ بخش
یوسفی مرحوم نے اس طرح کیا ہے "اگر سوات میں شرعی حکومت اور
جنگجو قبائل کا سربراہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ
کچھ اور ہوتا۔ (۲۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ اخوند درویزہ اور
بایزید کی جنگ خالص مذہبی جنگ تھی اور اس کے پس پردہ مذہبی جذبہ
کے علاوہ اور کچھ نہ تھا یہ الگ بات ہے کہ امراء نے اس جنگ سے فائدہ
اٹھایا اور اسے سیاسی رنگ دیدیا۔ جہانتک بایزید کی کتاب
خیر البیان پر اعتراض کا تعلق ہے تو وہ یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ براہ راست
بایزید سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور یہی بات قابل اعتراض ہے۔

"او بایزیدا! بہ چہ مرگ ڈیر یادوی آدمیان او یاد دی نہ عذاب نہ
خکندن چہ روح بہ وحی نقلہ نہ آدمیان (فقالوا انما سکرت ابصارنا
بل نحن قوم مسحورون) پہ قرآن کے دی عیان (۲۴)

ترجمہ:۔ اے بایزید لوگوں سے کہو کہ موت کو بہت یاد کرو اور اس وقت
کے عذاب کو یاد کرو جب تمہاری روح قبض کی جائے گی جو کہ قرآن
میں ظاہر ہے۔

یہ صرف ایک مثال پیش کی گئی ہے ورنہ خیر البیان میں جا بجا بایزید کو

براہ راست مخاطب کیا گیا ہے اور اسی تخاطب کی بنا پر اخوند درویزہ نے
کہا کہ بایزید اپنی کتاب خیر البیان کو الہامی کتاب کہتا ہے۔ شفاعت کا انکار
بایزید صرف اس حد تک کرتا ہے کہ جو لوگ بے عمل ہیں اور ناقص پیروں
کی اس بات پر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کی شفاعت ہوگی وہ قیامت کے دن
حسرت سے ہاتھ ملیں گے اور ان کی شفاعت نہ ہوگی۔" (۲۵)

بایزید کو اگر الزام دیا جاسکتا ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے خواہ مخواہ
مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ قائم کیا جس نے اپنے مخالفوں کو مشرک تصور کرتے
ہوئے لوگوں کو باہمی اتحاد سے بیگانہ کرکے جنگ و جدال کی کیفیت برپا کی۔
جہانتک مسئلہ وحدت الوجود کا تعلق ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ
یہ مسئلہ ایسا ہے جسے نہ تو علماء آسانی سے حل کر سکے تھے اور نہ تمام صوفیہ اسے
پسند کرتے تھے جو لوگ اسلام کی سادہ تعلیم کو پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ
اس مسئلہ کی مخالفت کی ہے اور مخالفوں کے اس گروہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ
کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے کہ جنہوں نے محی الدین ابن العربی اور
ان کے شاگردوں کے رد میں اتنی سختی کی ہے اور انہیں ایسے الفاظ سے یاد کیا
ہے کہ جو لوگ ابن تیمیہ سے عقیدت رکھتے ہیں وہ بمشکل ان لوگوں کو مسلمان
کہیں گے، جس دور میں بایزید گذرا ہے اسی دور میں وحدت الوجود کا عقیدہ
ہندوستان کے صوفیہ میں مشہور تھا۔ اسی لئے عہد جہانگیری میں حضرت مجدد
الف ثانی نے اس فلسفے کی تردید کی اور اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحدت الشہود
بیان کیا ہے اور اپنے مکتوبات میں دونوں کا فرق بھی بیان کیا ہے۔
توحید شہودی یہ ہے کہ سالک ایک ذات کو دیکھتا ہے اور اسے ایک ذات
کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا اور توحید وجودی یہ ہے کہ ایک ذات کو موجود
جانتا ہے اور غیر نابود سمجھتا ہے اور اسی نابودی کو وہ ایک ذات کا مظہر

تصور کرتا ہے ۔ توحید وجودی میں ماسوا کی نفی ہے اور شرع سے مخالف عقیدہ ہے۔ اور توحید شہودی میں شرع کی مخالفت نہیں ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ سورج طلوع ہو جائے تو سایہ نظر نہیں آتا جو یہ کہے کہ سایہ معدوم ہو گیا تو اس کی خطا ہے اور اگر یہ کہے کہ میں نہیں دیکھ پاتا تو وہ درست کہتا ہے۔ صوفیہ کے اس قول پر عمل کرنا چاہیئے جس میں وہ توحید شہودی کا اشارہ دیں۔ حاشا وکلا شریعت و طریقت ایک ہی چیز ہے۔ اور جو چیز شریعت کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔" (۲۶) بایزید کا یہ کہنا کہ لقمۂ "پیدا زاں پیر تمام پیروں لہ تاچہ وارث دانبیائے" (۲۷) اور پھر اس کے بعد آگے چل کر کہتا ہے۔ من اعرض عن طاعۃ الشیخ الکامل ویدخل فی طاعۃ الناقص یذھب عن الایمان والاسلام ۔ (۲۸)

ترجمہ:۔ جو پیر کامل کی طاعت سے نکل کر پیر ناقص کی اطاعت میں لگ گیا وہ ایمان واسلام سے خارج ہوا۔

ان چند اقتباسات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحدت الوجود کے مسئلے میں اتنی شدت اور اپنے علاوہ سب کو ناقص تصور کرنا اور اس کی پوری شدت سے تبلیغ کرنا پیر بابا کی طرح ایک متشرع صوفی اور اخوند درویزہ کی طرح جید عالم برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے پوری قوت سے اس کی مخالفت کی۔ یہ صحیح ہے کہ اخوند درویزہ صاحب نے پیر روشن اور ان کے معتقدین کو تشدد اور ہتک آمیز انداز میں بیان کیا ہے اور اس میں انہوں نے اپنی شدت دکھلائی ہے لیکن ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ بایزید پیر روشن نے بھی وحدت الوجود کی تبلیغ میں انتہائی سختی سے کام لیا اور خیر البیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دوسرے پیر کو ناتمام سمجھتے تھے اور ان کے ماننے والوں کو دوزخی شمار کرتے تھے

نیز بایزید کا وحدت الوجود دوسرے صوفیاء کی طرح نہیں تھا کہ صرف ایک فلسفہ یا عقیدہ ہو بلکہ اس کا وحدت الوجود اس کے مکمل ماننے والوں کو خدائی مرتبہ تک پہنچا دیتا تھا جنہیں عبادت کی ضرورت نہ تھی بقول بایزید "عارف موحد کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ وحدت کے مقام کو پہنچ جائے تو اپنے آپ کو گناہ اور عبادت سے خلاص پائے۔ کیونکہ اگر یہ بندگی اختیار کرے گا تو خدا کی نظر میں مشرک ہوگا اور اگر عبادت نہیں کرے گا تو لوگوں کی نظر میں کافر ٹھہرے گا۔ پس لوگوں کے کفر سے جان بچانے کے لئے لوگوں کے سامنے عبادت کرے گا تاکہ نامکمل لوگ عبادت نہ چھوڑ دیں۔ اس مقام پر موحد اپنے آپ کو بے شریک تصور کرے" (۲۹) الغرض بایزید کے متعلق اس کی تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔

۱۔ بایزید انصاری وحدت الوجودی صوفیاء میں سے ایک تھے اور انہوں نے جس طرز پر خیر البیان تحریر کی ہے اس طرز پر دوسرے بزرگوں نے بھی رقمطرازی کی ہے۔

۲۔ صوفیاء کی کیفیت ان کا ذاتی تجربہ ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ اس کے ماننے پر مجبور نہیں ہوتے۔ بایزید نے لوگوں کو اپنی کتاب اور اپنی بزرگی منوانے کے لئے طاقت کا جو استعمال کیا اور نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیا یہ وحدت الوجودی صوفیاء کے مسلک سے گریز تھا۔

۳۔ بایزید نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن اس کی ولایت کا دعویٰ پیغمبری کے دعویٰ سے عملاً کم نہیں تھا۔ پیغمبر جب نبوت کا دعوے کرتا ہے تو ساتھ ہی لوگوں کے سامنے معجزات پیش کرتا ہے تاکہ اس کی نبوت میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ بایزید نے چونکہ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس لئے اس نے اپنے حلقہ میں ظاہری معجزہ یا کرامت پیش نہیں کی۔

۴۔ جن صوفیاء نے پورے یقین سے توحید کا دعویٰ کیا تھا اور لوگ جن کی بزرگی آج تسلیم کرتے ہیں ان کا علمی کمال بھی مسلّم تھا اور انکا تقویٰ اور بزرگی بھی۔ اس لئے لوگوں نے ان کے قابلِ اعتراض نکتوں کی بھی تاویل کرکے ان کو بری الذمہ قرار دے دیا جبکہ بایزید کے حلقہ میں موافق ومخالف دونوں قوتیں اور مخالفت نسبتاً زیادہ تھی۔ اسی لئے اخوند درویزہ بھی اس کی مخالفت کرنے پر مجبور تھے۔ اخوند درویزہ نے بایزید کی مخالفت مغلوں کی وجہ سے نہیں کی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اکبر اور بایزید کا مسلک ایک دوسرے کے قریب تھا۔ اس لئے شروع شروع میں اکبر نے بایزید کے بیٹے جلالہ کو بڑے احترام سے اپنے دربار میں رکھا اور بایزید کی دعوت پر اسے پورے پورے تعاون کا یقین بھی دلایا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اخوند درویزہ بایزید یا اس کی اولاد کی مخالفت میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔ بایزید اور اس کی اولاد کا تدبر اخوند درویزہ پر غالب تھا اسی لئے انہوں نے ایک عرصہ تک اپنا تسلط قائم رکھا لیکن جونہی بایزید کی اولاد سے غلطیاں سرزد ہونے لگیں اور انہوں نے اپنے بھائیوں پختونوں سے دشمنی مول لینی شروع کی تو مخالفین نے پیر بابا اور اخوند درویزہ کے فتووں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ چونکہ بایزید کی سیاسی اور مذہبی جدوجہد دونوں ناقص تھیں اور نامکمل بھی۔ اسی لئے بعد میں اس کی تحریک کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا۔

عُلومِ اِسلامیہّ کی اشاعت
اور
حضرت اخوند درویزہ

حضرت پیر بابا نے جس تحریک کو صوبہ سرحد میں پروان چڑھایا۔ آپ کی وفات کے بعد اس کی آبیاری آپ کے نامور خلیفہ حضرت اخوند درویزہ نے کی اور اس علاقہ میں علم کی کمی اور گمراہی کو دیکھتے ہوئے آپنے ان گمراہیوں کا علاج اسلامی علوم کی ترویج سے کیا اور پشتو و فارسی میں حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۔ **مخزن الاسلام**:۔ حضرت اخوند درویزہ کی یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور بقول سید تقویم الحق کاکاخیل "یہ ایک کتاب نہیں بلکہ کئی کتابوں یا رسالوں کا مجموعہ ہے جو اس غرض سے لکھی گئی کہ پختونوں کو اسلامی علوم سے آشنا کیا جائے اور اس مقصد کے لئے حضرت اخوند درویزہ صاحبؒ اپنے زمانے کی مختصر اور مشہور کتابوں کے کچھ سالم مواد اور کچھ اقتباسات پشتو میں جمع کرکے کچھ اضافے کئے اور مخزن الاسلام نام سے ایک کتاب پیش کی"[۱] اس مجموعے میں چار مکمل کتابیں ہیں۔

۲۔ **رسالہ قرأت**:۔ یہ رسالہ اخوند درویزہ صاحب کا اپنا مرتب کردہ ہے جس میں پشتو الفاظ کے مخارج اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ادبی اعتبار سے یہ بڑی اہم کوشش ہے اور پشتو ادب کے ابتدائی دور میں بڑی ہمت کا کام ہے۔

۳۔ **کتاب العقائد**:۔ حضرت ابو حفص نجم الدین نسفی (م ۵۳۷ھ) کی علم الکلام کے عقائد کی مایۂ ناز کتاب ہے اور آٹھ سو سالوں سے اس کا درس دیا جاتا ہے "علامہ سعد الدین عمر التفتازانی (م ۷۹۲ھ) نے اس کی شرح لکھی جو کہ شرح عقائد کے نام سے درس نظامی میں شامل ہے اور بعد ازاں اس شرح عقائد کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں"(۳۱) اسے بھی پشتو میں اسلئے شامل کیا گیا تاکہ پشتو پڑھنے والے بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

۴۔ **قصیدہ بُردہ شریف**:۔ شرف الدین محمد بن سعید البوصیری (م ۶۹۴ھ) کا قصیدہ بُردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں مشہور قصیدہ ہے۔ اہل تصوف اس میں بہت خوبیاں پاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کا وظیفہ کرتے ہیں۔ اسے بھی پشتو میں شامل کر کے پشتو پڑھنے والوں کو وعظ و نصیحت اور سیرتِ پاک سے آشنا کیا گیا۔

۵۔ **خلاصہ کیدانی**:۔ صوبہ سرحد میں عرصہ سے فقہ کی یہ مشہور کتاب رہی ہے اسے بھی درویزہ صاحب نے اپنی مخزن میں شامل کیا ہے۔ فقہ کی اس کتاب کی اہمیت اس کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔

گر نہ دانی خلاصہ کیدانی ؛ تو طریقہ نماز کے دانی

ان چار کتابوں کے علاوہ اخوند درویزہ نے دقتی ضرورت کے مطابق دوسری کتب سے بھی کچھ باتیں لی ہیں۔ مخزن میں حضرت نے اپنا کلام " الفہ نامہ " بھی شامل کیا ہے۔ جس میں آپ کی صوفیانہ مسلک کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اور آپ نے بتایا ہے کہ شریعت اور طریقت الگ الگ نہیں بلکہ طریقت شریعت کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے مخزن الاسلام پشتو کی ایک واحد درسی کتاب ہے جو ایک عرصہ تک پختونوں کے ہر گھر اور مسجد میں علماء کرام کے خطبوں، بزرگوں کے وظائف اور نوجوانوں کی محفلوں

میں پڑھی جاتی رہی، یہی نہیں بلکہ اس میں بیان کردہ مسائل کی روشنی میں قاضی فتوے دیتے تھے"(۳۲) پشتو اکیڈمی پشاور کی لائبریری میں اس کے کم و بیش ۱۰ قلمی نسخے موجود ہیں اور ہر ایک دوسرے سے تھوڑا مختلف ہے۔ پشتو اکیڈمی نے ۱۹۶۹ء میں مخزن کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔

۶۔ **ارشاد الطالبین**:۔ حضرت کی یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کئی فصلیں ہیں۔ پہلے باب میں توحید و ایمان، وضو، نماز کی حقیقت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں توبہ، علم و ذکر کے فضائل اور پیر کامل کی علامات کو بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں سلوک کا ذکر ہے اور چوتھے باب میں اخلاق حسنہ اور رذیلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت نے مختلف جگہ ضمناً اپنے مرشد سید پیر بابا کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ کتاب بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور اس کا ایک نسخہ مطبوعہ مطبع فیض عام دہلی ۱۲۹۹ھ۔ حضرت امیر شاہ صاحب قادری کی ذاتی لائبریری آستانہ غوثیہ یکہ توت پشاور میں موجود ہے۔

۷۔ **ارشاد المریدین**:۔ حضرت کی یہ کتاب حقائق تصوف و معارف پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے حضرت نے لکھا ہے "اما بعد بیچے از خویدیان کمینہ و مریدان کمترینہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین وارث الانبیاء والمرسلین شیخ سید علی ترمذی یعنی اضعف عباد الباری درویزہ انگر باری ھی گوید کہ از کثرت شدت تعصب دینی روز بروز در گداز و سوز آمدم"(۳۳) یہ کتاب مطبع حسینی دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۳۹ء میں چھپ چکی ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ بھی حضرت امیر شاہ صاحب قادری سجادہ نشین آستانہ غوثیہ یکہ توت پشاور کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

۸۔ **تذکرۃ الابرار والاشرار** :۔ یہ حضرت کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جسے آپ نے اسی برس کی عمر میں مرتب کیا۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں آپ کے مرشد حضرت پیر بابا کے حالات درج ہیں۔ دوسرے حصے میں پختونوں کے انساب و قبائل کا ذکر ہے جس کے ضمن میں حضرت نے کچھ اپنے حالات بھی بیان کئے ہیں۔ اور تیسرے حصے میں صوبہ سرحد کے ان صوفیاء کے حالات ہیں جن کے عقائد سے حضرت کو اختلاف رہا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ تذکرہ ان تحریکات کی عکاسی کرتا ہے جو دسویں صدی ہجری میں صوبہ سرحد کے علمی، روحانی اور سیاسی حالات پر اثر انداز ہوئیں تو بے جا نہ ہوگا۔ خصوصاً تحریک روشنیہ کا ذکر بڑی شدت سے کیا گیا ہے۔ اور اس کی مخالفت بھی۔ یہی وہ تذکرہ ہے جس میں ہمیں حضرت اخوند درویزہ اور ان کے مرشد حضرت پیر بابا کی سوانح عمری کی وہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کہیں اور سے نہیں۔

۹۔۱۰۔ **شرح اسماء الحسنیٰ اور قصیدہ** :۔ مندرجہ بالا کتب کے علاوہ یہ بھی حضرت کی تالیفات میں شامل ہیں۔ جو حضرت امیر شاہ صاحب قادری کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں اور جن کی طباعت مطبع پشاوری قصہ خوانی پشاور کے زیر اہتمام ہوئی۔ آپ کی یہ تمام تصانیف پشتو ادب میں اہم مقام کی حامل ہیں۔ "حضرت اخوند درویزہ پشتو ادب کے محسنین میں سے ہیں۔ انہوں نے پشتو زبان کے ارتقاء میں غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ انہوں نے پشتو میں کتابیں لکھ کر اس زبان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا اس لئے ان کا نام پشتو زبان کے خدمت گذاروں میں ہمیشہ عظمت سے لیا جائیگا۔" (۳۴)

(د) وفات اخوند درویزہ

حضرت اخوند درویزہ نے آخری عمر میں پشاور سے ایک میل مشرق کی

جانب موضع ہزار خوانی میں رہائش اختیار فرمائی تھی اور یہیں ۱۰۸ سال کی عمر میں ۱۰۴۸ھ کو وفات پائی۔ مفتی غلام سرور صاحب لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات کو حسب ذیل قطعے میں بیان فرمایا ہے :۔

زدنیا رفت در فردوس اعلیٰ ۔۔۔ چوں آں درویز ادرویش معظم
زوالیٔ رضا جوار تحالش ۔۔۔ بخواں درویز اعشوق مکرم (۳۵)
۱۰۴۸ھ

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالکریم پشاوری نے جن کا نام اخوند کریم داد تھا آپ کے علمی ورثہ کو دوسروں تک پہنچایا۔ آپ بھی اپنے والد کی طرح علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ "حضرت اخوند درویزہ کی تالیفات میں مخزن الاسلام کسی قدر نا تمام رہ گئی تھی سو آپکے فرزند شیخ عبدالکریم نے پوری کی۔" (۳۶) آپ کی وفات ۱۰۷۲ھ میں ہوئی۔

چوں کریم داد کرم دا اہل کسرم ؛ با قیامت گشت در جنت مقیم
اہل خلوت سال وصلش ہشت نیز ؛ دالیٔ عرفاں کریم ابن الکریم (۳۷)
۱۰۷۲ھ

(ذ) **اولاد پیر بابا** :۔ یوسف زئیوں کے ہاں قیام کے دوران آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے۔ آپ کی شریک حیات بی بی مریم کے بطن مبارک سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو صاحبزادے میاں سید حبیب اور میاں سید مصطفیٰ عطا فرمائے۔ جن میں سے میاں سید حبیب جوانی ہی میں داغ مفارقت دے گئے اور اس طرح آپکا سلسلہ نسب صرف میاں سید مصطفیٰ سے چلتا ہے

"خداوند تعالیٰ پیر بابا صاحب لہ دوہ خامن ورکڑی دو دیو توم میاں سید حبیب بابا صاحب دو دبل توم میاں سید مصطفیٰ بابا صاحب ۔ میاں شیخ حبیب بابا صاحب درہ خامن دو یو میاں سید حسن بابا صاحب یو میاں سید قاسم بابا صاحب

اوشیاں قاسم بابا صاحب پہ سوات وفن دی" (۳۸)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے پیر بابا صاحب کو دو لڑکے عطا کئے تھے ایک کا نام سید حبیب اور دوسرے کا نام سید مصطفیٰ تھا۔ سید حبیب صاحب سے پیر بابا کا سلسلہ نہیں چلا۔ البتہ سید مصطفیٰ صاحب کے تین لڑکے تھے ایک میاں سید حسن دوسرے میاں سید قاسم اور تیسرے میاں سید عبداللہ۔ ان میں سے میاں حسن و قاسم سوات میں دفن ہیں۔

پیر بابا کے بعد آپ کی اولاد کو دینی اور دُنیوی اقتدار حاصل رہا۔ سید حسن شاہ صاحب دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے اب وادیٔ سوات کے حسین مقام مرغزار میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ جبکہ سید عبداللہ صاحب کا مزار مینگورہ سے پار دریائے سوات کے کنارے شل بانڈی کے مقام پر ہے۔ "پیر بابا کی اولاد ہی میں سے سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے اس وقت ریاست سوات کا اقتدار سنبھالا جبکہ باشندگانِ ریاست اپنی طاقت کو اکٹھا کرنے کیلئے کسی مرکزی طاقت کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ پیر بابا کی اولاد سے سید عبدالجبار شاہ ساکن ستھانہ کو دعوت دے کر اقتدار سونپ دیا گیا۔ اور ۷ جنوری ۱۹۱۳ء کو سوات کے پار شمالی علاقہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا" (۳۹)

علاوہ ازیں پیر بابا کی اولاد نہ صرف سوات تک محدود رہی بلکہ ان کی اولاد کا سلسلہ صوبہ سرحد میں سوات، ملکا، ستھانہ، وادیٔ کاغان، پکھلی اور افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ ابو اسحاق محمد عجمی نے کتاب الانساب ہاشمی میں پیر بابا کے پوتے سید عبدالوہاب شاہ کے تین صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے سید جلال الدین جدِ اعلیٰ سادات کاغان و پکھلی، سید جمال الدین جدِ اعلیٰ سادات افغانستان اور حضرت سید مسعود جدِ اعلیٰ سادات، سوات بنیر، ملکا و ستھانا۔

حوالہ جات باب چہارم

۱ ـ محمد آصف خان ، " تاریخ ریاست سوات " ، پشاور فیروز سنز ، ص ـ ۵۷

۲ ـ کاکا خیل ، تقویم الحق ، سید ، " مخزن " ، (مقدمہ) پشاور : پشتو اکیڈمی ، ۱۹۶۹ ع

۳ ـ درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " پشاور : مطبع محمدی ، ص ـ ۱۲۷

۴ ـ درویزہ ، اخوند ، " ارشاد الطالبین " لاہور : گلزار ہند سٹیم پریس ، ص ـ ۳۲۰

۵ ـ ایضاً ، ص ـ ۱۶۱

۶ ـ درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " محولہ بالا ، ص ـ ۱۵۷

۷ ـ ایضاً ، ص ـ ۱۶۵

۸ ـ ایضاً ، ص ـ ۱۶۵

۹ ـ ایضاً ، ص ـ ۱۶۶

۱۰ – قادری ، امیر شاہ ، " تذکرہ علماء و مشائخ سرحد " پشاور : عظیم پبلشنگ ہاوس ، ۱۹۶۲ ع ، ص – ۲۶ – ۲۷

۱۱ – درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص – ۱۲۷

۱۲ – درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " ، محولہ بالا ، ص – ۱۴۱ – ۱۴۲

۱۳ – ایضاً ، ص – ۱۴۲

۱۴ – ایضاً ، ص – ۱۵۱

۱۵ – قاسمی ، عبدالقدوس (مرتب) " خیرالبیان " از بایزید انصاری ، پشاور : پشتو اکیڈمی ، ۱۹۶۷ع ص – ۲۶

۱۶ – درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاسرار " محولہ بالا ، ص – ۱۵۲

۱۷ – صباح الدین ، عبدالرحمان ، " ہندوستان کے سلاطین ، علماء اور مشائخ پر ایک نظر " اعظم گڑھ : دارالمصنفین ، ۱۹۶۲ ، ص – ۳۲

۱۸ – درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار والاشرار " ، محولہ بالا ، ص – ۱۳۸

۱۹ – ایضاً ، ص – ۱۵۰ – ۱۵۱

۲۰ – ایضاً ، ص – ۱۳۹

۲۱ – انصاری ، بایزید ، " صراط التوحید " پشاور : مطبع محمدی ، ص – ۳۸

۲۲ – محمد آصف خان ، " تاریخ ریاست سوات " محولہ بالا ، ص – ۲۹

۲۳ – یوسفی ، اللہ بخش " سرحد اور جدوجہد آزادی " ، لاہور : مرکزی اردو بورڈ ، ص – ۲۶

۲۴ – (۱) قاسمی ، عبدالقدوس ، (مرتب) "خیرالبیان" از بایزید انصاری ، محولہ بالا ، ص – ۲۱
(۱۱) القرآن ، ۴۹ : ۱۵

۲۵ – قاسمی ، عبدالقدوس ، (مرتب) "خیرالبیان " ، از بایزید انصاری ، محولہ بالا ، ص – ۳۳

۲۶ – الف ثانی ، مجدد ، " مکتوبات " امرتسر : اردو بازار ، ۱۳۲۰ھ ، مکتوب ۲۳

۲۷ – قاسمی ، عبدالقدوس ، (مرتب) "خیرالبیان " ، از بایزید انصاری ، محولہ بالا ، ص – ۳۳

۲۸ – ایضاً ، ص – ۲۳۷

۲۹ – ایضاً ، ص – ۲۷۶

۳۰ – کاکاخیل ، تقویم الحق ، سید ، (مرتب)"مخزن" از اخوند درویزہ ، محولہ بالا ، – دیباچہ

۳۱ – ایضاً ،

۳۲ – ایضاً ،

۳۳ – درویزہ ، اخوند ، " ارشاد المریدین "(مخطوطہ) پشاور ; یکہ توت لائبریری سید امیر شاہ قادری

۳۴ – محمد اکرام ، شیخ ، " رود کوثر " لاہور : فیروز سنز ، ۱۹۶۶ع ، ص – ۳۷

۳۵ – لاہوری ، غلام سرور ، مفتی ، " خزینۃ الاصفیاء" لاہور : المعارف ، ص – ۴۲۲ جلد اول

۳۶ – دہلوی ، محمد اختر ، مرزا ، " تذکرہ اولیائے ہند و پاک " دہلی : کتب خانہ رشیدیہ ، ۱۹۲۶ع ص – ۹۳

۳۷ – لاہوری ، غلام سرور ، مفتی ، " خزینۃ الاصفیاء" محولہ بالا ، ص – ۴۲۹

۳۸ – عبدالغفور ، مولوی ، " حیاۃ طیبہ " پشاور : حمیدیہ پریس ، ص – ۳۰ – ۳۱

۳۹ – خان ، روشن ، " تواریخ حافظ رحمت خانی " از پیر معظم شاہ ، پشاور : پشتو اکیڈمی ، ۱۹۷۷ ع ، ص – ۶۵۰

باب پنجم

پیر بابا کے معاصر صوفیہ

۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی

(الف) تعارف :

حضرت پیر بابا کی ولادت ۹۰۸ھ میں ہوئی اس وقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی عمر تقریباً پچاس برس تھی۔ جس طرح پیر بابا اور تحریک روشنائی کا تعلق مغلوں سے رہا اسی طرح شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا واسطہ بھی اس وقت مغلوں سے پڑا جب ۹۳۲ھ میں ابراہیم لودھی بابر کے ہاتھوں پانی پت میں شکست کھا کر مارا گیا تو اس کے لشکر میں حضرت عبدالقدوس بھی شامل تھے جنہیں بابر کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا اور آپ کو پیادہ پانی پت سے دہلی لے گئے وہاں پہنچ کر آپ کو رہائی حاصل ہوئی۔ اگرچہ ابتداء میں آپ اور آپ کے مریدین مغلوں سے خوش نہ تھے آپ چاہتے تو کنارہ کشی اختیار کر کے اطمینان سے زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے آپ کیسے سبکدوش ہو جاتے لہذا آپ نے بابر کو خط لکھا۔

"تمہارے لئے مناسب ہے کہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سارے عالم پر انصاف کا ایسا سایہ ڈال دو کہ کوئی بھی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ تمام لوگ عوام اور خواص شریعت محمدی پر پوری طرح گامزن ہوں۔ نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں تم علم اور علماء کی قدر کرو اور ہر شہر اور بازاروں میں محتسب مقرر کرو تاکہ وہ شرع محمدی کے انصاف کے مطابق ان بازاروں کو آراستہ کریں جن شرائط کے ساتھ زمانہ سابق

اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ (۱)

پیر بابا کی طرح شیخ عبد القدوس کا تعلق بھی سلسلہ چشتیہ سے تھا ایک مدت تک آپ نے شیخ احمد عبد الحق کی خانقاہ میں ریاضتیں اور مجاہدے کئے آپ خانقاہ میں خود جھاڑو دیتے، درویشوں کے لئے لکڑیاں لاتے یہاں تک کہ مزار مبارک ہی پر چلہ کشی شروع کی اور کھانا پینا بند کر دیا ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانے میں آپ ایسی جگہوں پر بھی رہے کہ آپ کے حجرہ میں سانپ اور دیگر حشرات الارض پڑے رہتے لیکن آپ ان سے بے پروا اپنی عبادت میں مشغول رہتے، آپ کی ان ریاضتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین فرماتے ہیں "ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانوں میں آپ کی یہ کیفیت تھی کہ اندرونی سوزش کی وجہ سے جو بھاپ نکلتی تھی اسے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ عین موسم سرما میں جبکہ برف منجمد ہوتا ہے اس عشق الٰہی کی گرمی کی وجہ سے روزانہ صبح کے وقت آپ کے سر مبارک پر باسی پانی کی کئی بالٹیاں ڈالی جاتی تھیں لیکن پھر بھی پانی میں برودت کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تھی اور وہ پانی جو سر پر ڈالا جاتا تھا اس کا یہ حال تھا کہ وہ خود گرم ہو جاتا تھا (۲) بابر کے بعد جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو اس کے عہد حکمرانی میں بھی سات سال تک حضرت حیات رہے۔ آپ سے ہمایوں کو بڑی عقیدت تھی اور ہمایوں آپ کی خدمت میں حقائق و معارف کے علم کے لئے حاضر ہوتا۔ "نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ در علم حقائق و معارف صحبت با حضرت شیخ عبد القدوس حنفی می داشت کہ او دراں فن ممتاز بود (۳)

ترجمہ۔ (نصیر الدین محمد ہمایوں حقائق و معارف کی آگاہی کے لئے شیخ عبد القدوس سے ملاقات کیا کرتا تھا کیونکہ شیخ اس فن میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔)

جس طرح شیخ نے ہمایوں کے والد بابر کو نصیحت آموز خط لکھا اسی طرح اس کے بیٹے ہمایوں کو بھی خدمت خلق اور علماء و صلحاء کی محفل سے مستفید ہونے اور ان کی خدمت کرنے کی تلقین کی اور ہمایوں کو علماء و صوفیہ سے جو تعلق تھا اور ہمایوں کو ان سے جو عقیدت تھی اس کی حضرت شیخ نے تعریف فرمائی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خدمت خلق میں خصوصاً علماء و فقراء کی خدمت میں مشغول ہو مجھے یقین ہے کہ علماء تمہاری مملکت میں اس سے بھی زیادہ امن و امان سے رہیں گے۔ اور وہ افتخار و اعزاز حاصل کریں گے جو پہلی حکومتوں اور بادشاہوں سے بڑھ جائے گا۔ ان پر جو کچھ بھی داد و دہش ہونی چاہیئے وہ دفتری دار و گیر سے آزاد ہونی چاہیئے تاکہ اس کو بہانہ بنا کر اہل شغل علم و عمل میں تفرقہ نہ ڈال سکیں (۴) اس طرح پیر بابا کے معاصرین میں شیخ عبد القدوس صاحب کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے امراء وقت کی اصلاح کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

(ب) حضرت کا مسلک اور شوق عبادت:

آپ کا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت ہی میں گذرتا۔ آپ ذکر الٰہی اور تلاوت کلام پاک میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ سخت سردیوں میں تمام رات کھڑے ہو کر عبادت میں مشغول رہتے، شب برات میں ایک ہی رات میں قرآن کریم ختم فرماتے تھے۔ "شیخ کا شب برات میں یہ معمول تھا کہ ایک قرآن مجید سو رکعتوں میں با جماعت ختم فرماتے اس رات میں آپ کے صاحبزادے شیخ احمد جو قرآن کریم کے حافظ تھے امامت کے فرائض سر انجام دیتے۔ اس طرح رمضان المبارک میں بھی آپ کے صاحبزادے شیخ احمد تراویح میں قرآن سناتے آپ پورے رمضان المبارک میں تین قرآن سنتے اور آپ نے تمام عمر اس عمل پر پابندی فرمائی۔ (۵)

آپ اپنے مسلک یعنی سلسلہ چشتیہ کے اصول وقواعد پر اس سختی سے پابند تھے کہ اس کے خلاف کسی کی بھی بات گوارا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مسئلہ وحدۃ الوجود پر گفتگو فرما رہے تھے کہ آپ کے تینوں صاحبزادوں (شیخ حمید، رکن الدین اور شیخ احمد) نے عرض کی کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق کوئی تصریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ہمیں نہیں ملتی اور نہ شارع کے نزدیک اس مسئلے پر دین کا مدار ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی وضاحت ہے لیکن آج کل اس مسئلے پر اس قدر شدت اختیار کی جاتی ہے کہ ہم اسے اپنے عقیدہ کا ایک جزو بنائے ہوئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے آخرت میں اس پر مواخذہ کیا جائے اور یہ دینی اعتبار سے ہمارے لئے ضرر ہو۔ جس کے بعد آپ نے اس مسئلے کی مزید وضاحت کی اور مجلس کے برخاست ہونے پر فرمایا کہ "میرے یہ تینوں لڑکے علم معرفت میں ناقص اور وحدۃ الوجود کے منکر ہیں ان کا مسلک ومشرب دوسرا ہے لہٰذا میں ان کے پاس نہیں رہوں گا اور کیفیت جلال میں تھانیسر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بڑی مشکل سے راستے میں ہمایوں کے امیر شاہ اسلام نے گذارش کی کہ حضرت اگر یہاں سے تشریف لے گئے تو ہمایوں یہ سمجھ کر کہ میری کسی لغزش کی بنا پر آپ ناراض ہوگئے ہیں مجھے قتل کر دے گا اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ ہی مجھے اپنے ہاتھ سے مار ڈالیں۔ اس پر آپ کا جلال کچھ کم ہوا۔ جب تھانیسر میں آپ کے خلیفہ شیخ جلال الدین تھانیسری کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جونہی قدم بوسی کے لئے آگے بڑھے حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا وہیں اپنی جگہ کھڑے رہو اور بتاؤ کہ تم کیا مسلک ومشرب رکھتے ہو۔ شیخ جلال الدین نے قرآن کریم کی وہ آیات تلاوت کیں جو وحدۃ الوجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور بہت وحدۃ الوجود کی تائید میں مشائخین کرام کے بہت سے اقوال بیان کئے۔ حضرت شیخ ان کی یہ باتیں سن کر اٹھے انہیں سینے سے لگایا اور

بہت دیر تک عشق وتوحید کے متعلق تقریر فرماتے رہے۔ شیخ رکن الدین اور حمید واحد پر تین دن تک ناراضگی رہی اس کے بعد نہایت شفقت سے انہیں سینے سے لگایا اور وحدۃ الوجود کی اہمیت بیان کی بعد میں ان تینوں بھائیوں نے وحدۃ الوجود پر رسالے لکھے (۶) چونکہ سلسلہ چشتیہ میں ذکر بالجہر پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور آپ کو اس سلسلہ سے جو لگاؤ اور انس تھا اس کا ذکر ابھی ابھی کیا گیا لہٰذا آپ نے پوری عمر پابندی سے طویل طویل ذکر کیا یہاں تک کہ بعض اوقات عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح تک ذکر میں مشغول رہتے آپ نے فرمایا کہ "میری عمر کے کئی سال اس طرح سے گذرے ہیں کہ میں عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر شروع کرتا تھا یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی (۷)" آپ کی اس ریاضت وعبادت کا اثر آپ کی زوجہ محترمہ پر بھی تھا۔ اس نے بڑی تکلیفیں اور فقر وفاقے کے ساتھ آپ کے ہمراہ زندگی بسر کی یہاں تک کہ صاحب کشف ہوئیں "حضرت شیخ کی بیوی نہایت عابدہ، زاہدہ اور ولیہ خاتون تھیں۔ اگرچہ حضرت کے گھر میں فقر وفاقے کی تکلیف رہتی دو دو تین تین وقت کے بعد کھانے کی نوبت آتی لیکن وہ اور ان کے بچے نہایت صبر وشکر سے اپنا وقت گذارتے وہ صاحب کشف خاتون تھیں جو کچھ خواب میں دیکھتیں وہی پیش آتا۔ (۸) سماع کے جواز کے بارے میں علماء اور مشائخ کا ابتدا ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض علماء نے اسے صریح طور پر حرام قرار دیا ہے اور محتاط بزرگوں نے اس مسئلے میں "نہ انکار می کنم نہ این کار می کنم" کی راہ اختیار کی ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے شیوخ سماع کو روحانی غذا قرار دیتے ہیں لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں وضاحت فرمائی ہے

از فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل الحنفی بدانکہ شوق سبحانی و ذوق ربانی در وقت سماع کہ ذوق عارفاں در آنست وشوق عاشقاں بر آنست دست می دہد ہر روز

می شود غنیمت می دانند وسعادت ابدی خوانند حضور مجلس سماع عارفاں برائے سعادت
ایں دولت است، ہر کہ را است مبارک باد اجتماع خدائے تعالیٰ وحضور ایشاں در
مجلس سماع از جہت طمع ایں دولت است تا از برکت مجلس سماع دلہائے مرداں
بے چارہ مفلسے را ذوقی رو نماید وشوقے دست دہد۔ وصوفی کہ ایشاں ابو الوقت
نیز اند نادر صنعت وقت خود اقامت شرع کردہ اند ونماز باوقات گذاردہ اند
وجمعہ وجماعت ترک نکردہ اند کہ ہرچہ یافتہ اند از دولت اقامت شرع یافتہ
اند وہر دولت کہ داشتند از دولت اقامت شرع یافتہ اند وہر دولت کہ
داشتند از دولت اقامت شرع داشتند وچنداں نباید افتاد کہ از وقت بیفتند
قساوت روئے آرد کہ شیطان را در آں دخل بود وبعضے بیتدریان را ایں واقعہ
پیش می آید والعیاذ باللہ۔ (۹)

ترجمہ۔ (فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل حنفی کی طرف سے واضح ہو
کہ سماع کے وقت اگر عارفوں کو ذوق وشوق الی اللہ حاصل ہو تو یہ غنیمت ہے
اور یہی سعادت ابدی ہے۔ عارفین مجلس سماع میں اس لئے حاضر ہوتے ہیں تاکہ
سعادت کی اس دولت کو حاصل کریں اور جسے یہ نعمت حاصل ہو جائے وہ قابل مبارکباد
ہے۔ خدا تعالیٰ کے یہ دوست اس مجلس میں صرف اس غرض سے حاضر ہوتے ہیں اور
ان کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ وہ مجلس سماع کی برکت سے مزید شوق سے مالا مال ہوں جس
کے بغیر وہ بے چارے مفلس ہیں اور اس کے ساتھ ہی ابن الوقت صوفی ہوتے ہیں
یعنی ایسے صوفی جو صرف وقتی عبادات پر تکیہ کر لیتے ہیں وہ نماز وقت کی پابندی کے
ساتھ ادا کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں بھی پابندی کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں
نے شرح کو قائم کر لیا ان کا کام صرف شرعی تقاضوں کو پورا کر دینا ہے پس انسان کو
اتنا کمتر نہیں ہو جانا چاہیئے کہ وہ ان باتوں کو بھی بھول جائے اور شیطان اس پر

حملہ آور ہو سکے ایسے واقعات بعض مبتدیوں کو پیش آتے ہیں۔)
آپ کے اس مکتوب سے آپ کی ذات میں تقویٰ کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے کہ
آپ نے سماع کی برکات بیان کرتے ہوئے ان لوگوں کی بھی تعریف کی ہے جو اگرچہ
سماع کے قائل نہیں لیکن بقیہ شرعی امور میں پابند ہیں۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو پھر ظاہر ہے
انسان اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتا جس کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس دنیا میں اسے
بھیجا ہے۔ یعنی عبادت الٰہی اب یہ اپنی اپنی مقدر اور ہمت ہے کہ وہ اس عبادت
کو کس انداز سے سرانجام دے کر کونسا مقام حاصل کرتا ہے۔

(ج) حضرت کے خلفاء:

حضرت شیخ کے خلفاء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں ان کے اپنے بیٹے شیخ حمید *

---

* آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے شیخ حمید الدین ۸۶۷ھ میں پیدا ہوئے
تصوف وعرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے آپ کے دوسرے صاحبزادے شیخ
رکن الدین ۸۹۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کے متعلق اکثر آپ کے والد فرمایا کرتے تھے کہ
اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے یہ پوچھیں کہ تم دنیا سے ہماری بارگاہ میں کیا لائے
ہو تو میں ایک ہاتھ سے شیخ رکن الدین کو اور دوسرے ہاتھ سے شیخ جلال الدین تھانیسری
کو پکڑ کر حاضر ہوں گا اور عرض کروں گا کہ اے رب کریم میں ان دونوں کو لے کر آیا ہوں
(سیر الاقطاب ص ۲۲۰)۔
شیخ رکن الدین کی مدح ملا عبد القادر نے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین
شیخ عبد القدوس کے صاحبزادے ہیں ان کے مناقب وکمالات بیان سے باہر ہیں
انہوں نے مکتوبات قدوسی کو جمع کیا۔ وہ ایک عظیم المرتبت بزرگ ہیں اور آثار کمالات

شیخ رکن الدین، شیخ احمد اور شیخ علی بھی شامل تھے۔ شیخ حمید حضرت کے سجادہ اول تھے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ جلال الدین تھانیسری* جن کے خلفاء میں سے آگے چل کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی**، مولانا رشید احمد گنگوہی*** اور مولانا محمد قاسم نانوتوی**** جیسی شخصیتیں ابھریں جنہوں نے دین اسلام کے علم کو بلند کیا۔ اعجاز الحق

ان کے چہرے سے نمایاں تھے تصوف میں بلند مرتبہ رکھتے تھے اور سلوک میں اپنے مشائخ کے نقش قدم پر چلتے تھے صاحب ذوق و حال تھے میں نے دہلی میں بیرم خان کی بغاوت کے زمانے میں ان سے ملاقات کی تھی۔ آپ کے تیسرے بیٹے شیخ احمد تصوف و عرفان اور علم و فضل کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ آپ نماز میں حضرت شیخ کی امامت فرماتے اور ماہ رمضان میں تراویح بھی آپ ہی پڑھاتے آپ صاحب تصانیف بھی تھے رسالہ علت غنا اور رسالہ فی اثبات وحدۃ الوجود آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ عبدالغنی کو وحدت الوجود کے رد میں لکھنے پر تنبیہہ کی اور انہوں نے حاکم اکبر کے دربار میں صدر الصدور کے عہدے پر ملازمت اختیار کر لی۔ آپ نے ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کے چوتھے صاحبزادے شیخ علی تھے آپ بھی اپنے بھائیوں کی طرح علم و فضل اور تزکیہ باطن سے آراستہ تھے آپ بھی اپنے والد کی طرح مسئلہ وحدۃ الوجود پر سختی سے کاربند تھے۔

* شیخ جلال الدین تھانیسری کا ذکر اس کے بعد کے صفحات میں تفصیلاً کیا جا رہا ہے۔

** حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ۱۲۳۳ھ میں ضلع سہارنپور کے مشہور قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کے بعد مدینہ میں شاہ محمد اسحق دہلوی سے فیوض باطنی حاصل کیا اور ان کے فرمانے پر ہندوستان واپس آکر ارشاد و

قدوسی نے آپ کے خلفاء میں سے بشمول آپ کے بیٹوں کے ۲۳ کو یکجا پیش کیا ہے (۵) حضرت شیخ نے اپنے تمام صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے فرمائی کہ ان کو

تلقین کا کام شروع کیا آپ کے خلفاء میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا نانوتوی جیسی شخصیتیں شامل ہیں، ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے آپ صاحب تصانیف بھی تھے اور آپ کی تصانیف میں غذائے روح، ضیاء القلوب اور تحفۃ العشاق قابل ذکر ہیں۔

*** آپ حاجی امداد اللہ کے عظیم المرتبت خلیفہ ہیں آپ نے گنگوہ شریف میں علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی جس سے سینکڑوں تشنگان معرفت و علم نے سیرابی حاصل کی۔ آپ کے حلقہ درس سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن جیسی جامع شریعت و طریقت ہستی نکلی جنہوں نے اتباع شریعت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ مولانا رشید احمد کا انتقال ۱۳۲۳ھ میں گنگوہ شریف میں ہوا۔

**** آپ ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے حضرت امداد اللہ کے خلیفہ تھے آپ علماء ربانی میں سے نہایت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے دار العلوم دیوبند کی بنیاد پر آپ نے اس ادارے کی سرپرستی فرمائی۔ عوام میں آپ کی زیادہ عظمت ان مناظروں اور مباحثوں کی وجہ سے ہوئی جو آپ نے آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے کئے ۱۲۹۲ھ میں شاہ جہاں پور میں "میلہ خدا شناسی" نامی مباحثہ میں آپ نے شرکت فرمائی۔ ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید پر ایسی معرکۃ الآراء تقریر فرمائی کہ مشرکین اور کافرین کے ہوش گم ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں قبلہ نما، تقریر دلپذیر، آب حیات، حجۃ الاسلام، دلیل محکم، ہدیۃ الشیعہ، تصفیۃ العقائد، لطائف قاسمیہ اور قاسم العلوم شامل ہیں۔ آپ نے پچاس سال کی عمر میں ۴ جمادی الاول، ۱۲۹۷ھ کو دیوبند میں وفات پائی

علم وفضل اور زہد وورع سے آراستہ کیا آپ کو اپنے بیٹوں کے علم دین کا کتنا خیال رہتا تھا اس کا اندازہ آپ کے اس مکتوب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کو تحریر فرمایا "اے بیٹے خالی لمحات کو غنیمت سمجھو اور علم حاصل کرنے میں دن رات ایک کر دو اور علم حاصل کرنے کا یہی وقت ہے اس لئے اس کے حصول کی پوری کوشش کرو تم ہمیشہ پاکیزگی، فرض کی ادائیگی سنت و نوافل میں اسی طرح خشوع و خضوع کا ثبوت دو جس کی ہمیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کیونکہ تمہارے اس عمل سے تمہیں دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہوگی اور تم اس بات کو بھی یاد رکھو کہ قیامت کے دن تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا علم حاصل کیا بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تمہارا عمل کتنا ہے اور عمل کا مقصود اخلاص اور اللہ تبارک تعالیٰ کی محبت ہے"[۱۲] حضرت شیخ کے چار بیٹوں کے علم وفضل کا بیان تو اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ اور آپ کی اولاد کے ذکر میں صرف انہی چاروں کے نام ملتے ہیں لیکن خاندان قدسیہ کے شجرے میں آپ کے دس صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں "شیخ حمید الدین، شیخ احمد، شیخ رکن الدین، شیخ محمد علی، شیخ عبدالسلام، شیخ محمد محدث، قطب الدین، ابو سعید، محی الدین اور نظام الدین"[۱۳] اسی طرح ایک اور تذکرہ نگار ہاشم کشمی نے آپ کے بیٹوں کے ناموں کا ذکر تو نہیں کیا لیکن ان کی تعداد سات بتاتے ہوئے لکھا ہے "شیخ را ہفت پسر بود کہ ہر یک در حال و قال بے مثل بود"[۱۴] علاوہ ازیں مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنے تذکرے میں آپ کے ایک ایسے صاحبزادے کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام خاندان قدسیہ کے مرتبہ شجرے میں بھی نہیں ہے "شیخ عبدالکبیر عرف بالا پیر از خلفائے ارجمند فرزند سعادت پیوند شیخ عبدالقدوس گنگوہی است در شجاعت و سخاوت و خوارق و کرامات و وجد و

ذوق و سماع و شوق بوقت خود ثانی نداشت"[۱۵] حضرت کی اولاد کے سلسلوں میں تذکرہ نگاروں کے اس اختلاف کے سامنے آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کی تصنیف لطائف قدوسی قطعی حیثیت رکھتی ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات زندگی کے بارے میں سب سے معتبر کتاب ہے اور آپ نے اس کتاب کی تصنیف خود والد محترم کی اجازت سے شروع کی تھی "میں نے یہ تحریر اور لطائف حضرت قطبی کی اجازت سے جمادی الاول ۹۴۴ھ میں لکھنی شروع کی اور حضرت شیخ کی وفات کے بعد شعبان ۹۴۴ھ میں مکمل ہوئی۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں اپنے صرف چار بھائیوں شیخ حمید الدین، شیخ احمد، شیخ رکن الدین اور شیخ محمد علی کا ذکر کیا ہے"[۱۶] اور یہی ہمارے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی صاحب تصانیف بھی تھے۔ آپ کی تصنیف کے سلسلہ میں آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا تفصیلی بیان لطائف قدوسی میں یہیں ملتا ہے "اما العلم لدنی و فیض الہی چنداں استعداد بود کہ در ہر علمے بحثہا غریب کردند و تصانیف بسیار کردند"[۱۷] لیکن علم لدنی اور فیضان الہی سے آپ کو استعداد حاصل تھا کہ ہر علم کے بارے میں دقیق بحث فرماتے تھے۔

(د) تصانیف:

آپ کی جن تصانیف کا ذکر اعجاز الحق قدوسی نے کیا ہے ان میں۔

۱۔ بحر الانشعاب جو کہ علم صرف پر ایک رسالہ ہے جسے آپ نے زمانہ طالبعلمی میں لکھا تھا۔

۲۔ شرح عوارف۔ عوارف پر آپ نے عربی میں نہایت بلند پایہ شرح تحریر فرمائی

ہوئے اسرار و نکات کو کھولا ہے۔

۳۔ رشدنامہ۔ علم تصوف پر آپ نے یہ رسالہ لکھا اور اپنے اکثر خلفاء کو اس کی باقاعدہ تعلیم دی۔

۴۔ فوائد الفقراء۔ آپ کو تلاوت قرآن کریم سے غیر معمولی شغف تھا آپ نے شیخ* سلیمان مندوسی سے جو فن تجوید میں یگانہ عصر تھے قرآن کریم کی مشق کی اور اس کے بعد فن تجوید پر یہ رسالہ لکھا۔

۵۔ رسالہ قدوسی۔ آپ نے اپنے فن تجوید کے استاد شیخ مندوسی کی تعلیم تصوف کے لئے یہ رسالہ لکھا اور ان کو انہیں باقاعدہ تعلیم دی۔

۶۔ اوراد شیخ عبدالقدوس۔ یہ حضرت کے معمولات کے اوراد و وظائف کا مجموعہ ہے جس میں آپ کے روزمرہ کے وظائف و اوراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ نے مصباح کی شرح، شرح صحائف کا حاشیہ اور دیگر رسالے بھی تصنیف فرمائے اور لطائف قدوسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فارسی میں ایک مجموعہ کلام بھی ترتیب دیا تھا۔[18] لیکن سرمایہ ادب و تصوف میں حضرت کے ان مکاتیب کو خاص اہمیت حاصل ہے جو آپ نے اسرار وقت اپنے خلفاء اور مریدین کو تحریر فرمائے۔ یہ مکاتیب نہ صرف فارسی ادب میں

---

* شیخ سلیمان مندوی تجوید قرآن میں اپنے زمانے میں بے مثل تھے آپ کے والد کا نام عفان مندوی دہلوی ہے۔ آپ زیادہ تر وقت طلبہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کرتے اور ارشاد و تلقین اور اشغال و اذکار میں بھی آپ بلند مرتبہ کے مالک تھے۔ قرأت کی تعلیم شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے آپ ہی سے حاصل کی شیخ سلیمان نے ۱۴ محرم ۹۴۹ھ کو وفات پائی آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مقبرے کے عقب میں ہے۔

فصاحت و بلاغت اور انشا پردازی کا شاہکار ہیں بلکہ ان میں تصوف کے دقیق پہلو علمی مسائل کی توضیحات، عقائد اور اعمال کی تشریحات اور رشد و ہدایت کے اہم ابواب ہیں اور ان سے جہاں ایک طرف حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی علمیت اور روحانی افکار و خیالات کی روشنی جھلکتی ہے وہاں حضرت کی اس پرخلوص جدوجہد کا اندازہ بھی ہوتا ہے جو آپ نے سلسلہ چشتیہ کے فروغ کے لئے کی۔

(۸) وفات:

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے وفات سے تقریباً تین برس قبل خلوت اختیار کر لی حتیٰ یہاں تک کہ کسی سے گفتگو بھی نہ فرماتے تھے اور ہمیشہ بے خودی میں رہتے تھے اس کے علاوہ عمر کے اس آخری حصے میں آپ پر ضعف بے حد غالب تھا جس کا ذکر آپ نے خود بھی فرمایا ہے " وآنچہ نبشتہ بودند کہ جواب عریضہ سابقہ صادر نشو دلاشح باد این فقیر را از نشستن مکتوب معذور دارند کہ کم شد و خراب گشتہ است چہ نویسد و چشم نیز خیرہ شدہ است مع ذالک اگر کسے کاغذ و دوات بیارد این فقیر املا کنند او بنویسد و بدانکلف " (۱۹)

ترجمہ۔ (اور تم نے پہلے خط کا جواب نہ ملنے کا جو لکھا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ میں لکھنے سے معذور ہوں کمزوری اور ضعیفی کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی بینائی سے محروم ہوتی جا رہی ہیں ہاں اگر کاغذ اور دوات لے کر کوئی آجائے تو لکھوا دیتا ہوں اور ظاہر ہے کہ اس میں تو تکلف ہے۔)

آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ حضرت صائم الدہر تھے تمام سال صرف پانچ دن روزہ نہیں رکھتے تھے وفات سے ایک سال قبل کا ذکر ہے کہ آپ نے پینتالیس دن تک مطلقاً کچھ نہیں کھایا اور جب ایک دن ان کے

صاحبزادے شیخ احمد نے مغرب کی نماز کے بعد آپ سے کھانے کے لئے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہ کھانے سے ہماری قوت ظاہری میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حضرت شیخ صائم الدہر تھے اور مجھے چالیس سال کی مدت میں یاد نہیں کہ آپ نے دن میں کھانا کھایا ہو تمام سال میں عیدین کے دو روز اور تین روز عید الاضحی کے یعنی صرف پانچ دن روزہ نہیں رکھتے تھے اور کبھی کبھی کھانے کے وقت اسرار معرفت بیان فرماتے تھے جب آپ سے کھانے کے لئے عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے ہماری قوت اور طاقت کھانے پر منحصر نہیں تم اس کے متعلق مطلقاً اندیشہ نہ کرو کھانا اور نہ کھانا ہمارے لئے برابر ہے۔ (۲۰)

شیخ عبد القدوس گنگوہی نے ایک طویل عمر پائی اور انسانوں کی رشد و ہدایت فرماتے ہوئے آپ نے ۲۳ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی اور ہندوستان کے ضلع سہارنپور کے قصبہ گنگوہ میں آپ کا مزار پر انوار آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے مرض الموت اور وفات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین فرماتے ہیں "۱۵ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو دوشنبہ کے دن کہ جس دن مخدوم العالم حضرت شیخ عبد الحق ردولوی* کا عرس مبارک تھا آپ سخت جاڑے میں مبتلا ہو گئے اور چار دن تک اسی حالت میں رہے پانچویں دن یعنی بروز جمعہ کچھ افاقہ ہوا اور آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی نماز جمعہ کے بعد آپ کو پھر بخار نے آگھیرا اور مزید چار دن تک آپ کو بخار آیا یہاں تک

* شیخ احمد ردولوی شیخ جلال پانی پتی کے مرید اور صاحب تصوف درویش تھے صاحب ذوق و شوق اور خوارق و کرامات تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے آپ نے ۱۵ جمادی الثانی ۷۳۷ھ کو وفات پائی۔ شیخ عبد القدوسؒ

کہ منگل کے روز ۲۳ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو چاشت کے وقت چوراسی سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ (۲۱)

گنگوہی نے ایک مدت تک آپ کی خانقاہ میں ریاضتیں اور مجاہدے کئے آپ (حضرت گنگوہی) خود روضہ مبارک میں جھاڑو دیتے، خانقاہ کے درویشوں کے لئے لکڑیاں لاتے تھے پر آپ نے جانکشی فرمائی اور عالم باطن میں انہی کی توجہ حاصل کی۔ اس طرح آپ نے شیخ عبد الحق ردولوی سے بلا واسطہ فیض روحانی حاصل کیا۔

۲- شیخ جلال الدین تھانیسری

دسویں صدی ہجری میں سلسلہ چشتیہ کے علمبرداروں نے اپنی صلاحیت اور حالات کے مطابق دین اسلام کی خدمت کی کیونکہ یہی وہ زمانہ تھا جب سلسلہ چشتیہ نے مرکزی نظام کے بجائے انفرادی طور پر کام کیا اور مختلف علاقوں میں اصلاحی تحریک شروع کی ان ہستیوں میں پیر بابا کے ساتھ ساتھ جو نام ملتے ہیں ان میں ایک گراں قدر شخصیت شیخ جلال الدین تھانیسری کی ہے آپ شیخ عبدالقدوس کے خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے علوم دینیہ کی اشاعت اور معارف یقینیہ کے پھیلانے میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ آخر میں علوم رسمیہ سے اعراض فرمایا اور جلوت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور آپکو ارکان اسلام کا اتنا خیال تھا کہ جب ضعف بے انتہا ہو اور اکثر غنودگی کی حالت میں رہتے زیادہ تر وقت تلاوت قرآن پاک، ادائے نوافل، درود اور دعائیں گذارتے تھے لیکن اذان سنتے ہی بغیر کسی سہارے کے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے خود طہارت فرماتے اور نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ لیٹ جاتے۔ ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے آپ سے دو مرتبہ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس فقیر نے بھی دو مرتبہ ان سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جبکہ وہ ۹۶۹ھ میں آئمہ تھانیسر کی تنظیم اور مفارش کے لئے تھانیسر سے آگرے تشریف لائے تھے دوسری مرتبہ ۹۸۱ھ میں حسین خان کے ساتھ جبکہ وہ یلغار کرتا ہوا الغ بیگ مرزا کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ تھانیسر سے گزرتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میں نے ان کو دیکھا سراپا نور معلوم

ہوتے تھے۔ (۲۲) "شیخ جلال الدین تھانیسری کو عہد اکبری کے علماء و صوفیہ میں خاص مقام تھا۔ خود اکبر بھی آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا لیکن آپ نے گوشہ نشینی کو چھوڑ کر کبھی دربار سے وابستگی پسند نہیں کی جب اکبر اپنے بھائی مرزا عبدالحکیم کے خلاف کارروائی کرنے جا رہا تھا تو راستے میں اس نے آپ کی زیارت کی اور آپ نے اسے توحید کی اہمیت پر نصیحت فرمائی۔" شیخ جلال الدین تھانیسری بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ علوم ظاہری اور باطنی میں کامل اور عہد اکبری کے علمائے کبار میں سمجھے جاتے تھے۔ اکبر نے جب آپ سے ملاقات کی تو اس دوران آپ نے مسئلہ توحید کی وضاحت میں یہ رباعی پڑھی۔

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ
پس برنگے ہر یکے تاب عیاں انداختہ
جملہ یک نور است اما رنگ ہائے مختلف
اختلافے درمیان این و آں انداختہ (۲۳)

ترجمہ۔ (خدا ایک آفتاب ہے جو ہزاروں شیشوں میں چمک رہا ہے گو کئی رنگ دکھائی دیتے ہیں مگر مجموعاً ایک ہی نور ہے اور اسی بات سے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے)۔

حضرت شیخ کی ایک نگاہ طالبان حق کو حق تک پہنچانے کے لئے کافی تھی لیکن ہر ایک میں اتنی استعداد نہیں ہوتی کہ وہ اسے برداشت کر سکے اسی طرح کا ایک واقعہ آپ سے بھی متعلق ہے "آپ کا ایک مرید ایک عرصہ سے آپ کی خدمت میں تھا لیکن وہ محرومی محسوس کر رہا تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ پہلے ایسے صوفیہ ہوا کرتے تھے کہ جس پر نظر ڈالتے وہ ولایت کے درجے کو پہنچ جاتا نہ معلوم آج یہ مرتبہ کس کو حاصل ہے۔ آپ کو اس کے حالات سے آگاہی ہوئی آپ نے فرمایا آج بھی ایسے مردان حق دنیا میں ہیں کہ ایک نگاہ میں طالبان حق کو حق تک پہنچا دیتے ہیں

یہ کہہ کر اس مرید پر نظر ڈالی وہ اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش آیا تو سر
قدموں میں رکھ کر عرض کی جو سالہا سال سے میں حاصل نہ کر سکا تھا آج وہ میں نے آپ
کی نگاہ فیض سے پا لیا لیکن اسی ہفتے مرید کا انتقال ہو گیا جس پر آپ نے فرمایا یہ
آدمی اس بار عظیم کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا جب اس پر بھی یہ بوجھ پڑا تو برداشت
نہ کر سکا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی (۲۴) شیخ تھانیسری کی شخصیت
پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان الفاظ میں آپ کو خراج عقیدت
پیش کیا ہے: "آپ شیخ عبدالقدوس کے مرید و خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے مشہور
عالم، عامل اور صاحب استقامت شیخ کامل تھے ابتدائی عمر سے زندگی کے آخری
دنوں تک اطاعت و عبادت و وعظ گوئی، ذکر سماع اور ذوق و حال میں مصروف رہے
آداب و نوافل کی حفاظت اور وظائف و اوقات کی رعایت میں زندگی کے آخری
وقت تک ثابت قدم رہے" (۲۵) حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری صاحب
تصنیف بھی تھے تحقیق اراضی الہند آپ کی مشہور کتاب ہے جس کا قلمی نسخہ
علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کتاب میں آپ نے جس اہم مسئلہ
کی طرف توجہ فرمائی وہ یہ ہے کہ اگر سلطان وقت کوئی زمین کسی کو عنایت کر دے تو چونکہ
وہ بیت المال کی ہوتی ہے اس لئے امام وقت جسے چاہے وہ زمین دے سکتا ہے
آپ کی دوسری تصنیف ارشاد الطالبین ہے اس کتاب میں آپ نے تصوف پر
بحث فرمائی ہے۔ عہد جہانگیری کے ایک مورخ مولوی محمد غوثی ابن حسن ابن موسی
شطاری نے فارسی میں گلزار ابرار نامی تذکرہ لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ اسلامک
بک فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کیا ہے حضرت جلال الدین تھانیسری سے اپنی
عقیدت کا اظہار اس طرح کیا ہے "آپ عالمانہ کمالات اور درویشانہ مقامات کے
جامع، دریائے توحید کے غواص اور کشتی تحقیق کے معلم تھے، شیخ عبدالقدوس حنفی

کے مرید میں رسمی علم کے فروع و اصول میں آپ کے مطالعہ کو ید بیضا حاصل تھا اکثر کتب
متداولہ پر مشکل کشا حاشیے لکھے ہیں اور تعلیقات لگائی ہیں روز روزہ میں گذرتا تھا
اور شب نماز میں گذرتی تھی۔ نماز تہجد کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے ہر روز رات دن
میں خانقاہ کے حافظوں کے ساتھ دو دفعہ قرآن ختم کیا کرتے تھے نماز ظہر سے فارغ
ہونے کے بعد درس میں مشغول ہو جاتے تھے آپ کی صحبت باطنی فروغ اور ظاہری
فیض زیادہ کرتی تھی۔ آپ درویشانہ سماع کے حریص تھے" (۲۶)

۴- شیخ سلیم چشتی

حضرت شیخ سلیم چشتی، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر پاک پٹن شریف کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ۸۹۷ھ اور وفات ۹۷۰ھ ہے۔ (یعنی آپ کی وفات پیر بابا کی وفات سے بارہ برس قبل ہوئی) عبدالقادر بدایونی کے بیان کے مطابق[۱] بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک ممالک اسلامی حجاز، روم، بغداد اور شام و نجف میں سرگرم سیاحت رہے۔ تیس مرتبہ حج کیا۔ اور آخر کار آگرہ سے دس میل دور قصبہ سیکری میں ایک پہاڑ پر سکونت اختیار کی اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اکثر ایام صائم رہتے تھے۔[۲۷] شہنشاہ اکبر کو حضرت سے خصوصی لگاؤ تھا اور جب تک آپ باحیات رہے اکبر کو شریعت محمدی سے ہٹنے نہیں دیا اور حکمران وقت پر ایسی طرح اثر تھا جس طرح حضرت خواجہ بختیار کاکی کا حضرت بوعلی قلندر اور دیگر صوفیہ کا اثر تھا۔ یہاں تک کہ شمس الدین التمش نے خواجہ بختیار کاکی کا مرید بن کر ویسی ہی فرمانبرداری کا ثبوت دیا جیسا کہ ایک مرید کو ہونا چاہیئے۔ وہ ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک ہوتا۔ عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں کیں اور انہی خوبیوں کی وجہ سے اس کو حضرت خواجہ بختیار کاکی کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی طرح شیخ سلیم چشتی نے جب تک وہ زندہ رہے۔ اکبر کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے کر دیندار اور اسلامی عزت و ناموس کا نگہبان

بنائے رکھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کا شمار اگرچہ اکابر صوفیاء میں نہیں ہوتا لیکن یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے اکبر کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے کر دیندار اور اسلامی عزت و ناموس کا نگہبان بنائے رکھا اور اب یہ الزام کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک صوفی نے تو اس کو صحیح راستے لگائے رکھا۔ لیکن علماء کے ایک گروہ نے اس کو بدظن کر کے ایک غلط سمت پر لگا دیا۔[۲۹] مغل شہنشاہ اکبر کو شیخ سلیم سے اتنی عقیدت تھی کہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند جہانگیر کی ولادت آپ ہی کے گھر پر ہوائی اور آپ سے عقیدت ہی کی بنا پر آپ کا نام سلیم رکھا۔ جب جہانگیر کی والدہ کو حمل ٹھہرا تو اسے حضرت شیخ سلیم کے مکان میں رکھا گیا۔ بلکہ جہانگیر کی ولادت انہی کی دعا کا نتیجہ تھی۔ اس لئے اکبر نے اپنے بیٹے کا نام سلیم رکھا اور فتح پور کا شہر ان کی عقیدت میں تعمیر کروایا۔[۳۰] اگرچہ جہانگیر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے مستفیض ہونے کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ آپ کی وفات اس کے بچپن میں ہو چکی تھی۔ لیکن جہانگیر شیخ کی صاحبزادی کی گود میں پلا۔ اور ان کا دودھ پیا۔ اور جہانگیر انہی کو اپنی ماں تصور کرتا تھا۔ جب شیخ ۹۷۰ھ میں برحمت حق واصل ہوئے۔ تو حضرت کے بڑے صاحبزادے شیخ بدرالدین ان کے سجادہ نشین ہوئے اور چند روز کے بعد مکہ میں جا کر وفات پائی۔ ان کا دوسرا بیٹا قطب الدین نام رکھتا تھا۔ اور وہ اس سبب سے کہ اس کی والدہ نے نورالدین محمد جہانگیر کو دودھ پلایا تھا۔[۳۱] شیخ سلیم نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ ممالک اسلامیہ عرب میں گزارا تھا۔ ابتداء میں عسرت سے زندگی بسر کی۔ لیکن جب اکبر ان کا معتقد ہوا تو ان کے حالات سدھر گئے۔ شیخ سلیم چشتی بابا فرید گنج شکر کی اولاد

میں سے تھے۔ ۹۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک ممالکِ اسلامی حجاز، روم، بغداد اور شام و نجف میں سرگرم سیاحت رہے۔ پھر سیکری میں آکر اقامت اختیار کرلی۔ ابتدائے زمانہ میں شیخ نے ریاضات شاقہ کی تھی اور عسرت میں زندگی گذاری تھی۔ جب شہنشاہ اکبر ان کا معتقد ہوگیا تو حالات بدل گئے اور انہوں نے فراغت کی زندگی اختیار کرلی۔ (۳۱) غالباً ان کا یہی تعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو گراں گذرا کہ انہوں نے کیوں اکبر سے راہ و رسم کی جبکہ علماء اکبر کے خلاف تھے لہٰذا انہوں نے شیخ سلیم پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بر در ایام جمعیتے بظاہر احوال ایشاں نیز راہ یافت و عمارت ہا و باغہا و چاہہا ساخت و در مقام مشیخت متمکن گشت۔" (۳۲)

ترجمہ:۔ گردشِ دوراں نے شیخ کے مزاج میں جمعیت پیدا کردی تھی انہوں نے عمارتیں، باغات اور کنوئیں بنوا کر سجادہ نشینی اختیار کرلی تھی۔

شیخ سلیم معتقدین کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین کرتے اور آپ کی محفل میں امیر اور غریب سب موجود ہوتے۔ اکبر کی تخت نشینی سے قبل ہیمو بقال نے آپ کو بہت پریشان کیا اور آپ حرمین شریف تشریف لے گئے اور پھر اکبر کے عہد میں واپس ہوئے۔ صاحب انوارِ صوفیہ لکھتے ہیں کہ "آپ کی مجلس بظاہر امراء و حکام کی محفلوں کے مشابہ ہوتی کسی کو نصیحت فرماتے اور کسی کو جھڑکتے تھے۔ جن لوگوں کو آپ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور آپ سے محبت و اعتقاد پیدا ہوگیا وہ آپ کے کشف و کرامات اور تصرف ظاہر و باطن کے بارے میں عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں۔" (۳۳)

پیر بابا کے معاصرین میں شیخ سلیم کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ

جس طرح پیر بابا کا تعلق مغل امراء سے تھا لیکن وہ ان کی دنیاوی جاہ و جلال کی پروا نہیں کرتے تھے اور جب بایزید نے پیر بابا کو روشنیہ تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو اس وقت انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہمارا کام توجیہ و مباحثہ کرکے کسی بھی فتنہ کا رد کرنا ہے اور یہ امراء کا کام ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے خلاف طاقت استعمال کریں کیونکہ یہاں کوئی اسلامی حکومت نہیں کہ اسلامی تعلیمات کو سرکاری حیثیت سے روشناس کریں۔ اس طرح شیخ سلیم نے بھی مغل امراء سے قریبی تعلق رکھتے ہوئے انہیں دینِ اسلام سے بے بہرہ نہیں ہونے دیا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جونہی یہ صوفی دنیا سے گذرا ہے۔ اکبر کے ابن الوقت درباری علماء نے اکبر کو ایک نئے دین کے اجراء میں نہ صرف مدد دی بلکہ علمائے حق کے خلاف اسے ابھارا۔

پیر بابا کے یہ ہمعصر صوفی پیر بابا کی وفات سے تقریباً بارہ برس قبل ۹۷۹ھ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

آپ نے بحالتِ اعتکاف ۲۹ رمضان ۹۷۹ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ اپنے انتقال سے پہلے آپ نے ایک روضہ بنانے کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے اندر مدفون ہوئے آپ کی وفات کے بعد اس روضہ کی حاکمِ وقت نے تعمیر مکمل کی۔ (۳۴)

۴۔ مست بابا

دسویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں حضرت سید نادر صاحب کی شخصیت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

آج آپ مست بابا کے نام سے مشہور ہیں آپ پندرہ[15] شوال نو سو پندرہ[915] ہجری کو تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے ایک گاؤں مڑوبہ* میں پیدا ہوئے آپ صاحب جذب و حال بزرگ تھے اس لئے مست بابا کے نام سے مشہور ہوئے اور آج تک اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ امیرزادہ صاحب** آپ کے مست بابا ملقب ہونے کی وجہ

* مڑوبہ گاؤں تحصیل نوشہرہ کے جنوبی علاقے خوڑہ میں واقع ہے۔ راولپنڈی سے سفر کرتے ہوئے جب اٹک پل پار کرتے ہیں تو بائیں جانب ایک سڑک مڑتی ہے جہاں سے ٹھیک ۲۸ کلومیٹر دور مڑوبہ گاؤں ہے۔ اس فاصلے میں دس کلومیٹر راستہ برساتی نالوں کے بیچوں بیچ گذرتا ہے۔ غالب بابا کے نام ہی سے پشاور سے روزانہ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس چلتی ہے۔ اس علاقہ کی اہم بستی نظام پور ہے جہاں ہائی سکول اور مڑوبہ میں مڈل سکول ہے۔ مڑوبہ گاؤں سے اگر شمال کو دیکھیں تو پہاڑی کی بلند چوٹی پر چراٹ چھاؤنی نظر آتی ہے جو اس گاؤں سے ۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

** حافظ امیرزادہ صاحب زیارت کاکا صاحب کے باشندے ہیں اور ہر سال رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے مزار پر آتے ہیں آپ گذشتہ بیس[20] برس سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں مذکورہ روایت آپ ہی نے بیان کی جو سینہ بسینہ چلی

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے والد حضرت غالب بابا رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سفر پر تھے اور کندھے پر بارہ[12] من وزنی چادر جو گذشتہ بارہ برس سے اٹھائے ہوئے رواں تھے کہ والد نے فرمایا کہ تم جوان ہو آگے آگے چلو جس پر آپ نے عرض کی کہ حضرت مجھے اپنا کندھا ہلکا معلوم ہو رہا ہے۔ شاید میری چادر کہیں رہ گئی ہے اس کے متعلق سوچ رہا ہوں اس لئے پیچھے آہستہ آہستہ چل رہا ہوں والد نے دیکھا تو چادر حسب دستور کندھے پر تھی فرمایا "مستہ سادر خوستا اوہ سکے باندے" یعنی اے مست چادر تو تمہارے کندھے پر ہے بس یہیں سے مست مشہور ہو گئے اور آج تک ہیں۔

حضرت مست بابا رحمۃ اللہ علیہ صوبہ سرحد کی ایک اہم روحانی شخصیت حضرت غالب بابا رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اکیسویں[21] واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ والد محترم سے اجازت لے کر مڑوبہ سے ہجرت فرمانے کے بعد شمال کی جانب لکڑے نامی گاؤں سے پرے برساتی نالہ سے اوپر اونچائی پر منتقل ہو گئے چراٹ سیمنٹ فیکٹری کو جاتے ہوئے نالہ میں داخل ہوتے ہی شمال کی جانب تقریباً ۵ کلومیٹر کے بعد اونچائی پر آپکا مزار ہے نالے کی دائیں جانب مشرق کی سمت چراٹ سیمنٹ فیکٹری ہے۔ آج کل یہاں زائرین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری پیر احمد صاحب کی ہے جن کا تعلق کابل سے ہے اور گ

آرہی ہے۔

میرے خیال سے مست کا لقب آپ کو یاد الٰہی میں غرق اور محبوب حقیقی کے عشق میں مدہوش اور مسلسل مدہوش رہنے کی وجہ سے ملا اور مذکورہ بالا روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

▲ حضرت غالب بابا رحمۃ اللہ علیہ

سے اس خدمت پر مامور ہیں ان کے ساتھ ایک اور خدمتگار گل محمد صاحب ہیں جو گذشتہ پچیس[۹۵] برس سے خدمت سرانجام دے رہے ہیں یہ چترال کے رہنے والے ہیں یہاں ایک مسجد اور پانی کا کنواں ہے بجلی موجود ہے اور زائرین کے لئے کافی رہائشی مکانات ہیں اور خواتین کو الگ ٹھہرانے کا انتظام ہے جن کی خدمت کے لئے خاتون خدمتگار موجود رہتی ہیں۔ کنوئیں کے علاوہ تین کلومیٹر دور اوپر پہاڑی چشمہ سے بھی ڈیڑھ

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) مزار مشرف ہوا ہیں ہے۔ میں اور میرے ساتھی مولانا سعید الرحمٰن جون ۱۹۸۴ء کے سخت ترین گرم ایام اور وہ بھی رمضان المبارک میں یعنی ۱۱ جون کو جناب غلام فاروق صاحب کے انتظامات کے تحت یہاں حاضر ہوئے اور یہاں کے دو معزز اور باخبر حضرات عزیز اللہ اور حیات اللہ صاحبان سے گفت وشنید کی۔ گاؤں سے ذرا ہٹ کر آپ کا گنبد نما مزار ہے جس کے اندر آپ کے علاوہ چار قبور اور ہیں۔ حیات اللہ صاحب مسجد کے امام ہیں آپ کے والد غنی شاہ نے گنبد کی تعمیر میں حصہ لیا تھا عرس کے لئے کوئی خاص دن مقرر نہیں جمعرات اور جمعہ کو ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک زائرین حاضر ہوتے ہیں جن کے قیام وطعام کا انتظام ہوتا ہے۔ اگر کوئی زائر تین یوم سے زائد رہائش رکھنا چاہے تو پھر اسے یہاں کی روایت کے مطابق کوئی نہ کوئی خدمت سرانجام دینی پڑتی ہے البتہ درس وتدریس سے متعلق حضرات پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی۔ یہاں سے چراٹ چھاؤنی کافی بلندی پر واقع ہے تقریباً ۴ کلومیٹر۔

حضرت غالب بابا رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ سہروردیہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان جا کر سلسلہ چشتیہ میں بھی بیعت کی اور پھر واپس آکر اس علاقے کو فیوض وبرکات سے مالا مال کیا اور پچانوے[۹۵] برس کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

انچ قطر کی پائپ لائن کے ذریعہ پانی لایا گیا ہے۔

مسجد کے دائیں جانب دروازے سے داخل ہوتے ہی آپ کا مزار ہے برابر کے کمرہ میں آپکے دو صاحب زدگان ابدی نیند سو رہے ہیں جو کفار* سے جنگ میں شہید ہوئے۔

آج سے پچاس برس قبل مزار پر گنبد موجود نہ تھا اور جب بھی گنبد تعمیر کرنے کی کوشش کی جاتی ناکامی ہوتی۔ جب لوگوں نے اجتماعی طور پر دعا کی کہ گنبد کی تعمیر

* اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صوبہ سرحد میں اسلام کی روشنی پانچویں صدی ہجری کے شروع ہی میں پہنچ چکی تھی لیکن اکثر علاقوں میں غیر مسلم خصوصاً ہندو اور سکھ نہ صرف سکونت پذیر تھے بلکہ معیشت پر ان کا اچھا خاصا کنٹرول تھا ان میں سے بعض شرپسند عناصر کے ساتھ مل کر دور دراز کی بستیوں میں لوٹ مار بھی کرتے اور اس طرح عام لوگوں کو سکون سے نہ رہنے دیتے۔ صوفیائے کرام کے ساتھ ان کے مریدین کی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی اور وہ تبلیغ واصلاح کے ساتھ ساتھ اس طرح کے شرپسند عناصر کے خلاف بھی نبرد آزما رہتے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قول وفعل دونوں طرح ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ——— "جب تم کوئی برا کام ہوتے دیکھو تو اسے ہاتھ سے منع کردو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو قول سے منع کردو اور اگر ایسا بھی نہ کرسکو تو پھر اس کام کو دل سے برا جانو اور یہ دل سے برا جاننا کمزور ترین ایمان ہے۔ (وقال ابو سعید رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔

(ترمذی) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے زائرین کو یہ سہولت ہوگی کہ وہ ہر موسم میں مزار پر قرآن خوانی کر سکیں گے تو پھر گنبد تعمیر ہو سکا اور نہ پہلے جونہی دن بھر تعمیری کام کر کے رات کو لوگ واپس ہوتے گنبد گر جاتا۔ یہ کام ابتداء میں دوست محمد فقیر صاحب کی نگرانی میں ہوا اور پھر اسے مکمل حضرت شاہ صاحب آف نظام پور* نے کرایا۔ اور آج تک اسی حالت میں ہے۔ گنبد کی وجہ سے مزار کے احاطہ میں بیٹھ کر ہر موسم میں تلاوت و فاتحہ آسانی کے کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ اور بجلی کا انتظام ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں پنکھے وغیرہ استعمال ہونے سے بھی زائرین کو کافی آسانیاں حاصل ہیں۔

مست بابا اور سلسلہ چشتیہ:۔

آپ کے والد محترم نے چونکہ ہندوستان جا کر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی تھی اس لئے آپ کو بھی اس کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت اور اس کا فروغ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی کی بدولت ہوا اور پہلی صدی ہجری میں اسلامی مجاہدین نے جس تحریک کا آغاز ہندوستان میں شروع کیا تھا اس کی تسخیر ہندوستان میں

(بقیہ گذشتہ صفحہ) اور صوفیاء کرام سے یہ توقع کیسی کی جا سکتی تھی کہ برائی کو وہ صرف دل سے برا جانیں۔ لہٰذا انہوں نے غیر اسلامی اور ملک دشمن تحریکوں کے خلاف عملی جہاد کیا اور اس میں اپنی اولاد مال اور جانوں تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔ مست بابا کے دو صاحبزادوں کی شہادت اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

* نظام پور اٹک پل سے دائیں جانب جنوب کو ۲۰ کلو میٹر پر واقع ایک گاؤں ہے جس کا ذکر گذشتہ فٹ نوٹ میں کیا جا چکا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے میں مست بابا اور دیگر صوفیائے کرام نے فرمائی۔ جس کا ذکر سید ابو الحسن ندوی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اگرچہ پہلی صدی ہجری میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنا شروع ہو گئے اور ۹۲ ہجری میں محمد بن قاسم نے سندھ سے ملتان تک کے علاقے کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا اور اس بر صغیر میں جا بجا داعیان اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا ہندوستان میں سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی ۴۲۱ ہجری کے سر ہے اور مستحکم اور مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری ۶۰۲ھ کے حصے میں آئی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی اور ایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی ۶۲۷ھ کے مقدر ہو چکی تھی۔" (۲۵)

غرض خواجہ معین الدین چشتی کے ہندوستان تشریف لانے سے ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب رونما ہوا آپ ۱۰ محرم الحرام ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔ اجمیر اس وقت چوہان خاندان کے مشہور راجپوت راجہ پتھورا کا دار الخلافہ تھا اور اس کی اہمیت دہلی سے بھی زیادہ تھی راجہ نے آپ کے قیام میں مشکلات پیدا کیں لیکن آپ تو ہندوستان کی قسمت چمکانے آئے تھے لہٰذا آپ نے کسی طرح کی کوئی پرواہ نہ کی اور انا ساگر* تالاب کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ یہی جگہ آجکل غریب نواز کے

---

* آپ کا مزار آج بھی اس تالاب کے کنارے واقع ہے۔ اور میں نے اکتوبر ۱۹۸۱ء میں پہلی بین الاقوامی کانفرنس برائے بدھ مت اور قومی ثقافت منعقدہ دہلی سے فراغت کے بعد اجمیر حاضری کے موقع پر اس علاقے کا مشاہداتی مطالعہ کیا۔

چلّے کے نام سے مشہور ہے۔ سید صباح الدین نے اس تاریخی واقعہ کو ان الفاظ میں محفوظ کیا ہے " اس زمانے میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا۔ اس کے حکام نے آپ کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب وہ خود ان کے مقابلے میں بے بس اور لاچار ہوئے تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے پر مامور کیا۔ ایک مشہور ہندو جوگی جے پال سے حضرت خواجہ کے بڑے معرکے ہوئے۔ لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامات سے اس پر غالب رہے جوگی نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ اسلام قبول کیا حضرت خواجہ صاحب نے جے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی "۔ (۳۶)

حضرت خواجہ صاحب نے تبلیغ دین کا کام جاری رکھا ان کی تعلیم کے اثر سے خود راجہ کے ملازمین متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہاں تک کے راجہ نے آپ کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی جس پر آپ نے فرمایا۔ پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم "(۳۷) اور ایسا ہی ہوا کہ شہاب الدین غوری نے ۵۸۸ ھ میں حملہ کر کے پتھورا کو گرفتار کیا اور جہنم واصل کر دیا۔ خواجہ صاحب کی آمد سے قبل ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ اس وقت پورا ہندوستان بت پرستی کا شکار تھا اخلاقی قدریں تباہ ہو چکی تھیں انسانیت ذات پات میں بٹی ہوئی تھی اور اللہ کے عام بندوں کے لئے زندگی ایک عذاب تھی۔ آپ نے ایسے تاریک زمانے میں نظریہ توحید پیش کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ذات پات کی تفریق کو ختم کر کے انسانیت کو مساوات اور بھائی چارے کا سبق سکھاتا ہے اور

اس کے نزدیک شرافت کا معیار صرف تقویٰ ہے آپ کی رشد و ہدایت سے لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے گئے جس سے انہوں نے اپنی افسردہ اور مضمحل زندگی میں ایک نیا کیف و سرور محسوس کیا بالکل اسی طرح حضرت مست بابا نے صوبہ سرحد میں اسلام کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کو اس وقت منور کیا جب وہ غیر اخلاقی رسم و رواج اور مخالف شریعت کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ آپ ہی کی رشد و ہدایت کی بدولت بدعت سے مجتنب ہو کر صحیح اسلامی اقدار پر کاربند ہوئے۔

اخلاقِ مست بابا:

اخلاق و عادات میں حضرت مست بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و شمائل کا بہترین نمونہ تھے بچپن ہی سے سنجیدہ تھے اور بری عادات و خصائل سے متنفر یعنی آپ اخلاق حمیدہ کے مجمع اور مظہر تھے آپ کا کوئی عمل خلاف شرع نہ ہوتا تھا فرائض ادا کرنے کے علاوہ روزمرہ کے اوراد پابندی سے ادا فرماتے تھے اپنے والد محترم سے بیعت کے بعد وظائف و اوراد کے اسباق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" ہر کلمہ را کہ از علم تصوف از پدر بہرہ می یافتم مدت یک ہفتہ خلوت را اختیار می کردم تا لجہ از ذکر و فکر بسیار و جہد و ریاضت بے شمار بعون اللہ و توفیقہ کماحقہ درمی یافتم بندہ حضرت پدر محترم تقریری نمودم حضرت ایشاں صد آفریں می گفتم (۳۸)

ترجمہ ۳۰۔ حضرت مست بابا فرماتے ہیں کہ " تصوف کا جو بھی سبق

مجھے والد صاحب عنایت فرماتے ہیں ایک ہفتہ تنہائی میں رہ کر ذکر و فکر میں انتہائی کوشش کرتا اور بے حساب ریاضت کرتا اور اللہ کے کرم سے جو کیفیت پیدا ہوتی اسے جب والد محترم سے بیان کرتا تو وہ خوب شاباشی دیتے۔

حضرت مست بابا کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کی عادت دنیاداری سے الگ رہنے کی تھی لیکن اللہ کو یہ پسند تھا کہ وہ آپ سے لوگوں کی اصلاح کا کام لیں اور وہ بھی چراٹ کی خشک اور سنگلاخ پہاڑیوں میں۔

جس طرح آپ کے معمولات و عادات سنت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مظہر تھے اسی طرح آپ کا اخلاق بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا آئینہ تھا اور آپ کی یہ اتباع سنت ہی لوگوں کی ہدایت کا سبب بنی آپ کے معتقدین اور تلامذہ کی کثیر تعداد میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آپ کے حسن اخلاق اور اتباع سنت کے نقش قدم پر نہ چلتا ہو۔ اس طرح پورے علاقے میں تقوی کی فضا تھی اور خاص و عام آپ کے فیض سے مستفیض ہوتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مصروف تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ معاشرے میں امن و سکون تھا ہر ایک دوسرے کے حقوق کا نگہبان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان کی منہ بولتی تصویر بن کر۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ* (۳۹)

ترجمہ۔ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے

* عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ والامیر راع والرجل راع علی اھل بیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ (بخاری)

سلسلے میں جوابدہ۔

مست بابا کی تعلیمات ظاہری اور باطنی کے اثر سے اس معاشرے کا ہر فرد کتاب و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھا۔

مست بابا اور حکومت وقت:۔

حضرت مست بابا ۹۱۵ھ میں اس دنیا میں تشریف لائے تھے اس سے قبل ۹۰۹ھ میں سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر تخت پر جلوہ افروز ہو چکے تھے اور ٹھیک ۹۱۵ھ میں بابر نے اس خطہ کے عوام سے بہتر تعلقات استوار کرنے کی غرض سے علاقہ سوات کے ایک ملک شاہ منصور کی بیٹی سے شادی کرنے کا ذکر خود تزک بابری میں کیا ہے* (۴۰) اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ مغل حکمران ہندوستان تک پہنچ حاصل کرنے کے لئے صوبہ سرحد کو رابطہ کے طور پر استعمال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مست بابا جیسی عظیم روحانی شخصیت سے بابر نے رابطہ قائم نہ کیا ہو لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ مست بابا نے ان سے تعاون کرنے کے بجائے عوام الناس کی روحانی اصلاح کی طرف توجہ دی اسی لئے اس دور کے مورخین اور مغل فرمانرواؤں کی ڈائریوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ مست بابا کی رہائش سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے

* تزک بابری میں بابر نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس موقع پر میں نے شاہ منصور کو یوسف زئی علاقہ کی حکومت تفویض کی تھی۔ بابر کی بیٹی گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں اپنی اس سوتیلی ماں کا ذکر افغانی آغاچہ کے نام سے کیا ہے۔

سیاست میں ملوث ہونے سے بچنے کے لئے عام راہ سے کافی دور ہٹ کر اپنا مسکن بنایا جہاں با آسانی ہر ایک کے پہنچنے کے بس کی بات نہ تھی۔

دینی مساعی (تعلیمی تبلیغی اور اصلاحی):۔

حضرت مست بابا کو آپ کے والد نے جونہی خرقہ خلافت عطا کیا آپ نے والد سے الگ رہ کر مسلمانوں کی اصلاح اور کفار کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ آپ جب لکڑ سے کے علاقہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ آپ کے اردگرد جمع ہوگئے آپ نے ان کو بدعت کی برائیوں سے آگاہ فرمایا اور شریعت پر عمل کرتے ہوئے زندگی گذارنے اور دین و دنیا کی سرخروئی حاصل کرنے کا درس دیا چونکہ یہاں کے لوگ انتہائی سادہ لوح، تضع سے پاک اور خلوص سے پُر تھے لہٰذا آپ کی نصیحت اور عملی کردار نے ان کو بے حد متاثر کیا آپ کے دروس کا ان کے دلوں پر گہرا اثر مرتب ہوا۔

حقیقت میں مست بابا ایک عالم کی حیثیت سے کم اور صوفی کی اور وہ بھی مست ملنگ اور قلندر کی حیثیت سے زیادہ مشہور تھے اور یہی وہ کردار ہے جو عوام کی اصلاح کے لئے زیادہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ آپ کے پاس لوگ اناج اور مویشی ہدیہ کے طور پر لے کر آتے لیکن یہ سب کچھ آپ مستحقین پر تقسیم فرما دیتے اور خود روکھی سوکھی کھا کر زندگی کی رمق کو برقرار رکھتے ہوئے عبادت الٰہی بجالاتے آپ قرب و جوار کی آبادیوں میں جا کر عام لوگوں کو بیعت فرماتے ہوئے انہیں ارکان اسلام پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتے اور قبیلہ کے سرداروں کو اس بات کی تلقین کرتے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کے تحت عوام کی اصلاح کی کوشش کریں اس طرح عوام ان کے نزدیک آئیں گے اور انہیں خدا نے جس دنیاوی سرداری سے بخشا ہے وہ اس سے صحیح کام لے کر آخرت میں بھی اجر

عظیم کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔

مست بابا کی اس سلسلے میں اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علمی طور پر تو یہ انتظام کیا کہ صبح کی نماز کے بعد قرآن کریم کا درس دیتے اور یہ طریقہ آج بھی نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پورے پاکستان میں اکثر جگہ رائج ہے کہ صبح کی نماز کے بعد امام صاحب تفسیر قرآن کا درس دیتے ہیں فرق یہ ہے کہ مست بابا کے دور میں لاؤڈ سپیکر نہیں تھا لہٰذا آپ اور آپ کے مریدین جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں اس کا اہتمام کرتے اور اس میں بھی معاشرتی مسائل پر زیادہ توجہ دیتے۔ یعنی حقوق العباد اس لئے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "معاشرتی فساد کی جڑ انسانی حقوق کو نظر انداز کرنا ہے اگر نماز نہیں پڑھی تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں لیکن اگر کسی کا حق مارا ہے یا کسی کو صدمہ پہنچایا ہے تو اس کی معافی اللہ کی طرف سے ہرگز نہ ہوگی"۔*[۱۴]

تبلیغی طریقہ کار آپ کا یہ تھا کہ ہندوؤں کو اسلام کی تعلیم دیتے ہوئے یہ بتاتے کہ اسلام ایسا دین ہے جس میں تمام انسان برابر ہیں کسی کو دوسرے پر برہمن، کھتری، ویش اور شدر ہونے کی وجہ سے نہ تو برتری حاصل ہے اور نہ پیدائشی تقسیم بلکہ انسان

---

* حضرت مست بابا کا یہ لفظ آج بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے بلکہ میرے خیال میں اگر آج ہمارے علماء کرام اس طرف عوام کی توجہ دلائیں تو رشوت، چور بازاری اور سفارش جیسی مذموم حرکات کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ عبادت الٰہی کی اہمیت نہیں لیکن اگر اللہ کے بندوں کے دل دکھتے رہیں تو اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوگا اسی لئے اللہ نے نماز کا مقصد فحش اور برائی سے اجتناب بیان فرمایا ہے "ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر"۔

(القرآن ۲۹:۴۵)

کے اعمال ہی اس کی بڑائی یا کم تر ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔ برہمن اگر احکام الٰہی کا کاربند نہیں تو وہ اس لئے قابل احترام نہ ہوگا کہ وہ برہمن کے خاندان میں پیدا ہوا ہے اور شودر اس لئے نفرت سے نہ دیکھا جائے گا کہ وہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہے بلکہ اللہ کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں خالق کے نزدیک قابل قدر وہی ہے جو اس کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اپنی زندگی اسی کے حکم کے مطابق بسر کرتا ہے جیسا کہ دین اسلام کی کتاب قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ "اے لوگو بے شک تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا گیا اور تم میں قبیلے اور کنبے اس لئے بنائے گئے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے بہتر وہی ہے جو اس سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح خبردار ہے (۴۲)۔

توجہ فرمایئے مست بابا کا انداز گفتگو و تبلیغ کتنا پیارا تھا اور انسانی نفسیات کے عین مطابق اور درحقیقت یہی اسلام کی روح ہے اس لئے کہ اسلام کا خدا رب العالمین ہے (۴۳) قرآن ھدی للمتقین (۴۴) ہے اور پیغمبر اسلام رحمۃ للعالمین ہے (۴۵) اور یہی ایک عام انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کو دوسروں سے الگ نہ سمجھا جائے اسے معاشرے پر بوجھ نہ تصور کیا جائے اور بحیثیت انسان اسے معاشرے میں اس کا صحیح مقام دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان تو حضرت مست بابا کے گرد پروانوں کی طرح رہتے ہی تھے ہندو بھی آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے اور اس پر خطر مقام پر وہ لوگ جن کا ذریعہ معاش لوٹ کھسوٹ ہوتا وہ بھی آپ کے مہمانوں کے نگہبان بن جاتے وہ اپنا مال تعیش کے بجائے غرباء اور مساکین پر خرچ کرتے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کتنے ہی لٹیرے آپ کے دست مبارک پر تائب ہوئے جس سے معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ ہوا اور اس طرح آپ کی اصلاحی تحریک کی بدولت لوگ علم دین کی طرف توجہ دینے لگے آپ کے مریدین قریہ قریہ جا کر لوگوں کو غیر شرعی رسم و رواج کی بندشوں سے چھٹکارا دلاتے اور انہیں اسلام کی سادہ تعلیمات کی طرف راغب کرتے اور اس طرح جرأت

کا پورا علاقہ اللہ کے ان نیک بندے کی وجہ سے اسلامی افکار کا نمونہ بن گیا اور جب بھی غیر اسلامی اور غیر ملی تحریکوں نے اس خطہ کے عوام کے سکون کو متاثر کرنے کی کوشش کی تو یہ نیک ہستیاں ان کی راہ میں سیسہ پگھلائی دیوار کی طرح حائل ہوگئیں اور ایسے موقعوں پر صوفیائے کرام کی جو خصوصیات ہوتی ہیں یعنی عملی ثبوت اس پر حضرت مست بابا پورے اترے اور وہ بھی اس شان سے کہ اپنی سب سے عزیز دولت یعنی دو بیٹوں کو قربان کر دیا اور قرآن کریم کی اس آیت کی عملی تصویر پیش کر دی کہ۔ "تم ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک عزیز ترین شے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر دو (۴۶)" اور ظاہر ہے کہ اپنی جان اور اولاد سے کیا شے زیادہ عزیز ہوسکتی ہے۔ مست بابا اپنی جان تو اللہ کی راہ میں وقف کر ہی چکے تھے پھر دو بیٹوں کی قربانی دے کر اس امتحان پر پورے اترے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو راہ ہدایت سے نوازنے سے قبل فرماتا ہے اور جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے۔ "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیتے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ جاوید ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔ البتہ ہم آزمائیں گے ایک چیز سے ڈر سے، بھوک سے، مال کی کمی سے، جان اور اجناس سے اور صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے اس لئے کہ جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کریں گے یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت و سلام ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں" (۴۷)۔

مست بابا دیگر صوفیاء و محققین کی نظر میں:۔

دیگر صوفیائے کرام کے تذکروں کے ساتھ ساتھ بہت ہی کم ذکر حضرت مست بابا کا ملتا ہے۔ مفتی سید سیاح الدین کاکا خیل نے تذکرہ شیخ رحکا میں آپ کا ذکر صرف اس قدر کیا ہے کہ۔ "غالب بابا کے صاحبزادہ سید نادر صاحب نے جو عام طور سے مست بابا کے نام سے مشہور ہیں وہاں سے نقل مکانی فرمایا

اور قدرے شمال کی طرف آکر پہاڑیوں میں رہنے لگے آپ ایک صاحب جذب و حال اور مستانہ رنگ کے بزرگ تھے اس لئے آپ کا نام بھی مست بابا مشہور ہوا آپ کا مزار قصبہ زیارت کا کا صاحب سے جانب جنوب مغرب ۷ / ۸ میل کے فاصلہ پر واقع اور مرجع خلائق ہے۔ قبر مبارک بالکل جنگل میں واقع اور آبادی سے دور ہے لیکن زائرین کے قیام و طعام غسل و وضو اور دوسری ضروریات کے لئے نہایت معقول اور خاطر خواہ انتظام ہے آنے جانے والوں کے لئے کوئی تکلیف پیش نہیں آتی (۴۸)۔

اسی طرح پشتو کے تذکروں میں کہیں کہیں آپ کا ذکر ملتا ہے مگر چند سطور تک محدود ہے۔ لیکن اُصدی ہجری کے اہم تاریخی تذکروں میں آپ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ فارسی و پشتو کے چند مخطوطات ایسے ضرور ہیں جن میں حضرت مست بابا و دیگر مقتدر ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان مخطوطات کے طبع نہ ہونے کی وجہ سے ان قابل قدر ہستیوں کی خدمات دینی و ملی سے عوام الناس آگاہی حاصل نہیں کر سکے جہاں تک عوام الناس کی عقیدت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اسکا ثبوت روزانہ دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے سفر کر کے آنے والے جوق در جوق زائرین کی موجودگی ہے جس کی وجہ سے اس جنگل میں گہما گہمی رہتی ہے اور جنگل میں منگل کا سا سماں نظر آتا ہے۔

مجمع البرکات کے مصنف نے آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے "پختونوں کے عظیم صوفی حضرت مست بابا نے اپنے دور میں اسلام کی روشنی سے بے نور دلوں کو منور کیا، لوگوں کے رہن سہن کے طریقے بدل دیئے قبائلی دشمنیوں کو ختم کر کے باہمی الفت و محبت پیدا کی۔ آپ کی محفل میں سردار، امیر و غریب اور ہر طرح کے لوگ اس طرح حاضر ہوتے کہ کوئی فرق محسوس نہ ہوتا اللہ کے خوف

نے آپ کو بظاہر مست و ملنگ بنا دیا تھا لیکن احکام شریعت میں آپ کوئی کمی واقع نہ ہونے دیتے۔ صوم و صلوٰۃ کی خود بھی پابندی فرماتے اور مریدوں کو بھی تلقین کرتے۔ ہر وقت آپ کا دستر خوان کھلا رہتا اور دور دور سے آنے والوں کو خندہ پیشانی سے خود ملتے اور آپ کے خاص مریدین ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ مختصر یہ کہ آپ نے عبادات الٰہی اور اخلاق حسنہ کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ آج بھی پختون قوم اسی وصف سے پہچانی جاتی ہے"۔ (۴۹)

مست بابا کے خلفاء و اولاد:۔

صوفیائے کرام کی اولاد روحانی نسبی سلسلے سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے یہ حضرات اپنی اولاد پر اپنے مریدین اور شاگردوں کو ترجیح دیتے ہیں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کو تازہ کرتے ہیں کہ جب آپ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تکالیف کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے ایک خادم عطا کرنے کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا۔" ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو جانے میں دوسری جانب توجہ نہیں دے سکتا"(۵۰) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر فرمایا کہ" یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں"(۵۱)۔

حضرت مست بابا نے لاتعداد اولادِ روحانی کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کی راہنمائی کے لئے شیخ المشائخ سید بہادر صاحب جیسی جلیل القدر ہستی چھوڑی جو آپ کے صاحبزادے اور دسویں و گیارہویں صدی ہجری کی اہم روحانی شخصیت تھیں آپ بہادر بابا اور ایک صاحب کے ناموں سے بھی مشہور ہیں۔ بہادر صاحب کا خطاب آپ کو والدِ محترم سے عطا ہوا اور ایک کے نام سے آپ کے فرزند حضرت شیخ رحمکار* رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنے بچپن میں پکارا کرتے تھے۔ آپ کے یہ صاحبزادے تصوف کے بلند ترین درجے پر فائز تھے اور اپنے دور کے تمام صوفیائے کرام سے

---

* حضرت شیخ رحمکار جو زیادہ تر کاکا صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ ۹۸۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کا نام کستیر گل ہے لیکن رحمدلی کا مجسمہ اعظم ہونے کی وجہ سے ہر خاص و عام کی زبان پر شیخ رحمکار سے مشہور ہوئے آپ نے اسّی برس کی عمر پائی اور پوری زندگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں گذار دی

دورانِ تحقیق موضع کاکا صاحب کی ایک اہم علمی شخصیت بہادر شاہ ظفر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہاں ایک لائبریری کا بورڈ لگا ہوا تھا لیکن کتب کا نام ونشاں نہ تھا۔ کاکا صاحب کے ساتھ ان کے صاحبزادے اور پوتے کی قبور ہیں اور بائیں جانب بڑی بہو دفن ہیں جو بڑی بی بی صاحبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ شعبہ علوم اسلامی پشاور یونیورسٹی کے اساتذہ سے تبادلہ خیال کے دوران معلوم ہوا کہ ان بزرگوں میں سے کسی پر تحقیق نہیں ہوئی ہے صرف کاکا صاحب کے سلسلہ میں ایک طالبعلم کو ASSINGMENT ملا ہے۔

اپنے زمانہ کے صوفیائے کرام میں سے کاکا صاحب کی ملاقاتیں اخون پنجو بابا، پیر سباق، اخون سالک، سید آدم بنوری اور حاجی بہادر صاحب کوہاٹی جیسی اعلیٰ روحانی

ان کا رابطہ تھا۔ اور اپنے دور میں انہوں نے لاکھوں بندگانِ خدا کی تربیت باطنی فرمانے کے ساتھ ساتھ احکام خداوندی کی اشاعت فرمائی۔ اور شیخ المشائخ کا لقب پایا آپ کی تاثیر توجہ کے ستر[۱۷] واقعات مختلف تذکروں سے نقل کر کے تذکرہ شیخ رحمکار

شخصیتوں سے ہوئی۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکتالیس[۴۱] معتبر مریدین کا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ فرمایا جن کے ہاتھ ایک خاص خط ارسال کیا اس خط کا جواب آپ نے اپنے خاص مرید شیخ جمال الدین سے تحریر کروا کے ان حضرات کو رخصت کیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالص اسلامی نظام کے قیام کے لئے ان دو جلیل القدر ہستیوں کا باہمی رابطہ موجود تھا۔ اور یہ اصلاح معاشرے کے لئے اپنے اپنے طور پر تگ ودو میں مصروف تھے۔ آپ کے زمانے کے سیاسی حالات کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت اکبر فرمان روائے ہند تھا ابھی آپ گیارہ برس ہی کے تھے کہ اکبر اور روشنائیوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی اور یہ علاقہ مسلسل فوج کشی کا مرکز بن چکا تھا۔ ۱۰۱۲ھ میں شہزادے سلیم نور الدین جہانگیر نے افغانستان جاتے ہوئے جب نوشہرہ میں قیام کیا تو اس علاقے کے لوگوں کو اعتماد میں لینے کی غرض سے پشاور کا گورنر شیر خان افغان کو مقرر کیا اور سابق گورنر احمد بیگ کابلی کو برطرف کر دیا۔ اس وقت حضرت شیخ رحمکار زندہ تھے لیکن آپ نے ان سیاسی حالات میں کوئی دخل اندازی نہ فرمائی اور ان تمام سیاسی کشمکشوں اور باہمی جنگ وجدال سے دور رہتے ہوئے اللہ کی مخلوق کو فیض روحانی سے نوازتے رہے۔

تزک جہانگیری میں آپ کی جہانگیر سے ملاقات کے ذکر کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے بار بار اصرار کہ آپ کچھ طلب فرمائیں اور آپ کے استغناء کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ جہانگیر واپسی پر قلعہ اٹک تک آپ کو ساتھ لے گیا اور وہاں سے عزت واحترام

میں بیان کیئے گئے ہیں جن سے آپ کی روحانی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس طرح حضرت مست بابا نے جب ۹۶۹ھ میں اس دنیا کو خیر آباد کہا تو آپ کے سلسلہ اصلاح باطن کو ان حضرات نے جاری و ساری رکھا۔

آج کل آپ کے مزار کی دیکھ بھال میر احمد جان فرما رہے ہیں جن کا تعلق کابل سے ہے ان کے ساتھ بارہ[12] خدمتگار ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دوسرے دن لوگ بکثرت آتے ہیں میلے کا سا سماں ہوتا ہے اور اس طرح پانچ سو سال گذرنے کے بعد بھی آج خاص و عام اس روحانی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے یہ سماں دیکھ کر بس یہی کہنے کو جی چاہتا ہے۔

غبار راہ میں وہ کیمیا، پر ناز مفاجن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے



کے ساتھ رخصت کیا یہ تمام واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں کہ مست بابا کی اولاد میں سے یہ ہستی صرف اور صرف اصلاح مسلمین میں مصروف تھی۔ ۱۰۶۳ھ میں آپ نے وفات پائی اور چار صاحبزادے (صاحبزادے پانچ تھے ایک کا بچپن میں انتقال ہو گیا) اور خواجہ شمس الدین ہروی، خواجہ جمال الدین، خواجہ گلنور، شیخ بابر، مزار گل بابا اور شیخ دریا خان چیکنی جیسے صوفیا اپنے مشن کی تکمیل کے لئے چھوڑے۔

۵۔ بہادر بابا

دسویں صدی ہجری کے صوفیائے سرحد میں بہادر بابا کا منفرد مقام ہے آپ کا اسم گرامی ایک ہے اور آپ حضرت نادر صاحب المعروف مست بابا کے صاحبزادے اور اپنے دور کے قطب شمار کئے جاتے ہیں آپ حضرت شیخ رحمکار کے والد بزرگوار ہونے کی حیثیت سے اس سلسلہ کی وہ اہم کڑی ہیں جس نے برصغیر پاکستان و بھارت میں احیائے اسلام و دین میں بنیادی کردار ادا کیا۔

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔

شیخ بہادر بابا بن سید نادر بن سید غالب بن سید آدم بن سید لیسین بن سید محبت بن سید باقر بن سید محمود بن سید احمد بن سید سیف الدین بن سید سعد الدین بن سید علی اکبر بن سید لقمان بن سید رجال بن سید جان بن سید فاتح بن سید خاتم بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفر بن حضرت امام باقر بن حضرت زین العابدین بن حضرت حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کے ان بزرگوں میں سے سید آدم صاحب وہ پہلے بزرگ ہیں جو صوبہ سرحد تشریف لائے۔ دیگر افغانستان، ایران اور عراق سے تعلق رکھتے ہیں۔

بہادر بابا کی تاریخ پیدائش :۔

بہادر بابا کے مزار پر موجودہ شجرہ طریقت کی رو سے آپ ۱۵ رمضان المبارک ۹۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:-

آپ کی پیدائش پندرہ[15] رمضان المبارک ۹۴۱ھ میں ہوئی اور چھیاسی[86] برس کی عمر پائی۔ ابتدائی تعلیم حسب قاعدہ گھر پر ہوئی۔ آپ کے والد محترم نے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا آپ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنے آبائی سلسلہ روحانیت سہروردیہ کے علاوہ چشتیہ میں بھی خرقہ خلافت والد سے حاصل کیا آپ کے دور کے اہم صوفیاء کرام میں شیخ صدر الدین صدر جہاں حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا حضرت عبد الوہاب المعروف اخون پنجو بابا اور روشنیہ تحریک کے بانی بایزید انصاری شامل ہیں آپ نے نہ صرف ان اصفیاء کے طریق تبلیغ کا گہرا مشاہدہ کیا بلکہ تحریک روشنیہ کے اثرات کو بھی ملحوظ نظر رکھا۔ تعلیم کے سلسلہ میں آپ نے صوبہ سرحد کے علماء ہی سے اکتساب علم کیا اور علم باطن والد صاحب سے براہ راست آپ کو عطا ہوا۔

تاریخی پس منظر:-

حضرت بہادر بابا کی ولادت ۹۴۱ھ میں ہوئی اس وقت ہمایوں تخت نشین ہو چکے تھے ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنے ہی بھائیوں کا تھا اگرچہ آپ نے والد محترم کی وصیت کے مطابق سلطنت مغلیہ تمام بھائیوں میں تقسیم کر دی تھی لیکن اس کے باوجود آپ کے بھائی اطمینان سے نہ رہ سکے اور آپ کو برابر پریشان کرتے رہے اور بھائیوں ہی کے عدم تعاون کی بنا پر آپ کو دس سالہ عہد حکمرانی کے بعد شیر شاہ کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑی جس کے بعد سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور جائے پناہ کے لئے صحرا نوردی کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۵۱ھ میں

ایران میں پناہ لی اور شاہ ایران کی مدد سے قندہار فتح کیا اور اپنے بھائی مرزا کامران سے نجات حاصل کی۔ بھائیوں کی مخالفت کا اندازہ ہمایوں نامہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس واقعہ سے ہوتا ہے جب ہمایوں اور اس کے دیگر بھائی لاہور میں اکٹھے تھے اور مغلیہ سلطنت کو بچانے پر غور و فکر کر رہے تھے ایسے نازک مرحلہ پر بھی مرزا کامران کا رویہ تعمیری نہ تھا جیسا کہ گلبدن بیگم نے لکھا ہے کہ "لاہور میں تیموری شہزادوں اور متعلقین کے بہت سے جتھے جمع ہو گئے اور پانچ مہینے کی مدت بے جا مباحثہ اور بے نتیجہ مشاورت میں ضائع ہو گئی۔ چاروں* بھائیوں میں اکثر ملاقاتیں ہوئیں اور مختلف تجاویز زیر بحث آئیں لیکن عمل کے لحاظ سے یہ تجویزیں بمنزلہ صفر تھیں کیونکہ کامران نے ہر تجویز کی مخالفت کی، اس کی اس مخالفت نے واضح کر دیا کہ اس کے ذہن میں فتور ہے۔" (۵۲)

آخر ایسا کیوں تھا اس کی وضاحت بھی گلبدن بیگم کے اس بیان سے ہو جاتی ہے جس میں مرزا کامران کی پالیسی کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے "مرزا کامران چاہتا تھا کہ فاتح شیر شاہ سوری سے جو آگے ہی آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا بذات خود اپنے مفید مطلب شرائط طے کرے اور پنجاب و لاہور خود لے لے اور اگر شیر شاہ سوری اس کی بات نہ مانے اور اسے پنجاب خالی کرنا پڑے تو وہ کابل کو اپنی گرفت سے نہ نکلنے دے اور ہمایوں کو اس سے دور رکھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ہمایوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ بدخشاں چلا جائے تو کامران نے اس کی مخالفت کی کیونکہ بدخشاں کو جانے والی سڑک کابل سے گزرتی تھی اور کامران کو گمان ہوا کہ ایک بار ہمایوں اس سڑک پر چل کر کابل پہنچا جو اس کا محبوب شہر تھا تو وہیں رک جائے گا اور آگے

* چار بھائیوں سے مراد ہمایوں، ناصر مرزا، مرزا کامران، اور مرزا ہندال ہیں۔

نہیں جائے گا۔ (۵۳)

ان تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوبہ سرحد کے وہ علاقے جو کابل اور پنجاب کے بیچ رابطے کا کام دیتے تھے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔ لوگ افراتفری کے عالم میں جائے پناہ تلاش کرتے کہاں کہاں نہ گئے ہوں گے اور ایسے موقعوں پر جائے پناہ کے لئے بہترین جگہ علماء و صوفیاء کی محفل ہوتی ہے۔ جہاں پناہ کے علاوہ ذہنی سکون میسر آتا ہے۔ اس وقت حضرت بہادر بابا کا چرچہ تھا لوگ دور دراز سے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے آتے تھے بے خانماں حضرات میں سے بھی اکثر نے آپ کی طرف ہی رجوع کیا ہمایوں کو ویسے بھی صوفیاء سے خصوصی لگاؤ تھا اور وہ اکثر تبرک کے طور پر ان کی محفل سے استفادہ کرتا جیسا کہ ایک موقع پر ہمایوں سید علی ترمذی کے والد سید قنبر علی کو ساتھ لے گئے جس کا ذکر تذکرہ علماء و مشائخ سرحد میں اس طرح ملتا ہے۔

"ہمایوں جب ۹۴۲ھ میں واپس کابل آیا تو جناب پیر بابا کے والد کو بطور تبرک ساتھ لے گیا"(۵۴)

بہادر بابا کی خدمات:-

جن بزرگان دین نے دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کے لئے جدوجہد کی جن حضرات نے باطن کی اصلاح پر زور دیا اور روحانی زندگی کو ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک کیا اور روحانی سلاسل میں سے اپنے اپنے سلسلوں کی نشو ونما میں اپنا حق ادا کیا ان میں حضرت بہادر بابا کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے صوبہ سرحد میں اپنے دور کے ناسازگار حالات کے

باوجود یہاں کے عوام کو عرفان و ہدایت کی روشنی دکھائی اور آپ کی خانقاہ اس خطے کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کا مرکز بنی۔ آپ نے خرقہ خلافت سلسلہ سہروردیہ اور چشتیہ میں حاصل کیا۔ ان دونوں سلسلوں سے آپ کا تعلق اس طرح ہے۔

۱۔ سلسلہ سہروردیہ اور بہادر بابا

* سید بہادر بابا
* سید نادر صاحب المعروف مست بابا
* سید غالب بابا
* حضرت نظام الدین مہاجری
* شیخ قطب الدین مہاجری
شیخ فخرالدین محبوبی
* سید جلال الدین جہانیاں
* شیخ رکن الدین
* شیخ صدرالدین عارف
* شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی
شیخ شہاب الدین سہروردی
* شیخ وجیہہ الدین محمد سہروردی
* شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عبودیت سہروردی
* شیخ احمد اسود دینوری
* شیخ جنید بغدادی
* شیخ سری سقطی

* شیخ معروف کرخی
* شیخ داؤد طائی
* شیخ حبیب عجمی
* شیخ امام حسن بصری
* حضرت علی رضی اللہ عنہ
* آقائے تمام جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ حضرت بہادر بابا اور سلسلہ چشتیہ

* حضرت بہادر بابا
* سید نادر صاحب المعروف حضرت مست بابا
* سید غالب صاحب
* شیخ بہاؤ الدین صامت
* شیخ حامد الدین
* شیخ حسام الدین
* شیخ نور قطب عالم
شیخ علاؤ الدین
* شیخ عمر اسد اللہ نوری
* شیخ سراج الدین
* شیخ نظام الدین اولیاء
* شیخ فرید گنج شکر
* قطب الدین بختیار کاکی

* خواجہ معین الدین اجمیری
* خواجہ عثمان ہرونی
* خواجہ حاجی شریف زندانی
* خواجہ مودود چشتی
* خواجہ ابو یوسف چشتی
* خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی
* خواجہ ابی احمد ابن فرسانہ
* خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی
* خواجہ ممشاد علو دنیوری
* خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصری
* خواجہ سعد الدین حذیفہ المرعشی
* خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخی
* خواجہ ابی الفیض ابن عیاض
* خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن زید
* خواجہ حسن بصری
* حضرت علی رضی اللہ عنہ
* رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس طرح ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنی روحانی قوت سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا اسی طرح حضرت بہادر بابا نے بھی اپنی روحانی قوت کے بل بوتے پر دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانے میں لوگوں کے دلوں کو قرار و سکون بخشا۔

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ پہلی صدی ہجری میں اسلامی مجاہدین نے جس تحریک کا آغاز ہندوستان میں شروع کیا تھا اس کی تسخیر ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی اور صوبہ سرحد میں حضرت بہادر بابا نے فرمائی۔ حضرت بہادر بابا کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ ایک ایسے علاقہ میں جو دور دراز اور سنگلاخ پہاڑوں پر محیط تھا اور لوگ مختلف قبیلوں میں اس طرح بٹے ہوئے تھے کہ ہر قبیلہ اپنے آپ کو افضل سمجھتا تھا اور معمولی باتوں پر نہ رکنے والی خون ریزی شروع ہو جاتی تھی۔ آپ نے نظریہ توحید پیش کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ اسلام میں یہ سب چیزیں بعد کے درجے کی ہیں۔ قبیلے اور ذاتیں تو صرف ایک دوسرے کی پہچان کے لئے ہیں اللہ کے نزدیک تو بہتر وہ ہے جس کا تقویٰ زیادہ ہو (۵۵) یعنی جو اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے اور اس کے بندوں کے حقوق بطریق احسن ادا کرتا ہو آپ کی ان تعلیمات اور پھر آپ کی ذات مجسم تقویٰ و پرہیزگاری سے لوگ متاثر ہو کر جوق در جوق آپ کی طرف رجوع ہوئے اور انہوں نے اپنی افسردہ اور مضمحل زندگی میں ایک نیا کیف و سرور محسوس کیا۔ اور وہ لوگ جو غیر اخلاقی رسم و رواج اور غیر شرعی امور میں منہمک تھے آپ ہی کی رشد و ہدایت کی بدولت برائیوں سے مجتنب ہو کر صحیح اسلامی اقدار پر کاربند ہوئے اور اس طرح ۷۶ برس کی عمر میں اللہ کے یہ نیک بندے ۱۰۱۰ھ میں رجوع الی اللہ ہوئے۔

یادگارِ بہادر بابا:

حضرت بہادر بابا نے اکابرین کے جس مشن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اس کی تکمیل اور اسے تاقیامت جاری و ساری رکھنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو حضرت شیخ رحمکار المعروف

کاکا صاحبؒ* جیسے فرزند عطا فرمائے جنہوں نے اپنی روحانی تعلیمات سے اس خطے میں وہ چراغ روشن رکھے کہ جن کی لو سے آج بھی یہ خطہ نورِ اسلام سے منور نظر آتا ہے۔ اور جب بھی اسلامی تحریک کی بات ہوتی ہے تو اس خطے کے عوام آگے آگے ہوتے ہیں۔ تحریک مجاہدین** ہو۔ اسلام کے نام پر تحریک پاکستان*** ہو یا پھر اسلام کے نام پر لٹے پٹے قافلے**** ہوں سب کے لئے آنکھیں بچھانا یہ عوام اپنے لئے بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔ اور یہ اعزاز انہیں حضرت بہادر بابا اور دیگر صوفیائے کرام کی صحبتوں سے حاصل ہوا۔

* پشتو میں بزرگ و محترم اور قابلِ عزت شخصیت کے لئے کاکا کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ فارسی میں بابا۔ پختونوں کے دلوں میں شیخ رحمکار کے لئے بے انتہا عقیدت و احترام تھا اس لئے وہ آپ کو کاکا صاحب کے نام سے یاد کرتے اور اسی نام کی وجہ سے آپ کی اولاد کاکا خیل کہلاتی ہے۔

** سید احمد شہید نے ہندوستان سے آکر اس خطہ میں اپنی تحریک شروع کی۔

*** صوبہ سرحد کی عوام نے اکثریت سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا اور اس میں پیر عبداللطیف صاحب زکوڑی شریف اور پیر صاحب مانکی شریف جیسی روحانی شخصیات نے بنیادی کردار ادا کیا۔

**** افغان مہاجرین کو پناہ دے کر صوبہ سرحد کے عوام نے انصارِ مدینہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔ حالانکہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو صوبہ سرحد سے افغانستان جانے والے مسلمانوں کو کڑی صعوبتیں برداشت کرنی پڑی تھیں جیسا کہ مجاہدین ہزارہ کے مصنف رقمطراز ہیں۔ "بعض باشندگان افغانستان نے بھی کچھ بے مروتی برتی تو مہاجرین میں بد دلی پھیلنے لگی ان میں باہمی اختلاف شروع

مزار بہادر بابا:۔

میں نے بنفس نفیس آپ کے مزار پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کی لکڑ کے گاؤں سے بائیں جانب برساتی نالہ سے ہوتے ہوئے آپ کے مزار تک جانا پڑتا ہے اکثر راستہ دو پہاڑیوں کے بیچوں بیچ گذرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محفوظ قلعے میں سفر کر رہے ہیں بلکہ بعض جگہ تو آسمان بھی نظر نہیں آتا۔ ٹرانسپورٹ کی سہولت حاصل ہے۔ زیادہ تر جمعرات کو ٹرانسپورٹ بکثرت مہیا ہوتی ہے اور اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ بسوں، سوزوکی، ویگن اور ٹرکوں کے لمبی قطاریں لگ جاتی ہیں مقامی زائرین زیارت کا کا صاحب کے راستہ سے آتے ہیں جو اگرچہ دشوار گذار ہے لیکن ۹ کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔

آجکل مزار کی دیکھ بھال غلام اکبر صاحب کر رہے ہیں جن کا تعلق اسی علاقے کے ایک گاؤں صدو خیل سے ہے جو یہاں سے ۵ کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔

مزار اونچائی پر واقع ہے پختہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک چھوترے میں داخل ہوتے ہیں جس میں چار قبور ہیں آپ کی مرقد کے علاوہ بائیں جانب پاؤں کی طرف آپ کی زوجہ محترمہ کی آخری آرامگاہ ہے۔ اوپر کی جانب لوٹا اور سر کے بائیں

ہوئے وہ ٹولیوں میں بٹ گئے اس طرح کچھ تو مصائب کے مقابلے کی تاب نہ لاکر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے جن کی غیرت نے واپس لوٹنا گوارا نہ کیا وہ تو افغانستان میں مقیم ہو کر محنت مزدوری سے پیٹ بھرنے لگے یا مارے مارے بلا منزل کا تعین کئے ادھر ادھر پہاڑوں میں سر پھوڑنے لگے۔

(مجاہدین ہزارہ ص ۶۳ - ۱۶۲ مطبوعہ جنوری ۱۹۸۰ء)

جانب وہ قبر ہے جس کے متعلق سینہ بسینہ یہ روایت چلی آتی ہے کہ ایک مردہ لڑکا آپ کی خدمت میں لایا گیا جو آپ کی کرامت سے زندہ ہو گیا اور پھر زندگی بھر آپ کی خدمت کرتا رہا اور بعد از مرگ یہیں دفن ہوا۔ آپ کی مرقد پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں قبر چوبیس بالشت طویل ہے جس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کا قد مبارک بھی اتنا ہی طویل تھا بلکہ بزرگوں کی قبور احتراماً طویل بنائی جاتی تھیں۔

بہادر بابا کی زندہ کرامت:۔

درگاہ شریف کے ایک خادم علیم گل صاحب نے مجھے بتایا کہ "میں کچھ عرصہ یہاں خدمت کرنے کے بعد ہشت نگر چلا گیا اور وہاں بیمار پڑ گیا اور اتنا بیمار کہ چلنے پھرنے کی سکت باقی نہ رہی ایک جمعہ کو چارسدہ میں وضو کر رہا تھا کہ تمام مال و اسباب کھو گیا جس کی وجہ سے بقیہ ہوش بھی جاتا رہا کسی نہ کسی طرح واپس درگاہ پہنچا اور یہ تصور کیا کہ چلو قبر کی جگہ تو یہاں مل ہی جائے گی لیکن یہاں آتے ہی میری حالت تبدیل ہونی شروع ہوئی خواب میں حضرت نے فرمایا کہ جب تم ہر طرف سے مایوس ہو کر یہاں آ ہی گئے ہو تو اللہ کے فضل و کرم سے اب پہلے سے بھی زیادہ صحت پاؤ گے۔ اس واقعہ کو پندرہ برس ہو چکے ہیں اور الحمد للہ میں خوب صحت مند ہوں اور زائرین کی خدمت میں مصروف ہوں۔" (۵۶)

ایک اور خادم سید اکبر صاحب نے پوری زندگی یہاں کے لئے وقف کر رکھی ہے اس وقت آپ کی عمر اسی برس ہے کم سنتے ہیں لیکن چہرے پر جو سکون اور رونق ہے وہ بیان سے باہر ہے ان سے دعا کی درخواست کی گئی۔

کیونکہ ایسے ہی بزرگوں کی دعا تو بڑی چیز ہے ایک نگاہ سے زندگی بدل جاتی ہے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے فرمایا۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۵۷)

حضرت بہادر بابا کے مزار پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے خصوصاً جمعرات کو تو بہت زیادہ زائرین حاضر ہوتے ہیں۔ زائرین کے قیام و طعام کا نہایت عمدہ اور قابل تحسین انتظام ہے۔ بجلی کا انتظام موجود ہے اور خصوصی طور پر جنریٹر بھی موجود ہیں۔ قدرتی چشمہ سے پانی ہر وقت جاری رہتا ہے اس کے علاوہ کنوئیں کے ذریعہ بھی پانی ٹینکیوں میں جمع کیا جاتا ہے۔

جس چیز کی کمی محسوس ہوئی وہ دینی تعلیم کا انتظام نہ ہونا ہے اگر یہاں پر بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے مدرسہ موجود ہوں تو بچوں کے ساتھ ساتھ زائرین بھی درس قرآن اور حدیث سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ عوام کو یہ بتایا جائے کہ انہوں نے کن مشکلات میں اسلام کی خدمت کرتے ہوئے وہ مقام حاصل کیا کہ پانچ سو برس گذرنے کے بعد بھی لوگ انہیں نہ بھول سکے۔ ان کی اس حیات جاودانی کا سبب ان کا جذبۂ اسلام ہے۔ بڑی تہذیبیں مٹ گئیں لیکن ان مقدس ہستیوں نے اپنی یاد کے نہ مٹنے والے نقوش نہ صرف اپنے زمانہ بلکہ آئندہ نسلوں کے دلوں پر ثبت کر دیئے۔



۴۔ حضرت اخون پنجو بابا

(الف) **تعارف**:۔ حضرت پیر بابا کے معاصرین میں سے جن بزرگوں نے دسویں صدی ہجری میں صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے میں جدوجہد کی۔ جنہوں نے باطن کی اصلاح پر زور دیا اور روحانی زندگی جن آلودگیوں سے گندی ہو رہی تھی ان کو دور کیا در سلسلہ چشتیہ کی نشوونما میں اہم حق ادا کیا ان میں حضرت اخون پنجو بابا کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے صوبہ سرحد میں نامساعد حالات کے باوجود یہاں کے عوام کو عرفان و ہدایت کی روشنی دکھائی اور انکی خانقاہ اس خطے کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز بنی۔ آپ کا اسم گرامی سید عبدالوہاب اور والد کا نام سید غازی بابا ہے۔

پنجو آپ کو اس لئے کہا گیا کہ جب پیر تاریک کو آپ نے ارشاد و ہدایت شروع کی تو اس نے آپ کو پنجو کا خطاب دیا۔ کیونکہ آپ ارکان خمسہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میرا لقب پانچ بناء اسلام ہو۔ اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! قیامت تک میرا یہی لقب ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (۵۸) آپ کے بزرگوں نے عرب سے آکر ہندوستان میں سنبھل کے مقام پر سکونت اختیار کی اس لئے آپکو شیخ پنجو سنبھلی بھی کہا جاتا ہے۔ سلطنت لودھی کے زوال کے بعد آپ کے والد محترم حضرت سید غازی بابا یوسف زئی قبیلہ میں آکر آباد ہو گئے۔ اور یہیں پر حضرت پنجو بابا کی ولادت ہوئی۔

(ب) **ولادت:**

یوسف زئی میں قیام کے دوران ۹۴۵ھ میں حضرت سید عبدالوہاب المعروف پنجو بابا "اکاخیل" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔[59]

(ج) **تعلیم و تربیت:**

آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی اور پھر مزید حصول علم کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور زیادہ تر روہیل کھنڈ میں قیام کیا۔ ۵۴ سال کی عمر میں آپ واپس پشاور تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ درس و تدریس آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ ہمیشہ درس دینے میں مشغول رہتے۔ آپ کی درس گاہ سے فارغ شدہ علمائے صوبہ سرحد کی سرزمین کو اپنی ضوفشانیوں سے منور کیا۔[60] علم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم باطنی کی طرف آپ کی طبیعت زیادہ مائل تھی۔ آپ کے معمولات میں صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک ذکر، دوپہر تک اوراد، نماز ظہر کے بعد قیلولہ، قیلولہ کرنے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق اور اخلاق کا درس دیتے اور انتہائی جانفشانی کے ساتھ تبلیغ اور اشاعت شریعت میں منہمک رہتے۔ اس طرح آپ کا تمام وقت یاد الٰہی، اطاعت رسولؐ اور مخلوق خدا کی خدمت میں گذرتا۔ آپ پر عشق الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ چہرہ مبارک سے آگ کے شعلے نظر آتے اور صوبہ سرحد کی سخت سردیوں کے دنوں میں بھی صرف ایک ململ کا کرتا پہنتے۔ آپ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو مختلف علاقوں میں امر بالمعروف کے لئے روانہ فرماتے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کی روشنی سے منور ہو سکیں۔

آپ نے امر بالمعروف کے لئے مختلف علاقوں میں جماعتوں کو بھیجا اور اس بے خبر قوم کو جو فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دیا۔ عوام کے لئے آپ نے ابتداً پانچ بنائے اسلام سے کام شروع کیا۔

طلبہ کے لئے درس و تدریس کا انتظام کیا۔ آپ کی اس خدمت کا اتنا شہرہ ہوا کہ لوگ دُور دُور سے آنے لگے اور حسب توفیق علوم حاصل کرنے لگے۔ نیز وہ علماء جو کہ ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے علماء سے سند فراغت حاصل کر لیتے تھے وہ تبرکاً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل سند کرتے۔[61]

(د) **بیعت:**

حضرت پیر بابا کی طرح آپ بھی سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے اور آپ شیخ جلال الدین تھانیسری کے خلیفہ میر ابوالفتح کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور علم توحید باطنی سے مالا مال ہوئے اور اس تحریک کو آگے بڑھانے میں اپنا حق ادا کیا۔ جو حضرت پیر بابا نے اس دُور دراز اور مشکل گذار علاقے میں شریعت و طریقت کو پروان چڑھانے کیلئے شروع کی تھی۔ اتفاق سے ۹۹۳ھ میں حضرت ابوالفتح قنباچی جو کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے مرید و خلیفہ تھے۔ پشاور سے ہوتے ہوئے اکبر پورہ تشریف لائے۔ اور انہوں نے پنجو بابا نے سلسلۂ چشتیہ میں انہیں بزرگ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[62] حضرت جلال الدین کی طرح آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی اور نماز کے وقت آپ کے خدام ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے آپ اٹھ کر وضو کرتے، نماز ادا کرتے اور آپ پر پھر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی اور ما سوائے اللہ کے سب سے بے خبر ہو جاتے۔ اور جس طرح شیخ عبدالقدوس گنگوہی موسم سرما کی برف باری میں برہنہ سر وضو کرتے اسی طرح آپ بھی سخت سردیوں میں بدن پر بارہ یک ململ کا صرف ایک کرتہ زیب تن فرماتے۔[63]

(ہ) اُمرائے وقت کی عقیدت:-

آپ کی دنیا سے بے تعلقی اور استغنائی کی وجہ سے امراء وقت بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ اور اکبر خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ۹۹۳ھ میں بایزید انصاری الملقب پیر روشن نے جب حکومت مغلیہ کے خلاف شورش برپا کی تو جلال الدین اکبر خود مقابلہ کے لئے آیا اس سفر میں اکبر بادشاہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اس وقت آپ کھجور والی مسجد[1] میں مقیم تھے۔ طالبِ دعا ہوا۔ آپ نے توجہ کاملہ کے ساتھ دعا کی۔

اگر چہ جس طرح ہمایوں کابل جاتے ہوئے پیر بابا کے والد قنبر علی کو بطور تبرک ہمراہ لے گیا۔ اسی طرح اس کا بیٹا اکبر بھی سلسلہ چشتیہ کے ایک صاحب طریقت حضرت اخون پنجو بابا کی خدمت میں دعا کرانے کیلئے حاضر ہوا۔ لیکن جب اکبر نے آپ کو تحائف پیش کئے تو آپ نے قطعاً انکار کر دیا آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ کوئی حاجت مند آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ اور استغناء و بے نیازی کی یہ حالت تھی کہ مغلیہ حکمرانوں نے کئی مرتبہ لنگر کے مصارف کے لئے اخراجات برداشت کرنے کی گذارش کی۔ لیکن آپ نے ہمیشہ انکار کیا۔

[1] جب اخون پنجو بابا اکبر پورہ تشریف لائے تو یہاں داؤدزئی قبیلہ آباد تھا۔ اس گاؤں میں چالیس محلے تھے اور ہر محلہ میں ایک حجرہ تھا۔ جہاں نوجوان اکٹھے ہوتے اور خرافات زمانہ کا دور دورہ ہوتا۔ آپ نے آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ تاکہ لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت ہو۔ یہی مسجد کھجور والی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔

(د) پنجو بابا کی شخصیت

آپ نے حضرت پیر بابا اور ان کے خلیفہ اخوند درویزہ کی طرح بایزید انصاری کے خلاف تبلیغی اور عملی طور پر کام کیا اور اس علاقہ کے لوگوں کو بدعات سے نکال کر صحیح اسلامی راہ پر گامزن کیا۔

حضرت شیخ پنجو بابا پشاوری قوم گجر اور کاملین وقت سے ہوئے ہیں۔ آپ کے مرید اکثر صاحبِ کمال گذرے ہیں جن میں علی خان، مولانا چالاک میانہ اور شیخو شاہجہان پوری قابلِ ذکر ہیں۔ بایزید انصاری سے مباحثہ کے وقت علی خان آپکے ساتھ ساتھ رہتے[1] (۱۴)

آپ اپنے وقت کے مشائخ کاملین میں سے تھے اور سلسلہ چشتیہ کو روشناس کرانے میں سرگرم عمل رہتے۔ آپ کا اصلاحی طریقہ حضرت پیر بابا اور اخوند درویزہ کی طرح تھا۔ شیخ پنجو پشاوری اگرچہ گوجر قوم سے تھے لیکن اپنے وقت کے مشائخین کاملین میں سے تھے۔ عبادت و عشق میں غرق اور اہل چشت کے طریقے کو پھیلانے میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ ان کا طریقہ مولانا درویزہ پشاوری کے طریقہ کے مطابق تھا آپ ان کی تصنیف مخزن اسلام کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اگرچہ افغانی زبان میں گفتگو کرتے لیکن اردو میں بھی گفتگو فرماتے تھے۔ ان کے مریدوں میں مولانا چالاک میانہ، شیخو شاہجہان پوری اور شیخ علی وغیرہ مشہور ہیں جنہوں نے آپ سے استفادہ کرنے کے بعد دین کی خدمت سرانجام دی (۱۵)

[1] چونکہ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد ہندوستان کا سفر کیا اور بیعت حضرت ابوالفتح سے کی تھی جو اردو بولنے والے تھے اس لئے آپ بھی خوب اردو بولتے تھے۔

(۱۰) **وفات:-**

حضرتِ اخون پنجو بابا نے سلسلہ چشتیہ کی آبیاری کرتے ہوئے ۹۵ برس کی عمر میں عہدِ شاہجہانی میں رحلت فرمائی۔ آپ کی وفات شاہجہان بادشاہ کے عہد میں بعمر ۹۵ سال ۱۰۴۰ھ میں ہوئی اور اس آفتابِ علم ظاہری و باطنی قطب الاقطاب، غوثِ وقت کو اکبر پورہ سے تقریباً ایک میل شاہی سڑک کی طرف سپردِ خاک کیا گیا۔ آج بھی ہزاروں لوگ آپ کی زیارت پر تشریف لاتے ہیں۔

ان حضرات کے ساتھ ساتھ اس دور کی ایک اہم شخصیت حضرت فقیر بابا چشتی* بھی ہے جن کا دور ۹۷۶ سے ۱۱۱۶ھ کا ہے۔ چونکہ آپ نے بحر تصوف میں شناوری دسویں صدی ہجری کے بعد فرمائی اس لئے آپ کی خدمات کا تعلق گیارہویں صدی ہجری سے ہو جاتا ہے۔ البتہ اس اعتبار سے آپ کو ان حضرات کے معاصرین میں شامل کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیدائش دسویں صدی ہجری میں ہوئی اور ان حضرات کے بعد آپ نے صوبہ سرحد کے عوام کی اصلاح فرمائی۔

★ فقیر بابا چشتی کا نام جمال خان خٹک اور جمیل بیگ ہے۔ آپ مشہور سیاسی شخصیت اور ملی شاعر خوشحال خان خٹک کے بڑے بھائی حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحب کے ممتاز خلیفہ صاحب کرامات و تصانیف اور سلسلہ چشتیہ کی اہم روحانی شخصیت ہیں سردست دستیاب تصانیف میں نورِ محمدیہ، مناقب شیخ رحمکار اور تذکرۃ الاولیاء ہیں ان میں سے تذکرۃ الاولیاء پر میں نے فروری ۱۹۸۵ء میں "جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار برائے مخطوطات تصوف فارسی / عربی" منعقدہ پٹنہ، علی گڑھ اور دہلی میں ایک مقالہ پیش کیا تھا اور تمام مندوبین نے اس نادر تصنیف کو سراہا اور فیصلہ کیا کہ اسے طبع کرایا جائے۔

حوالہ جات باب پنجم

۱ – مشتاق احمد، مولانا، (مرتب) "مکتوبات قدسیہ"، دہلی: مکتبہ مجتبائی، ص – ۲۳۵

۲ – رکن الدین، شیخ، "لطائف قدوسی" دہلی، کتب خانہ سلیمانیہ، ص – ۱۰

۳ – ابو الفضل، مولانا، "تذکرۃ الاولیاء" لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ص – ۲۳۶

۴ – مشتاق احمد، مولانا، (مرتب) "مکتوبات قدسیہ" مکتوب نمبر ۱۷۱، محولہ بالا –

۵ – رکن الدین، شیخ، "لطائف قدوسی" لطیفہ ۵۹ محولہ بالا –

۶ – ایضاً، نمبر ۷۱

۷ – ایضاً، نمبر ۲۲

۸ – ایضاً، نمبر ۷۶

۹ – مشتاق احمد، مولانا، (مرتب) مکتوبات قدسیہ" مکتوب نمبر ۳۹، محولہ بالا –

۱۰ — قدوسی ، اعجاز الحق ، " شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات " کراچی : آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ، ۱۹۶۱ع ، ص — ۵۳۲

۱۱ — بدایونی ، عبد القادر ، " منتخب التواریخ " ، دہلی : مطبع آگرہ ، ص — ۹۱

۱۲ — مشتاق احمد ، مولانا ، (مرتب) مکتوبات قدسیہ " ص — ۱۱۵ ، محولہ بالا —

۱۳ — قدوسی ، شاہ منظور احمد ، " شجرہ خاندان قدوسیہ " مخطوطہ —

۱۴ — کشمی ، خواجہ ہاشم ، " زبدۃ المقامات " ، لکھنؤ : مطبع منشی نولکشور ، ص — ۹۹

۱۵ — غلام سرور ، مفتی ، لاہوری ، " خزینۃ الاصفیاء " لاہور : المعارف ، ص — ۲۱۸

۱۶ — رکن الدین ، شیخ ، " لطائف قدوسی " محولہ بالا ، ص — ۵

۱۷ — ایضاً ،

۱۸ — ایضاً ، ص — ۱۰۰

۱۹ — مشتاق احمد ، مولانا ، (مرتب) مکتوبات قدوسیہ " محولہ بالا ، ص — ۱۰۷

— رکن الدین ، شیخ ، " لطائف قدوسی " محولہ بالا ، ص — ۶۹

— ایضاً ، ص — ۱۲۰

— بدایونی ، عبد القادر ، " منتخب التواریخ " ، محولہ بالا ، ص — ۲ — ۳

— محمد اکرام ، شیخ ، " رود کوثر " ، لاہور : فیروز سنز ، ۱۹۶۶ع ، ص — ۴۲ — ۴۳

— غلام سرور ، مفتی ، لاہوری ، " خزینۃ الاصفیاء " محولہ بالا ، ص — ۳۲۹

— عبد الحق ، شیخ ، " اخبار الاخیار " دہلی : مطبع مجتبائی ، ۱۳۰۹ ھ ، ص — ۲۱۰

— محمد غوثی شطاری ، " گلزار ابرار " ترجمہ فضل احمد جیوری ، لاہور : اسلامک بک فاونڈیشن ، ۱۹۷۵ ع ، ص — ۵۲۹

— بدایونی ، عبد القادر ، " منتخب التواریخ " محولہ بالا ، ص — ۱۱

— صباح الدین عبد الرحمان ، سید ، " ہندوستان کے سلاطین ، علماء اور مشائخ پر ایک نظر " ، اعظم گڑھ : دار المصنفین ، ۱۹۶۴ ع ، ص — ۱۰۵

٢٩ – خافی خان ، نظام الملک ، ہاشم علی خـــان " منتخب اللباب " کلکتہ : ایشیاٹک سوسائٹی ، ١٨٦٩ ع ، ص – ٢١٢

٣٠ – فرشتہ ، محمد قاسم ہندو شاہ ، " تاریخ فرشتہ " بمبئی : جارج جردیس ، ١٢٣٧ھ ، ص – ٢١٠

٣١ – نظامی ، خلیق احمد ، " تاریخ مشائخ چشت " ، کراچی : مکتبہ عارفین ، ١٩٧٥ ع ، ص – ١٢٨ – ١٢٧

٣٢ – عبدالحق ، شیخ ، " اخبار الاخیار " محولـــہ بالا ، ص – ٢٧٦

٣٣ – فریدی ، محمد لطیف ، " انوارصوفیہ " لاہور : شعاع ادب ، ١٩٦٥ع ، ص – ٥٢١

٣٤ – عبدالحق ، شیخ ، " اخبار الاخیار " محولـــہ بالا ، ص – ١٣٩

٣٥ – علی ندوی ، ابوالحسن ، " تاریخ دعوت وعزیمت " اعظم گڑھ : مطبع معارف ، ١٣٧٧ھ ، ص – ٩٢

٣٦ – صباح الدین عبدالرحمان ، " بزم صوفیہ " اعظم گڑھ : مطبع معارف ، ١٣٤٩ھ ، ص – ١١٣

٣٧ – عبدالحق ، شیخ ، " اخبار الاخیار " ، محولـــہ بالا ، ص – ٢١٨

[illegible] – مجہول ، " نور محمدیہ " (مخطوطہ) پشاور : پشتو اکیڈمی لائبریری –

[illegible] – بخاری ، عبداللہ محمد بن اسماعیل ، " الصحیح البخاری " مصر : مطبع مصطفی البابی الحلبی ١٣٥٥ھ –

[illegible] – انیکٹی ، ایس بیورج (مرتب) " تزک بابری " از ظہیرالدین بابر ، لندن : گب میموریل ، ١٩٠٥ع ، ص – ١٢٩

٢١ – جمیل بیگ ، فقیر ، " تذکرۃ الاولیاء " (مخطوطہ) پشاور : پشتو اکیڈمی لائبریری –

٢٢ – القرآن ، ٤٩ : ١٣
(یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر)–

٢٣ – القرآن ، ١ : ١ (جہانوں کا پالنے والا)

٢٤ – القرآن ، ٢ : ٢ (اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت)–

٢٥ – القرآن ، ٢١ : ١٠٧ (جہانوں کے لیے رحمت)–

٢٦ – القرآن ، ٣ : ٩٢ (لن تنال البر حتی تنفقوا مما تحبون)–

٤٧ – القرآن ، ٢ : ١٥٢ – ١٥٧

و لا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات
بل احياء و لکن لا تشعرون – و لنبلونکم بشی
من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس
و الثمرات و بشر الصابرين – الذين اذا اصابتهم
مصيبة قالوا انا لله و انا اليه راجعون
اولئک عليهم صلوات من ربهم و رحمة و اولئک
هم المهتدون –

٤٨ – کاکا خيل ، سيد سياح الدين ، " تذکره شيخ رحمکار " لائلپور (فيصل آباد) ادارہ اشاعت اسلام ، ١٩٦٣ ع

٤٩ – ________ ، " مجمع البرکات " (مخطوطه : پشاور : پشتو اکیڈمی ، (ابتدائی و دیگرچند صفحات غائب)

٥٠ – ابی داؤد ، سليمان بن ثابت ، " سنن ابی داود " مصر : مطبع مصطفی البابی الحلبی ، ١٩٥٢ع –

٥١ – احمد بن حنبل ، امام " مسند احمد بن حنبل " مصر : المطبعة الميمنية ، ١٣٠٦ھ

٥٢ – گلبدن بیگم بنت ظہیر الدین بابر ، " ہمایون نامه " لاہور : سنگ میل پبلیکیشنز ، ١٩٦٦ع

٥٣ – ایضاً

٥٤ – قادری ، امیر شاہ سید ، " تذکره علماء و مشائخ سرحد " پشاور : عظیم پبلشنگ ہاوس ، ١٩٦٣ع

٥٥ – القرآن ، ٣٩ : ١٣

٥٦ – انٹرویو از مقاله نگار –

٥٧ – محمد اقبال ، علامه ، " بانگ درا " لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ١٩٢٢ ع

٥٨ – قادری ، امیر شاہ سید ، " تذکره علماء ومشائخ سرحد " محوله بالا –

٥٩ – رضوانی ، سید احمد شاہ قاضی ، " تحفة الاولیاء " دہلی : حلقه مشائخ ، ١٩٢٧ ع –

٦٠ – قادری ، امیر شاہ سید ، "تذکره علماء و مشائخ سرحد " محوله بالا –

٦١ – قدوسی ، اعجاز الحق ، " تذکره صوفیائے سرحد " کراچی : اردو اکیڈمی سندھ ، ١٣٧٩ھ –

٦٢ – قادری ، امیر شاہ سید ، " تذکره علماء و مشائخ سرحد " محوله بالا –

٦٣ – مرزا محمد اختر دہلوی ، " تذکره علمائے ہند و پاکستان " دہلی : کتب خانه رشیدیه ، ١٩٢٦ع

٦٤ – غلام سرور لاہوری ، " خزینة الاصفیاء " لکھنؤ : مطبع ثمر ہند ، ١٢٩٠ ھ

۶۵ – قادری، امیر شاہ سید ، " تذکرہ علماء و مشا[ئخ] سرحد " محولہ بالا –

باب ششم

بایزید انصاری

انتعارف :-

بایزید انصاری جنہیں پیر روشن* اور پیر تاریک بھی کہتے ہیں روشنیہ تحریک کے بانی تھے جن کا سلسلہ نسب اکتیسویں واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ بایزید جالندھر میں ۹۳۱ھ کو یعنی ہندوستان میں بابر کی حکومت کے قیام سے ایک سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نے آپ کی پیدائش کے بعد جالندھر کو خیرباد کہا اور جنوبی وزیرستان (صوبہ سرحد) کے علاقے کانی گرام میں رہائش اختیار کرلی۔ آپ اور آپ کی تحریک کا جائزہ حسب ذیل نکات کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔

(الف) نسبی سلسلہ :-

شیخ بایزید ابن عبداللہ قاضی ابن شیخ محمد ابن شیخ بایزید دریا شہباز) ابن

---

* بایزید کو پیر روشن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک شام چراغ جل رہا تھا کہ اس میں تیل ختم ہو گیا اور بجھنے ہی کو تھا کہ بایزید نے کہا چراغ میں پانی ڈال دو۔ پانی ڈال دیا گیا اور چراغ پہلے سے بھی روشن ہو گیا۔ جبکہ میری تحقیق کی رو سے آپ نے اسلام کی روشنی کو پھیلایا یہی آپ کے اس نام کے مشہور ہونے کا سبب ہے۔

اور پیر تاریک کا لقب ان کے مخالفین (پیر بابا اور اخوند درویزہ) نے انہیں دیا اور آج تک بایزید کے موافقین انہیں پیر روشن اور مخالفین پیر تاریک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بن شیخ محمد ابن شیخ سراج الدین ابن چراغ الدین ابن شیخ مولانا ابراہیم دانشمند ابن شیخ زادہ حمزہ ابن خواجہ محمود ابن شیخ داؤد ابن شیخ شمس الدین ابن شیخ خلیل ابن شیخ لقمان ابن شیخ خداداد ابن شیخ منصور ابن شیخ محمد ابن خواجہ زید احمد انصاری ابن شیخ منصور محمد ابن شیخ احمد ابن شیخ زادہ ابن خواجہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۲۴)

(ب) عہد اکبر اور روشنیہ تحریک:۔

مغلیہ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمایوں کی آنکھ بند ہوتے ہی ہندوستان میں مغلیہ حکومت تقریباً ختم ہو گئی تھی لیکن اکبر اور اس کے مشیر بیرم خان نے انتہائی تدبر اور جرأت سے کام لے کر نہ صرف مغلیہ حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالا دیا بلکہ مغلیہ حکومت کو ایسی مضبوط بنیادوں پر از سر نو قائم کر دیا کہ یہ حکومت صدیوں برقرار رہی۔

اگرچہ ہمایوں کے فوت ہوتے ہی افغانستان اور ہندوستان میں ایک ساتھ بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں کیونکہ باغی سمجھتے تھے کہ اکبر ناسمجھ اور کم عمر لڑکا ہے وہ کیا مقابلہ کر سکے گا اس لئے بھی موقع ہے کہ ہمایوں کی اولاد کے اقتدار کو ختم کر کے راستہ صاف کر دیا جائے لیکن اکبر کے اتالیق بیرم خان نے اکبر کا پوری وفاداری سے ساتھ دیا یہاں تک کہ اکبر پنجاب میں سکندر شاہ سوری، پانی پت میں ہیمو بقال*

---

* ہیمو بقال سلطنت سوری کے آخری حکمران احمد شاہ عادل کا وزیر اعظم اور سپہ سالار تھا یہ ذات کا بنیا تھا۔ ابتدا میں شیر شاہ کے لشکر میں نمک فروخت کرتا تھا۔ اس کے بعد ترقی کرتے کرتے اس درجہ کو پہنچ گیا۔ بڑا دلیر اور ہوشمند تھا اس نے احمد شاہ عادل

اور کابل میں مرزا سلیمان کو شکست دے کر فاتحانہ طور پر دہلی میں داخل ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اکبر کے دادا بابر کی حکومت بھی پانی پت ہی کے میدان میں فتح حاصل ہونے کے بعد قائم ہوئی تھی اور اکبر کی حکومت کا دور اسی پانی پت کے میدان میں فتح حاصل کرنے کے بعد شروع ہوا۔ پانی پت کی فتح کے دوسرے دن اکبر فاتحانہ شان کے ساتھ دہلی کے اس تاریخی شہر میں داخل ہوا جہاں تیس برس پہلے اس کا دادا بابر بھی اسی طرح داخل ہوا تھا۔ شہر کے باشندوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اکبر کا استقبال کیا۔ فتح کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ تمام شہر میں چراغاں ہوا فوج میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ معززین شہر کو خلعتیں دی گئیں اور امرائے سلطنت کو خطابات اور جاگیریں عطا ہوئیں۔" (۳) ہندوستان اور کابل میں قدم مضبوط کرنے کے بعد اکبر تحریک روشنیہ کی جانب متوجہ ہوا کیونکہ ان کی وجہ سے مغل حکمرانوں کو کابل اور ہندوستان میں رابطہ قائم رکھنے میں بڑی دقت ہوتی تھی یہ جب چاہتے مغل فوج کے راستے مسدود کر دیتے۔ "روشنائی قبیلہ کے سرکش پختونوں کی سرکوبی کے لئے اکبر نے زین خان اور شیخ فیضی کو مقرر کیا تھا ان دونوں نے بڑی جدوجہد کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ پہاڑی دروں میں پختونوں کی ایک کثیر تعداد چھپی رہتی تھی اور ان کو وہاں سے نکالنا مشکل ہو گیا تھا۔" (۴) لیکن ابتدا میں جب بایزید نے صراط التوحید کا ایک نسخہ دے کر اپنا قاصد روانہ

کے تمام مخالفین کو شکست دے کر ختم کر ڈالا تھا۔ ہمایوں کی وفات پر ایک ہزار ہاتھی اور پچاس ہزار سوار لے کر آگرہ کی طرف بڑھا مغل سردار سکندر خان ازبک مقابلہ کرنے کے بجائے شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ہیمو نے اس کا تعاقب کیا اور دہلی آپہنچا۔ یہاں اس کا مقابلہ تردی بیگ سے ہوا جو شکست کھا کر پنجاب کی طرف فرار ہو گیا ہیمو نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اپنا لقب ساجہ بکرماجیت رکھا۔

کیا تو اکبر نے صراط التوحید کو دیکھنے کے بعد نہ صرف بایزید کی تحریک کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کے لئے تحائف روانہ کئے اور اپنی مدد کا پورا یقین دلایا۔

"پھر بایزید نے اپنے خلیفہ دولت کو صراط التوحید کا ایک نسخہ دے کر اکبر بادشاہ کے پاس بھجوایا تاکہ وہ اسے اکبر کے سامنے پیش کرے چنانچہ اس نے یہ کتاب اکبر کے سامنے پیش کی۔ اکبر نے جب صراط التوحید کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں نے شیخ کی پیروی کی اور جو خدمت کہیں وہ میں بجا لاتا ہوں۔ پھر اس نے کچھ چیزیں اور تحفے بایزید کے لئے بھجوائے اور ان کے خلیفہ دولت کو بھی خلعت بخشا۔ (۵) بعد ازاں جب اس تحریک نے قوت پکڑ لی اور مرزا حکیم نے اس کے خلاف قوت استعمال کی تو اس تحریک نے سیاسی شکل اختیار کر لی اور ہر اس قوت کا مقابلہ کیا جس نے پختونوں کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی۔

"شروع میں بایزید نے اکبر بادشاہ کے پاس صراط التوحید کا نسخہ بھیجا اس نے خوشی کا اظہار کیا اور نذر و تحائف بھیجے۔ بعد میں مرزا حکیم کے فوجی دستوں سے چپقلش کی وجہ سے بایزید اور اس کے ہمراہیوں میں نفرت و عداوت کا سلسلہ چل نکلا" (۶) یہ حقیقت ہے کہ اکبر ہندوستان کا وہ پہلا فرمانروا تھا جس نے افغانستان کے ان آزاد قبائل کو زیر کرنے کی کوشش کی جو پشاور اور افغانستان کے درمیان آباد تھے اس علاقہ کے باشندے علیحدہ علیحدہ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر گروہ کا سردار اپنی چھوٹی سی پہاڑی بستی کا بادشاہ ہوتا تھا۔ روشنیہ تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے کئی قبائل کو یکجا کر کے مغلوں کا مقابلہ کیا۔ آخرکار اکبر نے راجہ بیربل کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج روانہ کی اور اس کے ساتھ ساتھ حکیم ابوالفتح اور زین خان کو بھی مدد کے لئے بھیجا اس طرح تقریباً دس ہزار جنگ آزما تجربہ کار سواروں اور پیادوں پر مشتمل یہ فوج

روشنیہ تحریک کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہوئی۔ جبکہ منتخب اللباب میں اس فوج کی تعداد چالیس پچاس ہزار بتائی گئی ہے" بیربل جب محاذ پر پہنچا تو پہلے پہل اس نے بڑی جدوجہد کی اور چند ایک کارنامے دکھائے لیکن آدمی خود رائے تھا غرور کے سبب سارے معاملات میں اپنی سمجھ اور رائے پر بھروسہ کر لیتا تھا اسی لئے بادشاہی فوج کو اس کی سرکردگی میں ایسے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ ایسا حادثہ پورے عہد اکبری میں رونما نہیں ہوا تھا یعنی کسی جنگ میں ایسا نہیں ہوا تھا کہ چالیس پچاس ہزار کی سوار اور پیادہ فوج میں سے ایک آدمی بھی زندہ بچ کر نہ لوٹ سکا" (۷) روشنیہ تحریک کے خلاف اکبر کی فوج کی اس شکست کا تذکرہ "اولف کیرو" نے بھی کیا ہے جس میں آٹھ ہزار مغل فوج اور اکبر کے قریبی امراء کی موت کا ذمہ دار بیربل کو ٹھہرایا گیا ہے۔ جو خود بھی بیوقوفی سے اپنی جان گنوا بیٹھا"

In the melee which followed Bir Bal and 8,000 of Akbar's army lost their lives, including the Gallent Bhitanni, Hassan Khan. The poet, Abdul Fateh, cowering beneath a bush, was picked up by Zain Khan, who pushed slowly on with the only force that held together. After heavy fighting he and Abul Fateh reached a point near the crest of the Malandari and Bivouacked for the night.(8)

ترجمہ۔ (بے ترتیب لڑائی میں بیربل اور اکبر کی فوج کے آٹھ ہزار آدمی ہلاک ہوگئے ان میں بہادر بھیتنی حسن خان بھی شامل تھے۔ ابوالفتح ڈر کے مارے ایک جھاڑی میں چھپ گیا تھا جسے زین خان نے نکالا۔ فوج کا صرف یہی ایک دستہ تھا جس میں کچھ ترتیب باقی تھی۔ یہ لوگ بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھے اور بڑی مشکل کے بعد زین خان اور ابوالفتح ماندرے کی چوٹی کے قریب پہنچ کر رات گذارنے میں کامیاب ہوئے۔)

اکبر کو اس شکست کا سخت دکھ ہوا کہ جب زین خان اور ابوالفتح صورت حال سے آگاہ کرنے کی غرض سے بادشاہ سے ملاقات کرنے آئے تو اکبر نے دو دن تک ان پر کوئی توجہ نہ کی۔ ان تمام حقائق سے معلوم ہوا کہ اکبر اپنی تمام تر قوت کے باوجود روشنیہ تحریک کو نہ ختم کر سکا۔

(ج) علاقائی وسعت:۔

بایزید کی پیدائش کے بعد ان کے والد جنوبی وزیرستان (صوبہ سرحد) منتقل ہوگئے والد کا خیال تھا کہ بیٹے کو تکمیل علم کے بعد قاضی بنائیں لیکن بایزید کا رجحان کچھ اور ہی تھا بایزید اس سلسلے میں خود بیان کرتے ہیں "میں نے سنا کہ حق کی معرفت آدمی پر فرض عین ہے اور وہ بغیر پیر کامل کے حاصل نہیں ہوتی اس کے بعد میں پیر کامل کی تلاش میں مشغول ہوگیا اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔"(۹) بایزید نے اس سلسلے میں قندھار کا سفر بھی کیا۔ بعد ازاں صراط التوحید کی تصنیف کی۔ مختلف امراء کو دعوت دی کہ وہ اس کی تقلید کریں اور پھر جنوبی

وزیرستان ہی کو تحریک روشنیہ کا پہلا مرکز بنایا۔ اخوند درویزہ کے بیان کے مطابق "بایزید پہاڑی علاقوں سے نکل کر پشاور ہوتا ہوا ہشت نگر پہنچا جو تحصیل چارسدہ میں واقع ہے اس علاقے کے لوگوں نے بایزید کی اطاعت قبول کرلی اور بایزید یہیں مقیم ہوگیا۔" (۱۰)

اور اس طرح اس تحریک کا دوسرا مرکز مردان تک پھیل گیا۔ جب بایزید نے مختلف امراء کو دعوت نامے بھیجے تو کابل کے صوبیدار محسن خان نے بایزید کے خلاف فوجی کاروائی شروع کی جس کے نتیجے میں بایزید گرفتار ہوئے لیکن جلد ہی انہیں رہا کر دیا گیا۔ "بایزید جب کابل سے واپس آیا تو اس نے قبائل مہمند میں رہائش اختیار کرلی اور اس جگہ کو تبلیغ کا مرکز بنایا یہاں قبائلی سرداروں سے اس نے رشتے استوار کئے اور مختلف امراء کے پاس اپنے خلیفے روانہ کئے جن میں سے مودود کو قندھار میں خلیفہ مقرر کیا جو بعد ازاں سندھ اور بلوچستان پہنچے اور بلوچی سرداروں شاہ یوسف علی اور عمر کو انکے علاقے کے خلیفے مقرر کیے ایک اور خلیفہ دولت کو بایزید نے صراط التوحید دے کر اکبر کے پاس بھیجا۔ جس نے دولت کو خلعت سے نوازا۔" (۱۱)

۲۔ مذہبی افکار

بایزید کے مذہبی افکار ان کی تصنیف "صراط التوحید" میں بصراحت مذکور ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں آپ رقمطراز ہیں کہ "اکیس[۱۲] برس کی عمر میں مجھے خواب میں حکم ہوا کہ میں ایک رسالہ بادشاہوں کے لئے لکھ کر ان کو بھیجوں تاکہ ان کے ملکوں میں توحید کا شہرہ عام ہو اور وہ بادشاہ جو علم توحید سے بے خبر

ہیں وہ بھی اس سے واقف ہوں اور وہ توحید کو اختیار کر کے شرک سے دور ہوں تمام ملکوں میں نیکیاں بڑھیں اور گناہ گھٹیں اور ایک بہترین معاشرہ جنم لے اور انسانوں کے حسن اخلاق سے یہ زمین جنت کا نمونہ بن جائے۔" (۱۲)

اپنے اس رسالے میں بایزید نے حسب ذیل موضوعات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ علم و معرفت کی اہمیت :-

علم و معرفت کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بایزید لکھتے ہیں "افضل الانسان لاجل عبادۃ الذی ان تحصلون فیہ علم و معرفۃ التوحید لایقبل اللہ تعالی عبدۃ والحسنات ان کان بغیر العلم و معرفۃ التوحید" (۱۳)

ترجمہ۔ انسان کی فضیلت اس عبادت کی وجہ سے ہے جو اسے علم اور معرفتِ توحید کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر علم اور معرفت توحید عبادت اور نیکیوں کو قبول نہیں کرتا۔

۲۔ حصول علم و معرفت :-

علم و معرفت کے حصول میں انسان کو کس قدر کوشاں رہنا چاہیئے اس کا ذکر کرتے ہوئے بایزید لکھتا ہے " برائے اموختن علم و معرفتِ توحید وانچہ در راہ وابست تعجیل باید سستی و کاہلی و کم ہمتی در وے نشاید" (۱۴)

ترجمہ۔ علم و معرفت توحید اور جو کچھ اس راستے میں ہو اسے سیکھنے میں سستی اور کاہلی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ جلد از جلد اسے حاصل کر لینا چاہیئے۔

۳۔ عبادت :-

عبادت کی اہمیت کا اندازہ بایزید کی اس عبادت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے سلاطین امراء اور اپنے معتقدین کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ "خدائے تعالیٰ بنی آدم را برائے عبادت آفریدہ است و عبادت ظاہر و باطن است اما عبادت ظاہر فرض وقتی است پس اول آں فرض عمری است دوئم فرض خمسی است سوئم فرض ماہی است چہارم فرض عشری است، پنجم فرض اساسی است" (۱۵)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا اور عبادت ظاہری اور باطنی ہے۔ ظاہری فرض موقتی ہیں جن میں سے پہلا فرض عمری ہے دوسرا فرض خمسی، تیسرا فرض ماہواری، چوتھا فرض عشری اور پانچواں فرض اساسی ہے۔

بایزید ان فرائض کی تشریح بھی بیان کرتا ہے جس میں اقرار توحید صلوٰۃ زکوٰۃ، صوم اور حج شامل ہیں۔

"عمری دو وجہ است، اول آں پس از بلاغت کہ در کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم یکبار بگوید تکرار کردن دیگر بار سنت است، دوئم زیارت خانہ کعبہ کردن است چنانکہ حق تعالےٰ فرمودہ است، اگر وے را طاقت باشد و فرض خمس پنج وقت نماز را بحضور دل گزاردن است و فرض ماہ رمضان را روزہ داشتن و فرض سالے زکوٰۃ مال دادن" (۱۶)

ترجمہ۔ فرض عمری کی دو اقسام ہیں ایک یہ کہ بلاغت کے ساتھ کلمہ

طیبہ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے جبکہ دوسری مرتبہ اس کی تکرار سنت ہے۔ دوسری قسم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اگر استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کی زیارت۔ فرض خمس خشوع و خضوع کے ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرنا ہے اور فرض ماہانہ سے مراد ماہ رمضان کے روزے ہیں اور فرض سالانہ مال زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

۴۔ حیات بعد الممات اور جنت و دوزخ کا تصور:۔

جنت و دوزخ کی حقیقت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور قیامت کے متعلق بھی بایزید نے اپنے خیالات کو صراط التوحید میں بیان کیا ہے۔

"واشہد ان الموت الحق و العذاب حق و الشفاعۃ حق والجنۃ حق والنار حق، وان لقاء اللہ تبارک وتعالیٰ لاھل الحق حق۔ وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہ وان اللہ یبعث من فی القبور"

ترجمہ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ موت، عذاب، شفاعت، جنت و دوزخ سب برحق ہیں اور اہل حق کے لئے لقائے باری تعالیٰ برحق ہے۔ اور بے شک قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پھر زندہ فرمائیں گے۔

۵۔ انسان کامل:۔

بایزید نے ایک مکمل انسان کی صفات کو مختصر لیکن جامع الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا "کامل و مکمل آں است کہ صاحب شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و قربت و وصلت و وحدت و سکونت بود و کشاف حقائق اسرار ربوبیت تخلقوا باخلاق اللہ شدہ باشد۔ (۱۸)

ترجمہ۔ اور کامل و مکمل انسان وہ ہے جو صاحب شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و وصلت و وحدت و سکونت ہو اور اسرار ربوبیت کے حقائق واضح کرنے میں تخلقوا باخلاق اللہ کی صفت سے متصف ہو صراط التوحید کے تعارف فی مقالہ میں بایزید کی ان اصطلاحات کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے۔

(الف) شریعت:۔ امر و نواہی کی پوری پوری تقلید اور احکام قرآنی اور سنت نبوی کی مکمل پیروی۔

(ب) طریقت:۔ شرعی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسری عبادتوں کی طرف بھی توجہ دینا کیونکہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔

(ج) حقیقت:۔ جو انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے اور وہ یہ کہ ایک لمحے کے لئے بھی ذکر خفی جو کہ طہارت قلب ہے اور یاد خدا سے خالی نہ رہا جائے۔

(د) معرفت:۔ جس کی بنیاد قوت عقل و فکر اور مشاہدے پر قائم ہے۔

(ج) قربت:۔ یہ بلند مراتب طے کرنے اور نفس پر قابو پا لینے کا نام ہے۔

(و) وصلت:۔ انسان اپنی ہستی کو بھلا کر اپنے اندر صفات الٰہی پیدا کرلے۔

(ز) وحدت:۔ توحید میں اپنے آپ کو فنا کر کے ذات حق کو دل میں بسا لینا۔

(ح) سکونت:۔ محو تحقیق کی آخری منزل۔

ان میں پہلے سات منازل کی مزید تشریح صراط التوحید کی روشنی میں یوں کی گئی ہے۔

اول مقام شریعت:۔

اس مقام میں سالک گفتگو میں پیغمبروں کے نقش قدم پر چلتا ہے سچ بولتا ہے غیبت، جھوٹ اور فحش و مبالغہ آرائی سے پرہیز کرتا ہے اسے اپنی زبان قابو میں رکھنی ضروری ہوتی ہے اور اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے لئے اسے مقام شریعت کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔

دوئم مقام شریعت:۔

اس مقام میں سالک کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ میں فرشتوں کے اوصاف پیدا کرے خواہشات نفسانی سے پرہیز کرے ان کی صفائی اور تزکیہ میں مصروف ہو جائے اور عبادت میں فرشتوں جیسی لذت محسوس کرے اس مقام میں فرض نماز اور روزوں کے ساتھ ساتھ نفلی نمازیں اور روزے ادا کرے زکوٰۃ کے ساتھ سخاوت اور حج کے ساتھ پیر کامل کی اطاعت شامل کرے۔

سوئم مقام حقیقت:۔

اس مقام میں سالک پیغمبروں کی مکمل پیروی کرے ذکر خفی، دائمی ذکر اور شکر، وسواس سے خلاصہ اور دل کی صفائی و تلقین اس مقام کی خصوصیات ہیں ذکر خفی کی پابندی پر بایزید نے بہت زور دیا ہے اور صراط التوحید میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

چہارم مقام معرفت:۔

پیغمبروں کے راز کا مقام ہے اس مقام میں سالک دل کی آنکھوں سے حق کا دیدار کرتا ہے اور ہر چیز میں ذات حق کا جلوہ تلاش کرتا ہے اور چار بنیادی برائیوں یعنی نفسانیت، حرص، شہوت اور طمع سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

پنجم مقام قربت:۔

اس مقام میں سالک حق کی آواز کے علاوہ اور کچھ کان سے نہیں سنتا۔ اور مخلوق سے تسبیح کے جو نئے نئے نغمے رنگارنگ طریقے سے نکلتے ہیں ان کو سمجھتا ہے۔

ششم مقام وصلت:۔

اس مقام میں سالک اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور اپنے معبود کے ساتھ اپنی ہستی شریک کر لیتا ہے۔ اس سے مراد بایزید کی یہ ہے کہ بغیر معبود کے کسی کو نہیں دیکھتا کیونکہ خدا کے علاوہ سب کچھ ختم کر دینا وحدت کا مقام ہے۔

ہفتم مقام وحدت:۔

سالک اپنے آپ کو اور پوری دنیا کو خدا تعالیٰ کی ہستی میں مدغم کر دے جس طرف بھی دیکھے اور جو کچھ بھی دیکھے ذات حق کے علاوہ اسے کچھ نظر نہ آئے۔ ٥

تجلی تیری ذات کا سو بسو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

۳۔ بایزید کی سیاسی مساعی

بایزید انصاری جس تحریک کے بانی تھے اس کا اصل مقصد حکمرانوں کی اصلاح تھا تاکہ پورا معاشرہ اصلاح پذیر ہو جائے۔ بایزید کا کہنا ہے کہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو نیکیوں کی تلقین کریں اور ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں جہاں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں اور ہر شخص اتباع شریعت کا حامل ہو اپنے اسی نظریہ کا اظہار ایک مکتوب میں اس طرح کرتے ہیں "موجاجت من سوئے شما برائے دین وایمان شماست کہ گفتار من بشنوید و در شریعت ثابت شوید و دیگر آدمیاں را نیز بفرمائید۔ نادر آں ثابت شوند برائے آنکہ در اخلاص درآیند تا فرشتگان و در کتاب فرمانبرداری بسیار نیکی واحسان بنویسند" (۱۹)

ترجمہ۔ تمہارے دین وایمان کے سلسلے میں میری عرض ہے کہ میری بات سنو کہ شریعت پر ثابت قدم رہو اور دوسرے لوگوں کو بھی ثابت قدم رہنے کی تاکید کرو تاکہ وہ اخلاص کو اختیار کریں اور فرشتے نیکیوں کی کتاب میں ان کی بہت نیکیاں اور احسان لکھیں۔

دراصل اگر بایزید کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے ایک تحریک کی جانب دعوت دی اور اپنی اس دعوت میں بادشاہوں امراء اور قومی سرداروں کو خطاب کیا اور اپنے ان اصولوں پر جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا لوگوں کو ہمنوا بنایا اور آہستہ آہستہ یہ تحریک ایک مذہبی اور ملی تحریک بن گئی جس کے پرچم تلے پختونوں نے متحد ہو کر پیر بایزید کی قیادت کو قبول کیا اور اس میں تقریباً پختونوں کے تمام بڑے بڑے قبائل مثلاً آفریدی، مہمند،

اورکزئی بنگش اور یوسف زئی شامل تھے اور وہ اس تحریک کے ذریعہ پختونوں میں تزکیہ نفس، حسن اخلاق۔ بلندی سیرت وکردار، تفکر وتعقل اور حصول علم کے جذبات کو بیدار کر کے پختونوں کی سیادت وعظمت کو لافانی بنانا چاہتے تھے جس کے نتیجے میں پختونوں کی ایک داخلی اور قومی حکومت قائم ہو سکتی تھی تاکہ ہندوستان میں مغلوں کے غلبہ واقتدار سے پختونوں کی آزادی محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغل حکمرانوں نے اس تحریک کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سوات اور دیر کے علاقوں پر اکبر کی فوج کشی کا باعث پیر روشن کا مذہبی اقتدار تھا بایزید نامی ایک شخص جس نے پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مغل شہنشاہیت کی بنیادوں کو ہلا یا تھا جنوبی وزیرستان کے علاقہ کانی گرام میں عبداللہ نامی ایک مشہور عالم دین کا فرزند تھا" (۲۰) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب ہندوستان میں اکبر اعظم دین الٰہی کی ترویج میں مصروف تھا اور ۱۵۸۰ء میں ہندوستان کے مشہور عالم دین ملا محمد جونپوری نے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تو بایزید انصاری ہی وہ واحد شخصیت تھی جس نے صوبہ سرحد میں نہ صرف اکبر کی مخالفت شروع کی بلکہ اس کے خلاف جہاد کو جائز قرار دیا اور اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا" ۱۵۸۵ء میں جب اکبر کی فوج راجہ مان سنگھ کی سرکردگی میں کابل جا رہی تھی تو بایزید کے حکم سے یوسف زئی اور دیگر قبیلوں نے دریائے کابل کے شمالی طرف سے اور خود بایزید نے دریائے سندھ کی مغربی طرف سے شاہی فوج پر حملہ کر دیا اس لڑائی میں شاہی فوج کو کافی نقصان پہنچا سرکاری لشکر اور قافلے کے آٹھ ہزار افراد ہلاک وزخمی ہوئے جلال الدین اکبر کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اس نے محسوس کیا کہ بایزید کی طرف سے مزید غفلت باعث تباہی ہوگی" (۲۱)

بس یہاں سے مغل فرمانرواؤں اور روشنیہ تحریک کے درمیان چپقلش شروع ہوتی ہے اور یہ بایزید کی وفات کے بعد بھی جاری رہی لہٰذا بایزید کے صاحبزادے جلالہ کے خلاف اکبر نے زبردست فوجی کارروائی کی۔ بیربل کو کثیر التعداد فوج کے ساتھ اس تحریک کا قلع قمع کرنے کے لئے روانہ کیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ اس مرتبہ یوسف زیئوں* نے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ شاہی فوج "ڈکرئی کے جنوب میں "کڑپا" کی چوٹی پر پہنچ کر یہ سمجھی کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ گئی ہے لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی فوج کو ابھی ایک اور تنگ گھاٹی سے گذرنا تھا جہاں سے دائیں طرف دریائے سوات تک کا راستہ بڑا دشوار گذار تھا۔ فوج میں ایک بار پھر افراتفری پھیل گئی۔ فوج کا اگلا اور بڑا حصہ کسی ترتیب کے بغیر آگے بڑھ گیا صرف ایک حصے میں جس کی کمان زین خان کر رہا تھا تنظیم باقی رہی۔ قبائلی چوٹی تک جانے والے راستے کی متوازی پہاڑیوں پر پھیرتے جائے کھڑے تھے انہوں نے لشکر پر جس کا حال پہلے ہی خراب تھا تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ رات ہوتے ہی شاہی لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی بہت سے سپاہی آگے بڑھنے کے شوق میں کھڈوں میں گر گئے اور پہاڑوں سے نیچے پھسل گئے۔ بھیڑ کی وجہ سے راستہ رک گیا ہاتھی، گھوڑے اور انسان آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ اس کے بعد جو بے ترتیب لڑائی ہوئی اس میں بیربل کے لشکر کے آٹھ ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔" (۲۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر اپنی پوری قوت کے استعمال کے باوجود

* یوسف زیئوں کی بڑی تعداد جلالہ کے ساتھ تھی۔ اس لئے یہاں روشنائیوں کے بجائے یوسف زیئوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

بھی اس تحریک کا فوری خاتمہ نہ کر سکا۔

خود بایزید نے کس طرح اس تحریک کو سیاسی قوت بخشی اور کس طرح یہ دینی تحریک ایک سیاسی تحریک بن گئی اس کی ابتدا ایک واقعہ سے ہوئی جس کا ذکر بایزید کی خود نوشت سوانح عمری میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"ایک قافلہ ہندوستان سے واپسی پر کابل جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے پڑاؤ کیا جہاں بایزید کے انتہائی پرجوش مرید رہتے تھے قافلہ والوں کی حرکات و سکنات سے انہوں نے اندازہ کیا کہ یہ لوگ فکر آخرت سے بالکل غافل ہیں اس بات پر وہ مرید آپے سے باہر ہو گئے اور قافلے کا مال و اسباب ضائع کر دیا۔ کابل کی حکومت نے اس پر ان لوگوں کو قتل کر کے ان کے بال بچوں کو گرفتار کیا اور کابل لے گئے حکومت کی اس کارروائی پر بایزید نے کابل کی حکومت سے تحریری احتجاج کیا جس پر کابل کی حکومت نے پشاور کے حاکم محسن خان کو بایزید کی گرفتاری کا حکم دیا بایزید کا محاصرہ کیا گیا لیکن وہ محاصرہ توڑ کر تیراہ کی پہاڑیوں میں چلا گیا اور اس پہلے معرکے کے مقام کا نام آغاز پور رکھا گیا۔" (۲۲) اس کے بعد سے بایزید کی یہ تحریک سیاسی میدان میں اتر آئی اور اس تحریک کے پرچم تلے پختون بلا امتیاز قبائل و خاندان متحد ہو گئے آفریدی، مہمند، خلیل اور کزئی بنگش اور یوسف زیئوں میں سے بھی بایزید کی قیادت میں مغل حکمرانوں سے نبرد آزما ہونے لگے کیونکہ بایزید پختونوں میں تنظیم پیدا کر کے ان کی ایک داخلی اور قومی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور مغل جو ہندوستان میں غلبہ اور اقتدار حاصل کر چکے تھے ان کی غلامی سے اپنے علاقے کو آزاد رکھنا چاہتے تھے لہٰذا بایزید نے کانی گرام کو اپنا مرکز بنا کر اس تحریک کا آغاز کیا اور ۹۷۰ھ سے ۹۸۰ھ تک مغلوں سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اسی دوران کابل کے صوبے دار

محسن خان کو ایک لڑائی میں شکست دے کر تیراہ کے علاقے کو مرکز بنایا۔

بعد ازاں محسن خان ہی سے ایک اور جنگ ہوئی جس میں بایزید کو شکست اٹھانی پڑی آپ کا لشکر منتشر ہو گیا اور آپ کو فرار کی راہ لینی پڑی۔

وفات بایزید:۔

محسن خان کے ہاتھوں شکست کے بعد آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور کچھ عرصہ بخار میں مبتلا رہنے کے بعد ۹۸۰ھ میں وفات پائی۔ بنوں کے نواح میں ہوڈک نامی گاؤں میں آپ کو دفن کیا گیا۔

بایزید کی وفات کے بعد یہ تحریک ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کی اولاد نے اس کو جاری رکھا یہاں تک کہ ۱۰۴۰ھ میں اس وقت اس تحریک کا خاتمہ ہوا جب بایزید کے پڑپوتے شیخ احداد نے جہانگیر کو لکھا کہ "اگر ہماری طرف سے کوئی مرتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے اور اگر مارتا ہے تو غازی لیکن اگر کوئی تمہاری طرف سے مرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے اور مارنے والا غوثی اور واجب القتل تصور ہوتا ہے۔ تم ذرا اپنا شاہنامہ کھول کر تو دیکھو تو معلوم ہو گا کہ سلطان ابوسعید تیموریہ کی دختر کس صاحب حال سے بیاہی گئی تھی ہم اسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں اور اس لئے وارث مملکت ہیں"(۲۳) اس خط کا اثر یہ ہوا کہ جہانگیر نے فوج کشی کی اور احداد مارا گیا اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے عبدالقادر نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور وہ بھی مارا گیا جس کے بعد عبدالقادر کی والدہ اور دوسرے لوگوں کو شاہجہان کی خدمت میں لے جایا گیا جس نے ان سب کو معاف کر کے خلعت سے نوازا۔ اور پھر اس کے ساتھ اس تحریک کا سیاسی وجود ختم ہو گیا۔

۴۔ روشنیہ تحریک کے اثرات

روشنیہ تحریک جو کہ بنیادی طور پر ایک مذہبی تحریک تھی۔ تحریک کے بانی بایزید انصاری کی خواہش تھی کہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی تصانیف کی روشنی میں اپنے معاشرے کی اصلاح کریں اور اس مقصد کے لئے آپ نے صوبہ سرحد کا تفصیلی دورہ کرنے کے بعد تحصیل چارسدہ کے علاقہ ہشت نگر کو اپنا مرکز بنایا جس کی وضاحت اخوند درویزہ نے اس طرح کی ہے "بایزید پہاڑی علاقوں سے نکل کر پشاور ہوتا ہوا ہشت نگر پہنچا جو تحصیل چارسدہ میں واقع ہے اس علاقہ کے لوگوں نے بایزید کی اطاعت قبول کر لی اور بایزید یہیں مقیم ہو گئے بایزید کی تصانیف کی دینی اہمیت کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی افادیت بھی ہے اس طرح اس تحریک کا دیگر اثرات کے ساتھ اس علاقے کے ادب و ثقافت پر بھی اثر پڑا۔

بایزید جس فرقے کے بانی تھے اس کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کے خیال سے اس نے اپنی سوانح اور اذکار کی نشر و اشاعت کے لئے کتابیں اور رسالے لکھے بایزید کا اسلوب ان رسالوں میں اس طرح سے ہے کہ وہ پہلے اقتباس کے طور پر قرآن کریم کی آیات کا ذکر کرتے ہیں پھر اس کے ساتھ حدیث کا مناسب مواد شامل کرتے ہیں اور اکثر بزرگوں کے اقوال کو بھی شامل کرتے ہیں بایزید نے اپنی کتابیں اپنے خاندان والوں اور مریدوں کو سنائیں اور ان کو خوب سمجھایا آپ کی کتابوں میں خیر البیان اور مقصود المومنین نے اس تحریک اور تصوف میں مقام حاصل کیا یہاں تک کہ "جب بایزید کا بیٹا شیخ عمر اپنے لشکر کے ہمراہ علاقہ یوسف زئی سے جا

رہا تھا اور پیچھے دشمن تھا کہ اسے خیال ہوا کہ خیر البیان پیچھے رہ گئی ہے تو اس نے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا حتیٰ کہ اس کے کارندے کتاب لے کر پہنچ نہیں گئے۔" (۲۶) اس کے علاوہ حالنامہ میں مقصود المومنین کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جنگ کے ایک موقع پر بایزید کا بیٹا جلال الدین دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اور اس پر تلواروں کے پے درپے وار ہو رہے تھے لیکن مقصود المومنین اس کے پاس تھی جس کی برکت سے اس پر کوئی اثر نہ ہوا" (۲۷)

اسی طرح صراط التوحید خیر البیان اور فخر الطالبین بایزید کی وہ تصانیف ہیں جن کی وجہ سے عوام اور خواص کے دلوں میں علمی و ادبی صلاحیتیں پیدا ہوئی تھیں تاکہ وہ پشتو زبان میں اپنا سرمایہ چھوڑ جائیں۔ بایزید نے انہیں کائنات کے رموز میں غور کرنے کی دعوت دی کہ اس کے خالق کی ذات میں فکر کریں تاکہ اس کی عظیم قوت کو پہچان سکیں۔ یہ ایک مسلّم بات ہے کہ جب کبھی قومیں اخلاقی اقدار پر غور کرتی ہیں تو ضرور انہیں ثقافتی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اقوام عرب کو اقوام عجم پر فضیلت اسی طرح حاصل ہوئی۔ اس طرح بایزید انصاری کا مشن نہ صرف مذہبی اور اخلاقی تھا بلکہ ثقافتی بھی تھا۔ ماہرین کو اعتراف ہے کہ پشتو موسیقی کا ارتقاء بایزید اور ان کے پیروؤں ہی کی وجہ سے ہوا*۔ ان لوگوں نے

---

* حاجی محمد ۲۰۹ھ جو بایزید کے مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے رباب میں چند تاروں کا اضافہ کیا جن پر پختون موسیقاروں نے نئے نغمے ایجاد کئے لیکن ان نغموں کو غیر منوازن سمجھا جاتا تھا بایزید نے ان کی بھی اصلاح کی اور پھر اصلاح کی بنا پر موسیقاروں نے سلوک جنگی آہنگ اور مقام شہادت کے نغمے بنائے۔ خود بایزید بھی سرود کی محفل میں وجد میں آجاتے۔

اس میں بنیادی تبدیلیاں کیں اور نئے سرے سے ایجاد کیے۔

علاوہ ازیں بایزید نے اپنے مریدوں میں خود اعتمادی اور آزادیٔ فکر کو پھیلایا۔ انہوں نے مسلمانوں اور پختونوں میں خالق اور خلقت میں غور کرنے کی عادت ڈالی۔ اور کہا کہ زندگی کا راز یہی ہے کہ انسان غور و فکر کے ذریعہ اپنے خالق سے قریب ہو جائے۔ ان اثرات کا سبب بایزید کی تصانیف اور ان کے خلفاء و اولاد تھی۔

الف۔ تصانیف بایزید:۔

بایزید جس فرقے کا بانی تھا اس کے بنیادی اصولوں کی وضاحت اپنی سوانح اور افکار کی نشر و اشاعت کے لئے بایزید نے باقاعدہ کتب اور کچھ رسالے لکھے۔ اب تک بایزید کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

ا۔ خیر البیان:۔

چالیس ابواب پر مشتمل یہ کتاب عربی، فارسی، پشتو اور ہندی میں ہے۔ "بایزید جب بستر مرگ پر تھے تو مریدوں نے آخری وصیت کی درخواست کی تھی پر بایزید نے کہا کہ خیر البیان کا مطالعہ کرو اس کتاب میں میں نے وہ تمام علم درج کر دیا ہے جو مجھے خدا کی طرف سے القا ہوا تھا" (۲۸) اور بقول شاہ نواز خان اس کتاب سے بایزید کے عقیدہ وحدت الوجود کا اثبات ہوتا ہے"۔ (۲۹) یہ کتاب اب پشتو اکیڈمی پشاور نے مولانا عبد القادر صاحب کے حواشی کے ساتھ چھاپ دی ہے اور اس کا نسخہ ٹیوبنگن یونیورسٹی مغربی جرمنی سے حاصل کیا گیا تھا۔

۲۔ مقصود المومنین :۔

یہ کتاب عربی میں ہے۔ روشنیہ فرقے کے مسلک اور عقیدے کے متعلق یہ HAND BOOK بایزید نے اپنے بڑے لڑکے شیخ عمر کی درخواست پر مرتب کی تھی۔ یہ کتاب اکیس[۲۱] ابواب پر مشتمل ہے جس میں سے پہلے تیرہ[۱۳] ابواب میں وعظ، عقل، ایمان، خوف، رجاء، نفس، انبساط، قلب، روح، دنیا، آخرت، توکل اور توبہ کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور باقی آٹھ ابواب تصوف کے آٹھ مدارج کی بحث کے متعلق ہیں اور وہ آٹھ مدارج بایزید کے نزدیک شریعت، طریقت، حقیقت معرفت، قربت، وصلت، وحدت اور سکونت ہیں۔

۳۔ صراط التوحید :۔

یہ عربی اور فارسی دو زبانوں میں ہے اس میں بایزید کے خود نوشت حالات کے ساتھ ساتھ اس کے روحانی ارتقاء کا تفصیلی ذکر ہے اور آخر میں وہ رسالہ ہے جس میں بادشاہوں اور امیروں کو مخاطب کیا گیا ہے اور مجاہدہ و ریاضت کے ان مدارج کا ذکر ہے جس سے انسانی روح ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے جن کا حصول صرف پیر کامل کی رہنمائی ہی میں ہو سکتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس کی تالیف ۹۸۷ھ بتائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو اس کتاب کا مطالعہ کر کے اس پر عمل کرے گا وہ علم التوحید سیکھ لے گا۔ اسی کتاب کا ایک نسخہ بایزید نے شہنشاہ اکبر کو بھیجا تھا جس پر بادشاہ نے نہ صرف اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا بلکہ قاصد کے ہاتھ تحائف روانہ کئے اور اسے بھی خلعت سے نوازا۔ یہ کتاب پشاور عجائب گھر

کے ناظم جناب عبدالشکور صاحب نے ۱۹۵۲ء میں طبع کرائی ہے۔

۴۔ فخر الطالبین :۔

حالنامے کے مرتب علی محمد کے بیان کے مطابق جس وقت بایزید مختلف امراء کو مکتوبات روانہ کر رہے تھے اس وقت انہوں نے یہ رسالہ بدخشاں کے مرزا سلیمان کو بھیجا تھا۔ (۳۰) لیکن ابھی تک اس رسالے کا پتہ نہ چل سکا اور نہ اس کی تعلیمات کا علم ہو سکا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تعلیمات بھی صراط التوحید کے طرز پر ہوں گی جن کی روشنی میں امراء کو فرقہ روشنیہ کے مسلک کی دعوت دی گئی ہوگی۔

۵۔ حالنامہ :۔

یہ کتاب بایزید کی خود نوشت سوانح عمری ہے اور اس کی زبان فارسی ہے علی محمد مخلص نے اس کتاب کو دوبارہ مرتب کیا ہے اور اس میں اضافے بھی کئے ہیں یہ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کا نقل شدہ نسخہ* پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اور ٹائپ شدہ فوٹو پشتو اکیڈمی پشاور میں ہے۔

---

* اس کا اصل نسخہ میں نے جنوبی ایشیائی سیمینار برائے تصوف کے علی گڑھ سیشن کے دوران علی گڑھ یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں دیکھا جس کے صفحات کی تعداد ۵۲۶ ہے

۔ اگر اللہ نے چاہا تو اس سلسلے میں الگ سے ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔

نیز سیمینار کے دوران ہی مندوبین سے معلوم ہوا کہ ایک نسخہ رضا لائبریری حیدرآباد دکن میں بھی

تصانیف بایزید پر تبصرہ :-

یہ حقیقت ہے کہ بایزید انصاری کی خدمات کئی شعبوں میں خصوصیت کی حامل ہیں لیکن علمی اور سیاسی میدان ایسے ہیں کہ جب بھی دسویں صدی ہجری کی بات ہوگی یا پختونوں کی صحیح تاریخ* مرتب کی جائے گی بایزید کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حالنامہ کے مرتب لکھتے ہیں کہ "دو خزانے حق تعالیٰ نے پختونوں سے پوشیدہ رکھے تھے اور دو شخصیتوں کے ذریعے ان کو ان پر ظاہر کیا۔ ایک خزانہ علم توحید ہے جسے اللہ نے پیر روشن کے ذریعہ پختونوں پر ظاہر کیا اور دوسرا خزانہ علم موسیقی کا ہے جو حاجی محمد پیر روشن کے مرید کے طفیل پختونوں کو ملا" (۴۱) اسی کے ساتھ ساتھ بایزید کی ادبی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور خیر البیان تو بقول مولانا عبدالقدوس صاحب پشتو ادب کی سب سے پہلی مکمل کتاب ہے آپ خیر البیان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "خیر البیان پشتو کی سب سے پہلی کتاب ہے جو کہ آج تک پوری ہم تک پہنچی ہے اور پشتو ادب کا سارا سلسلہ بھی اسی کتاب سے شروع ہوتا ہے" (۴۲) اس کے علاوہ بایزید کی دیگر تصانیف صراط التوحید مقصود المومنین اور فخر الطالبین بھی وہ مائیہ ناز کتب ہیں جو ادب میں خاص

* میں نے صحیح تاریخ کا ذکر اس لئے کیا کہ بلاشبہ پختون اور صوبہ سرحد پر کافی سے زیادہ لکھا جاچکا ہے۔ لیکن لکھنے والوں کی اکثریت پختون تہذیب ثقافت سے نابلد اور ان کے جذبہ اسلامی سے ناواقفیت کی بنا پر ان سے انصاف نہ کرسکے خصوصاً مستشرقین۔ اس لئے ضروری ہے کہ پختون اہل قلم میدان میں آئیں اور ان خدمات سے دنیا کو روشناس کرائیں جو فطرت کے مقاصد کے ان نگہبانوں نے اسلام اور پھر پاکستان کے لئے سرانجام دیں۔

مقام رکھتی ہیں۔ دسویں صدی ہجری میں صوبہ سرحد کی جن شخصیتوں نے اپنا قلمی زور دکھایا ان میں بایزید سر فہرست ہیں جن کے بعد اخوند درویزہ نے علمی اور ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے بلکہ خوشحال خان خٹک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اخوند درویزہ بایزید کی خیر البیان کو نہیں سمجھ سکے۔ آپ فرماتے ہیں

درویشان خیر البیان ئے وولیدہ
دہغہ پہ مضمون نہ وو پوہیدے (۴۳)

(پیر روشن کی خیر البیان کو دیکھا لیکن اس کے مضمون کو نہ سمجھ سکے) یہی نہیں بلکہ خوشحال خان نے اخوند درویزہ پر طنز کرتے ہوئے لکھا کہ اس دور میں پختون پیر پرستی کے طرف مائل ہوگئے تھے کچھ شاہ علیبنی اور سرمست کے مرید ہو گئے اورکزئی اور آفریدی روشنیہ کے حصے میں آئے اور غوری جیل قاسم کے حصہ میں درویزہ کے لئے راستہ کھلا تھا اور معمولی علم کی بنا پر بڑا عالم بن بیٹھا اور حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتاب لکھ ڈالی جہاں تک ذاتی کردار کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ان کے قول و فعل میں تضاد تھا۔ خوشحال خان اپنے ایک شعر میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

خو پہ خولہ کلمہ لولی مسلمان دی
پو عدہ پہ عہد قول کښې بے ایمان دی (۴۴)

(منہ سے کلمہ پڑھتے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں حالانکہ قول و قرار میں بے ایمانی کو اپنائے ہوئے ہیں) لہٰذا ان حالات میں اخوند درویزہ نے اپنی زبان کھولی اور جو چاہا بیان کیا کیونکہ میدان تو خالی تھا خوشحال خان کا کہنا ہے کہ

دہ پیہ خوشے میدان بیامند سخن گوی شو
پہ دیل کښې چہ ئے ذرہ وو چے توئی شہ (۴۵)

(اخوند درویزہ نے میدان خالی پاکر جو دل میں آیا کہنا شروع کر دیا)

یہاں پر سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اخوند درویزہ نے بایزید کی مخالفت میں اعتدال کو چھوڑ کر بعد میں آنے والوں کے لئے اپنی مخالفت کا جواز بھی پیدا کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کابل میں اور صوبہ سرحد میں جو لوگ پیر بابا کی خدمات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اس کی بنیاد بھی اخوند درویزہ کا غیر اعتدالانہ رویہ تھا۔ اگر غیر جانبداری سے کام لیا جائے تو بلا پس و پیش یہ کہا جا سکتا ہے کہ بایزید انصاری نے سیاسی اور ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین نے بھی خواہ پیر بابا ہوں یا اخوند درویزہ ان کی سیاسی اور ادبی خدمات کو سراہا ہے۔ صرف مذہبی معاملات میں اس کی مخالفت کی ہے اور اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خصوصاً اخوند درویزہ نے مخالفت برائے مخالفت سے کام لیا۔ یعنی پیر بابا کا رویہ اعتدال پسندانہ تھا اور اخوند درویزہ کا متشددانہ۔ بایزید کی ادبی خدمات کو آج کے ادباء اور مورخین نے بھی سراہا ہے "پیر روخان صحیح معنوں میں علمی ادبی پشتو نثر لکھنے والوں کے پیشرو ہیں انہوں نے پشتو نثر میں جس نئے مکتبہ فکر کی بنا ڈالی خوشحال خان خٹک کے عہد تک پشتو کے تمام نثر نگار اسی ڈگر پر چلتے رہے یہاں تک کہ ان کے حریف اور مد مقابل اخوند درویزہ جو پیر روخان کے عقاید کے شدید مخالف تھے انہوں نے بھی اپنی تصانیف میں پیر روخان ہی کے اسلوب کی تقلید کی۔" (۳۶)

یہ ایک حقیقت ہے کہ دسویں صدی ہجری میں یہ دونوں گروہ آپس میں متصادم ہوئے*۔ اور کفر کے فتوے عائد کرتے رہے اور ان ہر دو بزرگوں (بایزید

* دونوں گروہ یعنی بایزید انصاری اور پیر بابا اور ہر دو کے معتقدین۔

اور اخوند درویزہ) کی چپقلش عوام کے لئے گمراہ کن بھی ثابت ہوئی تاہم اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ پشتو ادب کو ان کی باہمی رقابت کے طفیل تصنیف و تالیف کا ایک گرانقدر سرمایہ مل گیا۔ "پیر روخان اگرچہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھے لیکن ان کی ادبی عظمت بہت نمایاں ہے بلکہ پشتو ادب کو زندہ کرنے اور رکھنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ انہوں نے پشتو نثر کی طرف توجہ فرما کر اسے ترقی یافتہ بنایا اور ایک نئے مکتبہ فکر کی بنیاد ڈالی اس مکتبہ فکر نے بڑے بڑے نامور ادیب اور شاعر پیدا کئے اس اعتبار سے پشتو ادب ان کے احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔" (۳۷)

ب: اہم خلفاء و اولاد:۔

تحریک روشنیہ کے بانی بایزید انصاری (پیر روشن) نے ۹۸۰ھ میں وفات پائی لیکن آپ کی وفات کے ساتھ یہ تحریک ختم نہیں ہوئی بلکہ آپ کے خلفاء نے جو آپ کے بیٹے تھے اور آپ کی بیوی نے اس تحریک کو جاری رکھا۔

بایزید انصاری کے پانچ بیٹے تھے۔ شیخ عمر، کمال الدین، شیخ نور الدین، شیخ خیر الدین اور جلال الدین۔ باپ کی وفات کے بعد شیخ عمر نے اپنے باپ کی تحریک کی قیادت کی اخوند درویزہ کے بیان کے مطابق "شیخ عمر اپنے باپ کی طرح اپنے آپ کو افغانوں کا سردار تصور کرتا تھا یہاں تک کہ یوسف زئی قبیلہ کے لوگوں نے اس کی اطاعت کی بلکہ بعض نواس کی تحریک میں شامل ہو گئے اور اسے عشر و خراج دینے پر راضی ہو گئے۔"(۳۸) شیخ عمر بہت جلد یوسفزئیوں کی باہمی جنگ میں مارا گیا جس کے بعد جلال الدین نے جو جلالہ کے نام سے مشہور ہوا اس تحریک کی قیادت کی جلالہ بھی ایک لڑائی میں قید ہوا اور اسے اکبر کے سامنے پیش کیا گیا

اکبر نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اسے چھوڑ دیا لیکن اکبر کی یہ عنایت جلالہ کی ہمدردیاں نہ حاصل کر سکیں اور اس نے پھر سے مغلوں کے خلاف صف آرائی شروع کر دی اور ۹۹۳ سے ۹۹۶ھ تک جلالہ اور کرزئی اور آفریدیوں کی مدد سے اکبر کی فوجوں سے جمرود اور تیراہ کی پہاڑیوں میں لڑتا رہا اگرچہ تیراہ کی ایک جنگ میں اسے بہت زیادہ نقصان پہنچا لیکن اس کے بعد بھی مزید دو سال تک جلالہ نے مغلوں کو پریشان کئے رکھا یہاں تک کہ اکبر کو اس کے خلاف سخت کاروائی کرنی پڑی جس کے لئے اکبر نے راجہ مان سنگھ* کو اس تحریک کا دم توڑنے کے لئے مقرر کیا جس کے ساتھ ۹۹۴ھ میں درہ خیبر کے نواح میں سخت لڑائی ہوئی اور روشنائیوں کے ہزاروں آدمی مارے گئے بہت سے قید ہوئے اور جلالہ نے بنگش قبیلہ کے ہاں پناہ حاصل کی وہاں اپنی قوت مجتمع کر کے مغلوں پر حملہ آور ہوا لیکن شکست اٹھانی پڑی مگر جلالہ نے ہمت نہ ہاری مغلوں کو پریشان کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۰۲ھ میں غزنی پر قبضہ کر لیا اور یہی اس کے عروج کا زمانہ تھا جہاں پر مغلوں سے جنگ ہوئی جس میں جلالہ مارا گیا جس کے بعد شیخ عمر کے لڑکے یعنی بایزید کے پوتے احداد نے تحریک روشنائی کو سہارا دیا۔ احداد نے ۱۰۱۰ھ تک اس تحریک کو جاری رکھا لیکن اس دوران جلالہ کے لڑکے رشید خان اور ہادی داد خان

---

* راجہ مان سنگھ کی بہن سے اکبر نے ۹۹۳ھ میں شادی کی تھی۔ مان سنگھ پر اکبر کی خصوصی عنایت تھی اور اس نے اسے روشنائیوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے بھیجا اور کابل اس کی جاگیر میں دی بعد ازاں بنگال و اڑیسہ اس کے تصرف میں تھے مان سنگھ نے دکن میں وفات پائی اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ ساٹھ مرد عورتوں نے اس کے ساتھ ستی ہو کر جان دی۔

ہندوستان آ گئے اور جہانگیر سے وابستگی اختیار کر لی*۔ جہانگیر نے انہیں اہم عہدوں پر فائز کیا۔

ان بھائیوں میں رشید خان بہت پسندیدہ اطوار کا مالک تھا، عقل سلیم، حسن ادراک، عالی ہمتی اور سخاوت میں یگانہ روزگار تھا اس کے ساتھ ہی شجاعت مردانگی، مروت، بردباری اور تہذیب و اخلاق میں اپنی مثال آپ۔ ایک عرصہ تک دکن کا حاکم رہا اور اس دوران وہاں کے عوام اس کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ مہابت خان نے ایک مرتبہ جہانگیر کو لکھا کہ "یہ تمام لوگ جو رشید خان کے ساتھ ہیں، انتہائی خلوص کے ساتھ کام کرنے والے ہیں مجھے تعجب ہے کہ باوجود اس دانشمندی اور بہادری کے کوئی سرکشی کا خیال بھی نہیں کرتا۔ اس کو دکن سے طلب کرنا قرین مصلحت ہے۔" (۳۹)

۵۔ روشنیہ تحریک کی مخالفت اور اس کا سبب

روشنیہ تحریک کی مخالفت اس کی ابتدا ہی سے شروع ہو گئی تھی اور اس میں

---

* کچھ عرصہ بعد یعنی ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر نے احداد کے خلاف طاقت استعمال کی جس کے نتیجہ میں وہ مارا گیا اس کی بیٹی کو فوج نے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے منہ پر چادر لپیٹ کر قلعہ سے چھلانگ لگا دی اور اپنی جان تو دے دی لیکن گرفتاری نہ دی اس کے ساتھ ہی اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔ احداد کے لڑکے عبد القادر کو مغلوں کی طرف سے منصب خاص پر فائز کر دیا گیا اور اس نے پشاور میں ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی۔

سب سے آگے پیر بابا اور ان کے خلیفہ حضرت اخوند درویزہ تھے۔ درویزہ نے اپنی تصانیف میں اس تحریک کے بانی بایزید انصاری کے عقائد و نظریات پر اعتراضات کئے ہیں اور بایزید کو ملعون تک قرار دیا ہے۔ درویزہ اسی طرح کا اظہار اپنی کتاب تذکرۃ الابرار والاشرار میں اس طرح کرتے ہیں "وایں ملعون پیر تاریک منکر بعث بودہ و اتباع خود را فرمودہ" (۴۰)

(اور یہ ملعون پیر تاریک بعثت کا منکر تھا۔ اور اپنی اتباع کی تلقین کرتا تھا)۔

اخوند درویزہ نے بایزید کے عقیدہ پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ کچھ اس طرح کے ہیں۔

۱۔ بایزید کا عقیدہ باطن تھا اور وہ کالنجر کے ملا سلیمان ملحد کا پیرو تھا اسی لئے وہ اپنے آپ کو کبھی مہدی اور کبھی پیر کامل کہتا ہے اور اپنی اتباع لوگوں کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے آپ کو خدا کہتا۔ خدا کا مظہر کہتا، یہ عقیدہ جوگیوں کی مجلس سے اس نے حاصل کیا جو کہ اپنے آپ کو خدا کا اوتار قرار دیتے ہیں۔

۳۔ اس نے جوگیوں سے عقیدہ تناسخ کا اثر قبول کیا جس میں انسان اپنے اعمال کی بنا پر مختلف جسم بدلتا ہے اور حیوان کی شکل بھی اختیار کر دیتا ہے

۴۔ وہ نبوت کا مدعی بھی تھا اور کہتا کہ جبریل میرے پاس آتا ہے اور مجھ پر وحی لاتا ہے اپنی کتاب خیر البیان کو الہامی کہتا کہ یہ خدا نے مجھ پر نازل کی ہے جس کا ثبوت وہ مہر ہے جس پر اس نے یہ الفاظ نقش کروائے تھے۔ "سبحان الملک الباری۔ عبد اکرم عالم نوری از ناری۔ بایزید انصاری" اس نقش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا مدعی تھا۔

دوسرا نقش "بایزید مسکین۔ ہادی المضلین" تھا جس سے اس کا مدعی نبوت ہونا ظاہر ہے۔

۵۔ خیر البیان کی عبارت میں سے کچھ عربی پر مشتمل ہے جو نحو، ترکیب و ترتیب کے اعتبار سے صحیح نہیں اور یہ کتاب عربی، فارسی، ہندی اور پشتو پر مشتمل ہے اور ان تمام زبانوں کی عبارت سے اہل علم کو نفرت ہے۔ خیر البیان کا کچھ حصہ اس نے لکھا ہے اور کچھ ملا ارزانی نے۔

۶۔ اس کی کتابوں میں اکثر احادیث موضوع ہیں اور خود اس نے گھڑھی ہیں۔

۷۔ حشر و نشر کا منکر تھا اور کہتا تھا جو جسم حلال یا حرام میں بڑھے ایک مرتبہ فنا ہو جائے تو دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔

۸۔ بایزید شفاعت کا منکر تھا۔

۹۔ اس کا سارا عمل تنکوں کا کھو نسلہ تھا شروع میں یہ حال تھا کہ ننگے پاؤں پھرتا تاکہ کوئی چیونٹی پاؤں تلے نہ روندی جائے اور مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا اور پھر ایسا حال ہوا کہ اگر کسی سے ناراض ہو جاتا تو انہیں لکڑیوں سے جلاتا اور ان کے مردوں پر خود اپنی گھوڑی دوڑاتا۔

۱۰۔ اس کے مریدوں اور خلفاء میں عورتیں بھی شامل ہوتیں جن کا مقصد لوگوں کے لئے تماشا بنانا اور پھر انہیں اکٹھا کرنا تھا۔

۱۱۔ جو لوگ اس کے مرید ہو جاتے وہ آخر کار نماز اور نیک اعمال کو چھوڑ کر لوٹ مار، بدکاری اور علماء کی مخالفت پر اتر آتے (۴۱)

اخوند درویزہ نے بایزید پر جو الزامات عائد کئے ہیں اور جن کی بنا پر بایزید کو ملحد قرار دیا ہے۔ ان پر اگر غیر جانبداری سے سوچا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ

۱۔ یہ صحیح ہے کہ بایزید کی علمی استعداد کافی مضبوط نہ تھی لیکن بحر کیف ایک علمی خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے خیر البیان اس کے لئے تصنیف کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

۲۔ یہ کہنا کہ بایزید کی تعلیم سے اس کے مرید بے راہ ہو گئے تھے اور نماز کے پابندی نہ کرتے تھے صحیح نہیں ہے کیونکہ خود بقول اخوند درویزہ کے جب میں بایزید کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو صبح کی نماز میں وہ آگے ہوا اور اس کے مریدوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی (۴۲) نیز بایزید نے اپنی کتابوں میں وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر احکامات کی پوری تلقین کی ہے اور مسائل پر بحث کی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بایزید ارکانِ اسلام کو اہمیت دیتا تھا۔

۳۔ جہاں تک یہ کہنا کہ بایزید نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کا رد خود بایزید نے قاضی خان سے مباحثہ کے دوران کر دیا تھا۔ چنانچہ قاضی خان کے جواب میں بایزید کہتے ہیں "عام لوگ الہام اور وحی میں فرق نہیں کر سکتے اس لئے میرے حاسدین حسد کی بنا پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔(۴۳)

۴۔ شفاعت کے بارے میں اخوند درویزہ نے بایزید پر اعتراض تو کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ بایزید کی کس کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ بایزید کی جو کتابیں اب تک معلوم ہوئی ان میں سے کسی میں بھی شفاعت کے انکار یا اقرار کا ذکر نہیں اور ہم کسی عقیدہ کے بارے میں خاموشی پر اس کا رد نہیں سمجھ سکتے۔

۵۔ لے دے کر صرف ایک ایسا عقیدہ رہ جاتا ہے جس کی بنا پر بایزید کے عقائد پر بحث کی جا سکتی ہے اور وہ ہے اس کا عقیدہ "وحدۃ الوجود" اور اس سے خود روشنیہ والے بھی انکار نہیں کرتے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ

بایزید سے قبل بہت سے صوفی اس عقیدہ کے قائل رہ چکے ہیں جن میں ابن عربی غوث الاعظم فرید الدین حسین بن منصور حلاج اور بایزید بسطامی شامل ہیں۔

موازنہ

اس طرح ہم ایک طرف پیر روشن بایزید کو ابن عربی اور فرید الدین عطار کی متابعت میں معذور سمجھ سکتے ہیں تو دوسری طرف ہم پیر بابا اور اخوند درویزہ کو بھی کچھ کہہ نہیں سکتے جنہوں نے بایزید کے عقائد کی تردید کی ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ اور علامہ سعید الدین تفتازانی نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ کے قائل حضرات کے خلاف قلم اٹھایا ہے البتہ ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ پیر روشن ان تمام باتوں کے باوجود ایک بڑی روحانی قوت بن کر ابھرے ان کے اقوال شرعی کی توجیہ کسی نہ کسی رنگ میں کی جا سکتی تھی لیکن پھر بھی "ہمہ اوست عقیدہ" "ذکر خفی"، کاملیت کا دعویٰ، لوگوں کو اپنے اتباع کی تلقین اور سماع و سرود اس کے مسلک کے ایسے اجزاء تھے جن کی وجہ سے پیر بابا اور اخوند درویزہ جیسے علماؤ مشائخ اس کی مخالفت میں حق بجانب تھے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابتداء میں یہ مخالفت خاص مذہبی رنگ میں ہوئی اور اس میں کوئی سیاسی آمیزش نہیں تھی یہ الگ بات ہے کہ بعد میں جب روشنیہ تحریک دینی تحریک کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی تحریک کے طور پر پروان چڑھنا شروع ہوئی تو اس کو ختم کرنے میں مذہبی شخصیتوں نے بھی حصہ لیا اور روشنیہ تحریک کے سیاسی مخالفین نے مذہبی مخالفین کا سہارا بھی لیا جس سے مذہبی مخالفین کو سیاست میں ملوث ہوتے یا سیاسی شخصیتوں کی

حمایت کرنے کے الزام سے بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا۔

لٰہذا جب بھی مورخین و محققین اس تحریک کا ذکر کریں گے تو انہیں دونوں بڑی شخصیتوں یعنی بایزید اور سید علی ترمذی (پیر بابا) کو ایک ساتھ لے کر چلنا ہو گا۔ اور ایسا ہوتا بھی رہا کہ جب بھی دسویں صدی ہجری کی تاریخ مرتب کی گئی مورخین بایزید انصاری اور ان کی تحریک کو نظر انداز نہ کر سکے۔

۶۔ روشنیہ تحریک پر مورخین و محققین کی آراء

روشنیہ تحریک اگرچہ جنوبی ایشیا کے دور دراز اور دشوار گذار علاقے میں سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان پروان چڑھی۔ ایک ایسے علاقے میں جہاں آمد و رفت انتہائی مشکل کام تھا۔ لیکن اس کی اہمیت اس قدر تھی کہ اس نے ہندوستان بھر کے اہل قلم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم اہل قلم نے اس تحریک پر اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے چند کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

۱۔ محمد قاسم فرشتہ :۔

تحریک روشنیہ پر محمد قاسم فرشتہ نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے شہنشاہ اکبر نے راجہ مان سنگھ کو افغانانِ روشنائی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا کیونکہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشن رکھا اور افغانوں کو اپنا

* پیر روشن کو ہندوستانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش جالندھر میں ہوئی۔ بعد ازاں آپ والد کے ہمراہ ہجرت کر کے صوبہ سرحد کے علاقے وزیرستان چلے آئے۔

مرید بنا لیا اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہندوستان و کابل کا راستہ بند کر دیا راجہ مان سنگھ نے روشنائیوں کے خلاف جنگ لڑی ۹۹۷ھ میں جب جلالہ نے مغلوں پر غلبہ پایا تو بعد میں مغلوں نے بڑی قوت سے اس کا مقابلہ کر کے اسے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔" (۴۴)

فرشتہ آگے چل کر بایزید کے مسلک کے بارے میں اس انداز سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ۔ بایزید کا مسلک اہل تصوف کا مسلک تھا ۹۴۹ ہجری تک اس کے بہت سے مرید ہو گئے اور اس نے بے دینوں اور احکام خداوندی کے نافرمانوں کے ساتھ جہاد شروع کیا۔ پرانے طریق کے پیر، علماء اور متصوفین نے بایزید کی مخالفت کی اور اسے کافر و مرتد قرار دیا۔" (۴۵)

۲۔ عبدالقادر بدایونی :۔

ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں ۹۹۴ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تقریباً پچیس[۲۵] برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی نے اپنے لئے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا اور افغانوں میں سے اکثر کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا اس نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام خیر البیان رکھا ۹۸۹ھ میں جب اکبر کابل سے آ رہا تھا اس کا لڑکا جلالہ جس کی عمر ابھی چودہ[۱۴] برس تھی اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اکبر نے اسے دربار میں جگہ دی لیکن بعد کو وہ دربار چھوڑ کر چلا گیا اور افغانوں میں جا کر ایک فوج اکٹھی کی اور کابل کا راستہ غیر محفوظ کر دیا۔ تقریباً ۲۰ سال تک مغل فوج کو پریشان کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے ۱۰۲۰ ہجری میں غزنی پر قبضہ کر لیا۔" (۴۶)

3. **OLAF CAROE:**

Bayzid the Roshnai left a great name and at though the trible tide had begun to go against him in Yusuf Zai Territory, his son and grand son were able to mobilize strong trible support in the hills and to maintain for years a spirit of independence. (16)

ترجمہ۔ بایزید کی روشنیہ تحریک کافی مشہور رہی اگرچہ یوسف زئیوں میں کچھ قبائل اس کے خلاف تھے لیکن بایزید کے بیٹے اور پوتے نے بہت سے قبائل کی حمایت حاصل کر کے آزادی کی وہ تحریک جاری رکھی جسے اکبر اور جہانگیر کی قوت بھی ایک عرصہ تک نہ مٹا سکی۔

۴۔ شیخ فرید بکھری:۔

عہد جہانگیری کے مشہور مورخ شیخ فرید بکھری نے اپنی مشہور کتاب ذخیرۃ الخوانین میں جو انہوں نے ۱۰۶۰ھ میں لکھی اور جسے عہد مغلیہ میں اہم تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ تحریک روشنیہ کے بانی بایزید کے بارے میں لکھتے ہیں

"بایزید نے افغانوں کو اپنا مرید بنایا اس نے پشتو زبان میں خیر البیان لکھی جو مسئلہ وحدۃ الوجود پر مدلل کتاب ہے جس میں دلائل و براہین قاطع از روئے نص احادیث اور اقوال بزرگان سلف کی تاویلات سے کام لیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ کتاب ایسی نادر ہے کہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو ہر شخص اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ صاف دل پختون اس کے کشف و کرامات سے اس کے گرویدہ ہو گئے اور تادم حیات عبادت حق، سنت نبوی کی ترویج، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگے رہے۔ اس کے سلسلے کی برکت اس وقت تک باقی ہے اس نے اپنے پیچھے خلفائے موحد کو چھوڑا جن میں سے ہر ایک اسلام کا ستون ہے اور اس وقت تک دنیا ان سے ہدایت حاصل کر رہی ہے۔" (۴۸)

شیخ فرید نے اس تحریک کے خلفاء پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اس سلسلے میں وہ جلالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "جلالہ نے اپنے والد کے مریدوں کی بھاری اکثریت کے ساتھ مل کر ہندوستان اور کابل کے درمیان آمد و رفت کو معطل کر دیا جلال الدین اکبر نے بڑی سوچ و بچار کے بعد راجہ مان سنگھ کو کابل میں جاگیر دے کر اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقرر کیا۔" (۴۹)

تحریک روشنیہ کے آخری قائد اور بایزید کے پوتے امداد کو شیخ فرید اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں "اس کی شجاعت و بہادری کی ایسی کہانیاں ہیں کہ میں انہیں لکھنے سے قاصر ہوں اس نے اپنی ساری زندگی پہاڑوں پر شاہی لشکر سے جنگ و جدال میں کاٹ دی کبھی غالب ہوا اور کبھی مغلوب (۵۰)۔

۵۔ شاہنواز خان:۔

ماثر الامراء کی دوسری جلد میں اس تحریک کے بارے میں تفصیلی حقائق کا

تذکرہ کرتے ہیں جس میں بایزید کی پیدائش صوبہ سرحد میں اس کے قیام، اس کی صوفیانہ زندگی، خیر البیان کی تصنیف اور مرزا حکیم کے دربار میں اس کا کابل کے قاضی القضاۃ سے مناظرہ، اس کی اولاد کی اکبر سے چپقلش۔ جلالہ کا غزنی پر قبضہ احداد کی جرأت و بہادری اور اس کے بعد بایزید کی اولاد کا دربار شاہجہانی میں جا کر مناصب حاصل کرنا اور پھر ۱۰۴۸ھ کے بعد اس تحریک کے خاتمہ وغیرہ کے بارے میں مصنف لکھتا ہے جلال الدین جو جلالہ کے نام سے مشہور ہے اس کا باپ شیخ بایزید خلف شیخ عبد اللہ جو پیر روشان یا پیر روشنائی سے مشہور ہے وہ بابر کے ہندوستان پہنچنے سے چند سال پہلے جالندھر میں پیدا ہوا۔ حصول علم کے بعد کوہستانی علاقوں میں چلا گیا۔ ۹۴۹ ہجری میں اس نے خوب شہرت پائی اور اپنی کرامات کی بدولت افغان قبائل* کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔ ایک مدلل کتاب خیر البیان وحدۃ الوجود پر پشتو** میں لکھی ۔“ (۵۱)

۶۔ سید فارغ بخاری اپنے ایک مقالہ مطبوعہ تاریخ ادبیات پاکستان و ہند میں اس تحریک کے بانی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ”پیر روخان کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔ عام مذہبی عقائد سے ہٹ کر آپ نے توحید کا راستہ اختیار کیا اور شرک و بدعت کی سختی سے مخالفت کی۔ اس طرح جہاں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے

* مصنف نے افغان قبائل کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس دور میں یہ علاقے مغل حکمرانوں کی طرف سے کابل میں تعین کردہ حکمران کے زیر رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن غیور پختون اس کو پسند نہ کرتے تھے۔

** مصنف نے صرف پشتو کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ کتاب عربی، فارسی، پشتو عبارات اور اردو کے چند الفاظ میں تحریر کردہ ہے۔

معتقدین پیدا ہو گئے وہاں مخالفین کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔“ (۵۲)

۷۔ بایزید کی کتاب صراط التوحید کے مصحح عبد الشکور اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ”بیسویں صدی کے اکثر محققین اور روشن خیال مفکرین کا خیال ہے کہ بایزید انصاری درحقیقت ایک صحیح مبلغ، رہنما، سیاستدان اور ادیب تھے حضرت اخوند درویزہ نے مذہبی تعصب، ذاتی عناد اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انہیں ملحد اور زندیق ٹھہرایا۔ (۵۳)

مذکورہ بالا مورخین کی رائے کے بعد با آسانی اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ پیر روشن کی شخصیت اس کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی متنازعہ رہی لیکن اس کی روحانی اور سیاسی قوت سے کسی کو بھی انکار نہیں رہا۔ جہاں تک پیر بابا اور ان کے خلفاء کی مخالفت کا تعلق ہے تو وہ کوئی نئی بات نہیں تصوف کے معاملات میں ایسا ہوتا رہا ہے۔

حوالہ جات باب ششم

۱- محمد جہانگیر ، ڈاکٹر ، " شیخ العالم میاں شیخ درویش " (مقالہ) مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین ، لاہور ، فروری ۱۹۵۵ع ص — ۵۷

۲ — محمد شفیع ، ڈاکٹر ، " بایزید انصاری " مقالہ مطبوعہ سہ ماہی پشتو ، پشتو اکیڈمی پشاور ، ترجمہ از عبدالقدوس ، مولانا ستمبر ۱۹۵۹ع ، ص — ۲۰

۳ — فہمی ، شوکت علی ، مفتی ، " ہندوستان پر مغلیہ حکومت " دہلی : دین و دنیا پبلشنگ کمپنی ، ۱۹۵۰ ع ، ص — ۲۸

۴ — نظام الملک ، ہاشم علی خان ، " منتخب اللبا کلکتہ : ایشیاٹک سوسائٹی ، ۱۸۶۹ ع ، ص — ۲۱۲

۵ — مخلص ، علی محمد (مرتب)" حالنامہ " از بایزید انصاری ، پشاور : پشتو اکیڈمی (مخطوطہ

۶ — ظہورالدین احمد ، ڈاکٹر ، " ابوالفضل " مقالہ مطبوعہ ادارہ تحقیقات پاکستان ، دانشگاہ پنجا لاہور ، ۱۹۷۵ع ص — ۲۱

۷ — خافی خان ، نظام الملک ، ہاشم علی خان ، " منتخب اللباب " محولہ بالا ، ص — ۲۰۵

۸ — Olaf Caroe, " The Pathan ", New York, Macmillan & Co. Ltd., 1958, P-217.

۹ — انصاری ، بایزید ، " صراط التوحید " پشاور ادارہ اشاعت سرحد ، ۱۹۵۲ ع ص — ۱ — ۲

۱۰ — درویزہ ، اخوند ، " تذکرۃ الابرار و الاشرار " پشاور : ادارہ اشاعت سرحد ، ص — ۱۵۳

۱۱ — مخلص ، علی محمد ، (مرتب) " حالنامہ " از بایزید انصاری ، محولہ بالا ، ص — ۲۸۳

۱۲ — انصاری ، بایزید ، " صراط التوحید " محولہ بالا ، ص — ۲۵

۱۳ — ایضا ، ص — ۳۶

۱۴ — ایضا ، ص — ۳۹

۱۵ — ایضا ، ص — ۴۹

۱۶ — ایضا ، ص — ۸۲

۱۷ — ایضا ، ص — ۳۰